اصلاحی، انقلابی، پرتاثیر بیانات کا حسین مجموعہ

بزمِ منوّر

خطبات

واعظ شیریں بیاں حضرت مولانا منور حسین ابن عبداللہ صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب جامع مسجد بالہم، لندن، یوکے

زیر سرپرستی

مفتی محمد طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب چوڑگر مسجد واستاذ حدیث مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ، سورت، گجرات، انڈیا

جدید ترتیب وتہذیب

محمد عبید منیار غفرلہ الاحد

جلد ۶

ناشر

حضرت حافظ عبدالغفور بن عبدالمجید شیخ صاحب دامت برکاتہم

مہتمم شیخ جامعہ احمد اللہ ومرکزی دارالعلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا

علماء دیوبند کے علوم کا پاسبان
دینی وعلمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل
حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل ہے

اصلاحی، انقلابی، پرتاثیر بیانات کا حسین مجموعہ

بـــزم منـــور

جلد ششم

علماء دیوبند کے علوم کا پاسبان
دینی وعلمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل
حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل ہے

خطبات

حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب جامع مسجد بالہم، لندن، یو-کے

زیر سرپرستی

مفتی محمد طاہر سورتی صاحب دامت برکاتہم

امام وخطیب چوڑگر مسجد، واستاذ حدیث مدرسہ اسلامیہ وقف، صوفی باغ

جدید ترتیب وتہذیب

محمد عبید منیار غفرلہ الاحد

ناشر

حضرت حافظ عبد الغفور بن عبد المجید شیخ صاحب دامت برکاتہم

مہتمم شیخ جامعہ احمد اللہ و مرکزی دار العلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا

تفصیلات کتاب

نام کتاب:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بزم منور (ج:۶)

خطبات:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم

زیر سرپرستی:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مفتی محمد طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم

جدید ترتیب وتہذیب:۔۔۔۔۔۔۔محمد عبید منیار، سورت، گجرات

ناشر:۔۔۔حضرت حافظ عبدالغفور بن عبدالمجید شیخ صاحب دامت برکاتہم

چوتھا ایڈیشن: ۱۰۰۰

صفحات: ۳۱۰

قیمت: -/100

ملنے کے پتے

(۱) مرکزی دارالعلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا۔ 0091-0261-2840120

(۲) مولانا محمد انور مصری صاحب (اسلامک بک ڈپو) +91-9825 793711

نزد جامع مسجد، چوک بازار، سورت، گجرات، انڈیا

(۳) **دارالحمد ریسرچ انسٹیوٹ** +91-91731 03824

سوداگرواڑہ، سورت، گجرات، انڈیا

(۴) مولانا بک ڈپو، رانی تالاب، سورت، گجرات، انڈیا +91-92287 60716

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	صاحب کتاب کے بارے میں	۲۵
۲	مولانا کا وطن	۲۵
۳	حفظِ قرآن کریم	۲۶
۴	سہارنپور؛ رمضان المبارک میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خانقاہ میں	۲۶
۵	دیگر اکابر کی خدمت	۲۶
۶	جامعہ حسینیہ راندیر میں داخلہ	۲۸
۷	تقریر و بیان	۲۹
۸	جامعہ سے فراغت	۳۰
۹	دیوا بستی ضلع بھروچ میں دینی خدمات	۳۰
۱۰	جامع مسجد بالہم لندن سے دعوت	۳۰
۱۱	جامع مسجد بالہم لندن میں تقرر اور خدمات	۳۱
۱۲	آپ کی ان تقاریر کی اشاعت	۳۲
۱۳	تصدیق بر مضمون تعارف	۳۲
۱۴	تبرکات و تأثرات (حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحبؒ)	۳۴
۱۵	تقریظ (شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)	۳۷

۱۶	رائے وتقریظ (حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری دامت برکاتہم)	۳۹
۱۷	عرض مرتب	۴۲
۱۸	**اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ(۱)**	۴۵
۱۹	مسلمانوں کی پریشانی کے دوسبب	۴۶
۲۰	مذکورہ آیت کی تفسیر	۴۶
۲۱	کیسانورانی اورمبارک چہرہ ہے!	۴۷
۲۲	حضوراقدس ﷺ کی مدینہ تشریف آوری پر پہلا کلام بزبان عبداللہ بن سلام ؓ	۴۸
۲۳	تین سوال	۴۸
۲۴	جنت میں جو چاہوگے ملے گا	۴۹
۲۵	پہلاسوال	۵۱
۲۶	ایک رسم بد	۵۱
۲۷	تحریمِ شہدکاواقعہ	۵۲
۲۸	حضور ﷺ کی مسواک سے محبت	۵۲
۲۹	حضرت عائشہ ؓ کی چندخصوصیات	۵۳
۳۰	مسواک کی برکت سے حسنِ خاتمہ	۵۳
۳۱	کیاایک ساتھ مل کرکھاناکھاناعیب ہے؟	۵۴
۳۲	توجھوٹا، اللہ کارزق جھوٹانہیں	۵۴
۳۳	گلی معطرہوجاتی تھی	۵۵

۳۴	شہد حرام کرنے پر آیت کا نزول	۵۶
۳۵	بعض قسموں کا توڑنا لازم ہے	۵۷
۳۶	دوسرا اور تیسرا سوال	۵۷
۳۷	زمین کی روٹی بنانے کی حکمت	۵۸
۳۸	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا حکمت بھرا جواب	۵۹
۳۹	اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ	۶۰
۴۰	ہمارے بہانے اور حیلے حوالے	۶۱
۴۱	**اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ (۲)**	۶۲
۴۲	اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابلِ قبول و باعثِ نجات دین اسلام ہے	۶۲
۴۳	عہدِ الست کی تفصیل	۶۳
۴۴	ایک اشکال کا جواب	۶۵
۴۵	سب سے پہلے حضور ﷺ کی روح مبارک نے جواب دیا	۶۵
۴۶	ہم پوری زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں	۶۶
۴۷	ایک لطیفہ	۶۶
۴۸	ہم صرف مسجد کے مسلمان نہیں	۶۷
۴۹	شریعت نے تجارت کے اصول بتائے ہیں	۶۸
۵۰	مضاربت	۶۸
۵۱	تجارت کا ایک طریقہ شرکت ہے	۶۹

۵۲	سرمایہ پرستی حرام ہے	٦٩
۵۳	تجارت شریعت کے مطابق کرو	٦٩
۵۴	خوشی کرنا منع نہیں ہے، مگر شریعت کی حدود میں رہ کر	۷۰
۵۵	حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نکاح	۷۱
۵٦	برکت والا نکاح	۷۱
۵۷	خدا کی قسم کھا کر کہو: قیامت میں کیا جواب دوگے؟	۷۲
۵۸	بڑے پیر صاحب فرماتے ہیں	۷۲
۵۹	ایک عجیب واقعہ	۷۳
٦۰	یہی پیسہ بچا کر غریب کا نکاح کردو	۷۴
٦۱	غم کے موقع پر قدرتی رونا اللہ کی رحمت ہے	۷۴
٦۲	تجہیز وتکفین میں جلدی کرو	۷۴
٦۳	ایصالِ ثواب سنت طریقہ کے مطابق کرو	۷۵
٦۴	شریعت نے ایصالِ ثواب کو بہت آسان کیا ہے	۷۵
٦۵	عمل مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں	۷٦
٦٦	وارث میں نابالغ بچہ ہوتو......	۷۷
٦۷	رسم مٹانے کی عجیب تدبیر	۷۸
٦۸	خلاصۂ کلام	۷۸
٦۹	**مسلمانوں کی صفات قرآن کے آئینے میں (۱)**	۸۰

۷۰	آیت کا شان نزول	۸۰
۷۱	صحابیات کا دینی ذوق وشوق	۸۱
۷۲	اس عورت کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں	۸۲
۷۳	فرشتے، درندے، مچھلیاں دعا کرتی ہیں	۸۳
۷۴	ایمان کی تعریف	۸۳
۷۵	اسلام کی تعریف	۸۵
۷۶	ایمان واسلام میں فرق	۸۶
۷۷	شرعی اصطلاح میں ایمان اور اسلام ایک ہیں	۸۶
۷۸	کامل اسلام اور کامل ایمان کیا ہے؟	۸۷
۷۹	صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عمل کرنے والے تھے	۸۸
۸۰	آیت کا شانِ نزول	۸۸
۸۱	دیہاتی بھولے بھالے ہوتے ہیں	۸۹
۸۲	حدیثِ جبرئیل	۸۹
۸۳	اسلام کیا ہے؟	۹۰
۸۴	ایمان کیا ہے؟	۹۱
۸۵	احسان کیا ہے؟	۹۱
۸۶	قیامت اور علاماتِ قیامت	۹۲
۸۷	کامل ایمان کی علامت	۹۳

۸۸	آیت کا شانِ نزول، منافق اور یہودی کا واقعہ	۹۴
۸۹	ایمان واسلام کا معیار	۹۵
۹۰	حضرت تھانویؒ کا الزامی جواب	۹۶
۹۱	ہمارا ہی فائدہ ہے	۹۶
۹۲	اللہ تبارک وتعالیٰ کی شانِ بے نیازی	۹۷
۹۳	ایک سبق آموز واقعہ	۹۸
۹۴	حضور اقدس ﷺ کی نرینہ اولاد کی تعداد	۹۸
۹۵	حضور اقدس ﷺ کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی اس کی حکمت	۹۹
۹۶	حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا ایمان	۱۰۰
۹۷	متقین کی صفات	۱۰۰
۹۸	خلاصۂ کلام	۱۰۱
۹۹	**مسلمانوں کی صفات قرآن کے آئینے میں (۲)**	۱۰۲
۱۰۰	﴿مسلمین﴾ اور ﴿قنتین﴾ کا فرق	۱۰۲
۱۰۱	صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیاں	۱۰۳
۱۰۲	حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت	۱۰۳
۱۰۳	دو چھوٹے بچوں کا عظیم الشان کارنامہ	۱۰۴
۱۰۴	بچوں کا جذبہ	۱۰۵
۱۰۵	ایمان میں صداقت	۱۰۶

۱۰۶	نیت میں صداقت	۱۰۷
۱۰۷	معاملات واخلاق میں صداقت	۱۰۸
۱۰۸	سچائی پر بشارت	۱۰۸
۱۰۹	ہمارے بگڑے ہوئے حالات	۱۰۸
۱۱۰	مؤمن جھوٹا اور خائن نہیں ہوسکتا	۱۰۹
۱۱۱	جھوٹ کا نقصان پورے معاشرے پر پڑتا ہے	۱۱۱
۱۱۲	صابرین کا کیا مقام ہے؟	۱۱۱
۱۱۳	صبر کا مفہوم	۱۱۲
۱۱۴	صبر کی تین قسمیں ہیں	۱۱۲
۱۱۵	صبر علی الطاعات	۱۱۳
۱۱۶	صبر عن المعصیة	۱۱۳
۱۱۷	صبر علی البلایا	۱۱۴
۱۱۸	صبر پر اجر وثواب	۱۱۴
۱۱۹	دعا کی برکت، حضرت ام سلمہؓ کا واقعہ	۱۱۶
۱۲۰	”إنا للہ“ یہ صرف اس امت کو ملا ہے	۱۱۷
۱۲۱	آیت میں تسلی دو طریقے پر ہے، عقلی وطبعی	۱۱۸
۱۲۲	صبر کی برکت سے بلند درجہ	۱۱۹
۱۲۳	مؤمن کی ہر حالت بہتر ہے	۱۲۰

۱۲۴	گئی گذری مصیبت یاد آنے پر اِنا للہ پڑھنے کا اجر	۱۲۱
۱۲۶	الصبر عند الصدمة الأولىٰ	۱۲۲
۱۲۷	آنسو بہہ جانا رحمت ہے	۱۲۳
۱۲۸	صاحبزادے کے انتقال پر حضورا کا غم اور آنسو	۱۲۳
۱۲۹	نواسے کے انتقال پر آں حضورا کے آنسو	۱۲۴
۱۳۰	مسلمان کے لیے مصائب کفارۂ سیئات ہیں	۱۲۵
۱۳۱	مصائب رحمت ہے یا عذاب، اس کی پہچان	۱۲۵
۱۳۲	مصیبت کے وقت کیا کریں؟	۱۲۵
۱۳۳	**مسلمانوں کی صفات قرآن کے آئینے میں (۳)**	۱۲۷
۱۳۴	"الصبر عند الصدمة الأولى" کا مطلب	۱۲۷
۱۳۵	مصائب کی ابتدا پر صبر کی ایک عام فہم مثال	۱۲۸
۱۳۶	عافیت مانگنا چاہیے	۱۲۹
۱۳۷	بخار پر اجر اور ایک صحابی ص کا واقعہ	۱۲۹
۱۳۸	بخار کے سلسلے میں حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ کا واقعہ	۱۳۱
۱۳۹	چھوٹی چھوٹی تکلیف پر بھی اجر ملتا ہے	۱۳۲
۱۴۰	حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی حکمت بھری دعا، عجیب واقعہ	۱۳۲
۱۴۱	سونا چاندی جمع کرنا	۱۳۴
۱۴۲	﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ﴾ کی تفسیر اور اس آیت کا مصداق	۱۳۴

۱۴۳	جمع کرنے کے قابل یہ چار نعمتیں ہیں	۱۳۵
۱۴۴	مصائب گناہوں کا کفارہ یا رفعِ درجات کا ذریعہ	۱۳۶
۱۴۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مصائب کے سلسلے میں عجیب وغریب بات	۱۳۷
۱۴۶	اس سے بڑی مصیبت بھی تو آسکتی تھی!	۱۳۸
۱۴۷	حضرت ہردوئیؒ جب انگلینڈ گئے......	۱۳۸
۱۴۸	اس طرح سوچے گا تو صبر آجائے گا	۱۳۸
۱۴۹	کون اللہ تعالیٰ کا محبوب ومقبول بننا چاہتا ہے؟	۱۳۹
۱۵۰	صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ بندے کو مجتبیٰ اور مصطفی بنالیتا ہے	۱۴۰
۱۵۱	مجتبیٰ اور مصطفیٰ میں فرق	۱۴۰
۱۵۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجتبیٰ بھی ہیں اور مصطفیٰ بھی ہیں	۱۴۰
۱۵۳	تواضع اور عاجزی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے	۱۴۱
۱۵۴	دوسروں کی عزت کا خیال رکھیے!	۱۴۲
۱۵۵	سب سے زیادہ پسندیدہ حضرات کون ہیں؟	۱۴۲
۱۵۶	حضرت تھانویؒ کا تواضع	۱۴۲
۱۵۷	تکبر اور عجب کا فرق	۱۴۳
۱۵۸	تکبر اور عُجب کا علاج	۱۴۴
۱۵۹	صدقہ کے متعلق قدرے تفصیل	۱۴۵
۱۶۰	نفلی صدقات کی فضیلت	۱۴۵

۱۶۱	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور یہودی کا واقعہ	۱۴۶
۱۶۲	بندے صدقہ کرتے ہیں، یہ ادا اللہ پاک کو بہت پسند ہے	۱۴۸
۱۶۳	ایک مثال سے وضاحت	۱۴۸
۱۶۴	جو نعمت بھی اللہ تعالیٰ نے دی ہو اس میں سے خرچ کرو	۱۴۹
۱۶۵	سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے	۱۴۹
۱۶۶	صدقے کی برکات	۱۴۹
۱۶۷	سخاوت کا سمندر	۱۵۰
۱۶۸	صدقے کی مثال	۱۵۴
۱۶۹	صدقے کا ثواب اخلاص کے بقدر	۱۵۵
۱۷۰	دنیا میں کیا ملے گا؟	۱۵۶
۱۷۱	اچھی چیز صدقہ کرو	۱۵۶
۱۷۲	ایک واقعہ	۱۵۶
۱۷۳	صدقہ پر فضل کا وعدہ ہے	۱۵۷
۱۷۴	صدقے پر ان شاء اللہ بدلہ ملے گا	۱۵۸
۱۷۵	آپ کی غیرت برداشت نہیں کرے گی	۱۵۸
۱۷۶	اللہ پاک سب سے زیادہ غیور ہیں	۱۵۸
۱۷۷	رابعہ بصریہ کا یقین	۱۵۹
۱۷۸	آج بھی ایسا ہوسکتا ہے	۱۶۰

۱۷۹	اہل جنت اور اہل جہنم کی گفتگو	۱۶۰
۱۸۰	برکت کا نبوی تعویذ	۱۶۰
۱۸۱	معمولی چیز دینے کو بھی حقیر نہ سمجھو!	۱۶۱
۱۸۲	ولایت کو اللہ تعالیٰ نے بندوں میں مخفی رکھا ہے	۱۶۳
۱۸۳	**مسلمانوں کی صفات قرآن کے آئینے میں (۴)**	۱۶۵
۱۸۴	آٹھویں صفت: ﴿صائمین﴾ اور ﴿صئمت﴾	۱۶۵
۱۸۵	روزے کا ثواب	۱۶۶
۱۸۶	ہر ہاتھ کی جود وعطا اپنی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے	۱۶۶
۱۸۷	ہارون رشید کا واقعہ	۱۶۷
۱۸۸	احکم الحاکمین کتنا دے گا؟	۱۶۷
۱۸۹	روزے کا میں خود بدلہ ہوں	۱۶۸
۱۹۰	باب الریان سے روزہ داروں کا داخل ہونا	۱۶۸
۱۹۱	نویں صفت: ﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ﴾	۱۶۹
۱۹۲	زبان اور شرمگاہ کی حفاظت پر جنت کی ضمانت	۱۶۹
۱۹۳	ایک سے زیادہ نکاح کرو	۱۷۰
۱۹۴	دوسری شادی کرنا بُرا نہیں ہے	۱۷۰
۱۹۵	مالدار لوگ اس طرف توجہ کریں	۱۷۱
۱۹۶	زندہ یا مردہ کی کھلی ران دیکھنا جائز نہیں	۱۷۱

۱۹۷	ستر کا چھپانا فطرت ہے	۱۷۲
۱۹۸	دسویں صفت: ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾	۱۷۲
۱۹۹	ہر چیز کے لیے حد اور شرطیں ہیں	۱۷۳
۲۰۰	ذکر کرنے کے لیے کوئی شرط نہیں	۱۷۳
۲۰۱	ہماری نظر میں عقل مند	۱۷۳
۲۰۲	قرآن کس کو عقل مند کہتا ہے؟	۱۷۴
۲۰۳	کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو	۱۷۵
۲۰۴	مجاہدین، حاجیوں اور نمازیوں میں کس کا اجر زیادہ ہے؟	۱۷۵
۲۰۵	ذکر اللہ سب سے بڑھ کر ہے	۱۷۶
۲۰۶	اللہ تعالیٰ کا ہر مطیع ذاکر ہے	۱۷۶
۲۰۷	حضور اقدس ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے	۱۷۶
۲۰۸	ساری عبادتوں کی روح اللہ کا ذکر ہے	۱۷۷
۲۰۹	اس آیت کا مصداق کون لوگ ہیں	۱۷۷
۲۱۰	یہ مرتبہ فناءِ قلب سے حاصل ہوگا	۱۷۷
۲۱۱	غافلین میں ذکر کی فضیلت	۱۷۷
۲۱۲	ہم اس آیت کے مصداق کس طرح بن سکتے ہیں؟	۱۷۸
۲۱۳	حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں	۱۷۸
۲۱۴	ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال	۱۷۹

۲۱۵	اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں شامل ہونا کتنا آسان کر دیا!	۱۷۹
۲۱۶	میوزک (music) اور گانے کی کثرت اور عادت	۱۸۰
۲۱۷	ڈرائیونگ کرتے ہوئے اور ہر حال میں اللہ کا ذکر	۱۸۰
۲۱۸	ان دس صفات والوں پر مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ	۱۸۱
۲۱۹	کائنات کی ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے	۱۸۲
۲۲۰	ہم ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تو......	۱۸۲
۲۲۱	اللہ پاک کسی کو سنوا دے تو وہ سن لیتے ہیں	۱۸۴
۲۲۲	چرند و پرند، پہاڑ حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرتے تھے	۱۸۴
۲۲۳	حضرت داود علیہ السلام کا معجزہ	۱۸۵
۲۲۴	حضرت داود علیہ السلام کا ایک واقعہ	۱۸۵
۲۲۵	مینڈک اور ایک کیڑے کی تسبیح	۱۸۶
۲۲۶	شیر کی تسبیح	۱۸۷
۲۲۷	شیر جنگل میں واپس چلا گیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ	۱۸۷
۲۲۸	حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی سمجھتے تھے	۱۸۷
۲۲۹	چیونٹی کی دانائی	۱۸۸
۲۳۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کا جواب	۱۸۹
۲۳۱	ہر مخلوق کی روزی کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے	۱۸۹
۲۳۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے مخلوقِ خدا کی دعوتِ طعام	۱۹۰

۲۳۳	موت وحیات کا پورا اختیار اللہ عزوجل کے قبضے میں ہے	۱۹۰
۲۳۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا واقعہ	۱۹۱
۲۳۵	یہ مسئلہ چیونٹی سے سیکھیے!	۱۹۳
۲۳۶	چیونٹی کی دعا	۱۹۳
۲۳۷	حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پتھر کے سلام کو سمجھتے تھے	۱۹۳
۲۳۸	اسطوانۂ حنانہ کا واقعہ	۱۹۴
۲۳۹	خلاصہ: پنج وقتہ نماز اور سنن ونوافل کا اہتمام کرو	۱۹۷
۲۴۰	ذکر کا آسان نصاب	۱۹۷
۲۴۱	**اسلامی تاریخ کی ابتداء اور ہمارے لیے درسِ عبرت**	۲۰۰
۲۴۲	ہمارے اسلامی کیلنڈر کا تعلق قمری حساب سے ہے	۲۰۰
۲۴۳	اللہ پاک نیا سال مبارک فرمائے	۲۰۱
۲۴۴	اسلامی تاریخ کی ابتدا	۲۰۱
۲۴۵	محرم الحرام سے سن ہجری کی ابتدا کی وجہ	۲۰۵
۲۴۶	اسلامی تاریخ کی قدر کرنی چاہیے، جاری اور استعمال کرنا چاہیے	۲۰۶
۲۴۷	احکامِ شرعیہ کا مدار قمری مہینوں پر ہے	۲۰۷
۲۴۸	اگر امت اسلامی تاریخ کو بھلا دے تو سب گنہگار ہوں گے	۲۰۸
۲۴۹	ماہِ محرم الحرام کی پکار مولانا احتشام الحق صاحبؒ کی زبان میں	۲۰۸
۲۵۰	ہجرت سے اسلامی تاریخ شروع کرنے میں بڑا راز ہے	۲۰۹

۲۵۱	ہجرت کرنا آسان عمل نہیں ہے	۲۱۰
۲۵۲	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سفر اور یارِ غار تھے	۲۱۰
۲۵۳	ہجرت کے وقت حضورا کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات	۲۱۱
۲۵۴	سو اونٹ کا انعام اور سراقہ بن مالک کا واقعہ	۲۱۱
۲۵۵	ہجرت کے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجاہدے	۲۱۲
۲۵۶	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بخار کی حالت	۲۱۳
۲۵۷	مدینہ منورہ کا بخار	۲۱۴
۲۵۸	حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ کو یاد کرکے رونا	۲۱۴
۲۵۹	مدینہ منورہ کے لیے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا	۲۱۵
۲۶۰	حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت	۲۱۶
۲۶۱	حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب	۲۱۸
۲۶۲	حرمین شریفین کی محبت	۲۱۸
۲۶۳	انصارِ مدینہ کی بے مثال خدمت اور ایثار	۲۱۸
۲۶۴	انصار مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں	۲۱۹
۲۶۵	لسانِ رسالت سے انصار کے لیے دعا	۲۲۰
۲۶۶	ہجرت اور نصرت سے دین پورے عالم میں پھیلا ہے	۲۲۱
۲۶۷	دن اور رات کا نظام اللہ کی قدرت کے تحت ہے	۲۲۱
۲۶۸	ایک تفسیری نکتہ	۲۲۳

۲۶۹	رات اور دن اللہ تعالیٰ کی آیت ہیں	۲۲۳
۲۷۰	آیتِ خداوندی کا مفہوم	۲۲۴
۲۷۱	قرآن میں وعظ و نصیحت کے چار عنوان	۲۲۴
۲۷۲	تذکیر بآیات اللہ کا مفہوم	۲۲۵
۲۷۳	دعوتِ فکر	۲۲۵
۲۷۴	گردشِ لیل و نہار میں دو فائدے ہیں، مادی و روحانی	۲۲۶
۲۷۵	چاند کی چاندنی اور سورج کی حرارت	۲۲۶
۲۷۶	عقلمندی ہماری نظر میں	۲۲۸
۲۷۷	عقلمند قرآن مجید کی نظر میں	۲۲۹
۲۷۸	صبح و شام کا سبق، سونے اور اٹھنے میں عبرت	۲۲۹
۲۷۹	اجل تیرا کردے گی بالکل صفایا	۲۳۰
۲۸۰	ایک دن بلکہ ایک سانس کی قیمت	۲۳۲
۲۸۱	ایک واقعہ: ایک گلاس پانی کی قیمت	۲۳۳
۲۸۲	زمانے کا استعمال اچھے کاموں میں کرو......	۲۳۴
۲۸۳	دو نعمتیں جن میں اکثر لوگ خسارے میں ہیں	۲۳۴
۲۸۴	وقت کی قدر کیسے کی جائے؟	۲۳۵
۲۸۵	دو متضاد راستے، ایک ملحد کا اور ایک کافر کا	۲۳۵
۲۸۶	دوسرا ایمان والے کا راستہ	۲۳۶

۲۸۷	بنیادی فرق	۲۳۶
۲۸۸	مذکورہ دونوں راستوں کے متعلق قرآن کا فیصلہ	۲۳۶
۲۸۹	نماز کے اوقات کی عجیب وغریب حکمت	۲۳۷
۲۹۰	ایک نایاب نکتہ	۲۳۷
۲۹۱	ہم اپنے پورے سال کا جائزہ لیں	۲۳۹
۲۹۲	انسانی زندگی میں کام کے اوقات کی مقدار	۲۴۰
۲۹۳	**نئے اسلامی سال کا استقبال اور سالِ گذشتہ کا احتساب کیسے کریں؟**	۲۴۲
۲۹۴	احتساب-نظام	۲۴۲
۲۹۵	احساسِ زیاں نہ جاتا رہا	۲۴۳
۲۹۶	اس سے پہلے کہ احتساب لیا جائے	۲۴۳
۲۹۷	ہو رہی ہے عمر مثل برف کم	۲۴۴
۲۹۸	سالِ نو؛ صورِ انتباہ	۲۴۵
۲۹۹	ہمارے زوال کی ایک لفظی تاریخ	۲۴۶
۳۰۰	تم تو دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو	۲۴۶
۳۰۱	**عاشوراء کے فضائل ومسائل**	۲۴۸
۳۰۲	نئے سال کا آغاز	۲۴۸
۳۰۳	چار مہینے حرمت والے ہیں	۲۴۹
۳۰۴	محرم الحرام برکت والا مہینہ ہے	۲۵۰

۳۰۵	عاشوراء کے دن عظیم الشان واقعات ہوئے ہیں	۲۵۰
۳۰۶	اسلام میں کوئی دن اور کوئی رات منحوس نہیں	۲۵۰
۳۰۷	بابرکت ایام اور مہینے	۲۵۱
۳۰۸	جمعہ کی ٹکر کا کوئی دن نہیں	۲۵۱
۳۰۹	یومِ عرفہ کی فضیلت	۲۵۱
۳۱۰	اس عقیدے کی اصلاح کرنی چاہیے	۲۵۲
۳۱۱	﴿يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ﴾ کی تشریح	۲۵۲
۳۱۲	ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا پُرحکمت جواب	۲۵۳
۳۱۳	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایمان افروز ارشاد	۲۵۴
۳۱۴	ہمارے حق میں مبارک اور منحوس دن کونسا؟	۲۵۴
۳۱۵	رمضان اس شخص کے حق میں مبارک ہے جو اس کی قدر کرے	۲۵۵
۳۱۶	عاشوراء کا روزہ	۲۵۶
۳۱۷	اہل کتاب کی موافقت ومخالفت	۲۵۷
۳۱۸	عاشوراء کے ساتھ ایک دن کا روزہ ملالو	۲۵۷
۳۱۹	عاشوراء کے دن اہل وعیال پر وسعت کی برکت	۲۵۸
۳۲۰	ایک سال کے گناہوں کا کفارہ	۲۵۸
۳۲۱	اہل بیت کرام کی محبت	۲۵۹
۳۲۲	حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادتِ عظمیٰ اور اس کا مقصد	۲۵۹

۳۲۳	سر کٹا سکتے ہیں، لیکن	۲۶۰
۳۲۴	ہم کتنے اسلامی اصول توڑ رہے ہیں	۲۶۱
۳۲۵	زندگی بدلنا ہے	۲۶۱
۳۲۶	رات آنے سے پہلے روشنی کا انتظام ہو جاتا ہے	۲۶۲
۳۲۷	دینی اصول اپنی زندگی میں زندہ کریں	۲۶۲
۳۲۸	ہمارے جلسے کی کامیابی	۲۶۳
۳۲۹	منکرات و بدعات سے بچیں	۲۶۳
۳۳۰	**قربانی کے فضائل و مسائل**	۲۶۵
۳۳۱	ماہِ ذی الحجہ کے فضائل	۲۶۵
۳۳۲	قربانی کی تاریخ	۲۶۶
۳۳۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا امتحان	۲۶۸
۳۳۴	دوسرا امتحان	۲۷۰
۳۳۵	تیسرا امتحان	۲۷۰
۳۳۶	چوتھا امتحان	۲۷۱
۳۳۷	فضائل قربانی	۲۷۳
۳۳۸	سنة أبيكم کہنے کی وجہ	۲۷۴
۳۳۹	قربانی نہ کرنے پر وعید	۲۷۸
۳۴۰	قربانی کن لوگوں پر واجب ہے؟	۲۷۹

۳۴۱	قربانی کے آداب اور مستحبات	۲۷۹
۳۴۲	قربانی کے ضروری مسائل	۲۸۱
۳۴۳	قربانی کے جانور	۲۸۴
۳۴۴	مزید کچھ مسائل	۲۸۶
۳۴۵	جانور کو ذبح کرنے کے وقت کی کچھ مکروہ باتیں	۲۸۹
۳۴۶	**دو عظیم نعمتیں جن کی نا قدری کی جاتی ہے**	۲۹۱
۳۴۷	زندگی ایک بہت بڑی نعمت	۲۹۱
۳۴۸	دو نعمتیں جن کی نا قدری کی جاتی ہے	۲۹۲
۳۴۹	ایک بلیغ تشبیہ	۲۹۲
۳۵۰	تجارت کے اصول	۲۹۲
۳۵۱	زندگی ایک ناپائیدار سرمایہ ہے	۲۹۳
۳۵۲	ہم سب مسافر ہیں	۲۹۴
۳۵۳	سب سے قیمتی چیز وقت	۲۹۴
۳۵۴	ہمارے قیمتی سرمایے کا مصرف کیا ہو؟	۲۹۴
۳۵۵	ایک عبرت آموز واقعہ	۲۹۵
۳۵۶	دونوں نعمتوں کا ایک ساتھ ملنا	۲۹۵
۳۵۷	ہمارا سرمایہ لٹ رہا ہے	۲۹۶
۳۵۸	اہل جنت کی حسرت	۲۹۷

۳۵۹	اعمال ڈبیوں کی شکل میں پیش ہوں گے	۲۹۷
۳۶۰	اوقات ضائع کرنے والوں کی مثال	۲۹۷
۳۶۱	ایک مثال	۲۹۸
۳۶۲	زندگی ایک قیمتی جوہر ہے	۲۹۹
۳۶۳	اسلاف کا حفظِ اوقات کا نرالا انداز	۳۰۰
۳۶۴	سب چیزیں فانی، صرف ذکر اللہ باقی	۳۰۱
۳۶۵	جو کچھ صدقہ کیا سب باقی ہے	۳۰۱
۳۶۶	نعمت وقت وفراغت کی قدر کرو	۳۰۲
۳۶۷	"مغبون" کون؟	۳۰۲
۳۶۸	**دنیا کی حقیقت رسول اللہ ﷺ کی نظر میں**	۳۰۳
۳۶۹	یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے	۳۰۳
۳۷۰	دنیا فانی ومحدود اور آخرت باقی وغیر محدود	۳۰۴
۳۷۱	ہم آخرت سے بالکل غافل ہیں	۳۰۴
۳۷۲	غافلوں کا حال چیونٹی کے بچے جیسا	۳۰۵
۳۷۳	دنیا کی ذلت کے اسباب	۳۰۶
۳۷۴	پہلا سبب، دنیا ہرجائی ہے	۳۰۶
۳۷۵	دوسرا سبب، دنیا کی بے وفائی	۳۰۷
۳۷۶	دنیا ایک سایہ، یا ایک ہوائی افسانہ	۳۰۸

۳۷۷	تیسرا سبب، ہر لذت کے ساتھ مصیبت ہے	۳۰۸
۳۷۸	چوتھا سبب، دنیا کا حرص بے کنار	۳۰۹
۳۷۹	پانچواں سبب، دنیا کا انہماک عقبیٰ سے غفلت کا سبب	۳۰۹
۳۸۰	دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ	۳۱۰
۳۸۱	چھٹا سبب، دنیا کی ہر چیز کا حساب دینا ہے	۳۱۰
۳۸۲	دینار میں دین اور نار	۳۱۱

صاحبِ کتاب کے بارے میں

از: مولانا محمد یونس صاحب سورتی

خلیفہ: عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ، کراچی

تصدیق از:

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ

نحمده ونصلي على رسوله الكريم. أما بعد:

۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء کی بات ہے، حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی مد فیوضہم مجھ سے از راہِ تعلق قدیم ان کی تقاریر کی اشاعت کے ابتدائی زمانے میں بطورِ مقدمہ کچھ لکھنے کی فرمائش کرتے رہے، مگر اولاً تو اپنے اندر عدم اہلیت کی بنا پر ہمت نہ کی، دوسرے یہ کہ بعض اکابر نے کتاب پر تقریظ لکھنے کا حق ادا کردیا، اس لیے بندہ ان کی گذارش کو ٹالتا رہا، پھر خیال آیا کہ کیوں نہ میں صاحبِ کتاب کا تعارف لکھ دوں، تاکہ ان تقاریر کا مطالعہ کرنے والوں کو کتاب پر مزید اعتماد اور کتاب سے دلچسپی پیدا ہو۔

مولانا کا وطن:

حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی (ابن شیخ عبداللہ (۱) صاحبؒ) ہندوستان کے صوبۂ گجرات کے شہر سورت میں ۱/ شعبان ۱۳۷۶ھ، مطابق: ۳/ مارچ ۱۹۵۷ء بروز اتوار پیدا

(۱) آپ پابندِ شرع تھے، صاف ستھری زندگی تھی، اخلاق و کردار کے بلند اور علم دوست مخلص انسان تھے، سینکڑوں اشعار نوکِ زباں تھے، محفل و مجلس خصوصاً شعراء کی مجلس میں موقع کے مطابق اشعار کہتے تھے، آپ کی وفات کے بعد محلے کے ایک مقتدر شاعر الحاج عبدالقادر چشتی نظام (تخلص: واصل سورتی) نے آپ کی زندگی پر ایک طویل نظم کہی ہے۔ بعمر ۷۵/ سال ۱۵/ اگست ۲۰۰۴ء کو وفات پائی۔

ہوئے۔ آباء و اجداد یہیں کے ہیں، سورت شہر میں محلّہ سگرامپورہ کے رہنے والے ہیں۔

حفظِ قرآن کریم:

ابھی آپ نے ناظرہ قرآن کریم بھی ختم نہ کیا تھا کہ سورت شہر کے محلہ رام پورہ کے دار العلوم میں اس کے بانی اور مہتمم الحاج عبدالقادر موسیٰ میر (۱) صاحب نے درجۂ حفظ میں داخل کردیا، آپ نے بڑے شوق اور دل کی لگن کے ساتھ حفظ مکمل کیا۔

سہارنپور؛ رمضان المبارک میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خانقاہ میں:

حفظ کے ساتھ ساتھ اساتذۂ کرام کی خدمت بھی بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے، جس کے نتیجے میں حفظ کے استاذ حضرت مولانا محمد انور مصری صاحب سورتی مدظلہ آپ کو غالباً ۱۹۷۰ء یا ۱۹۷۱ء میں سہارنپور ماہ مبارک میں حضرت شیخ کی خانقاہ میں لے گئے، جہاں سینکڑوں اکابر وعوام اعتکاف کرتے تھے، مولانا انور صاحب (۲) کی برکت سے آپ کو بھی کم عمری کے باوجود قیام کی اجازت مل گئی۔

دیگر اکابر کی خدمت:

پھر مولانا کو حضرت شیخ کے یہاں آمدورفت میں دیگر اکابر کی خدمت نصیب ہوئی،

---

(۱) آپ نے ۲۱/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ، مطابق ۲۴/جنوری ۲۰۰۳ء کو وفات پائی۔

(۲) مولانا انور مصری صاحب مدظلہ: آپ نے جامعہ اشرفیہ راندیر میں کئی سال تعلیم حاصل کرکے مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور میں ۱۰/ شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۰/دسمبر ۱۹۶۸ء میں دورۂ حدیث میں داخلہ لیا، یہ سال حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے بخاری شریف پڑھانے کا آخری سال تھا، بخاری شریف حضرت شیخ سے اور دیگر کتب حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ اور ناظم مدرسہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا عاقل صاحب حفظہ اللہ ورعاہ سے پڑھیں۔ فراغت کے دو تین سال بعد دار العلوم، رامپورہ، سورت میں درجۂ حفظ پڑھایا، پھر اندازاً تین سال بعد جامع مسجد سورت کے دروازے پر مختصر کتب خانہ قائم کیا، اور اب محلّہ سیدواڑہ میں عیسیٰ جی کی مسجد جو آپ کے گھر کے سامنے ہے، مسجد کے قدیم ہوجانے اور مصلیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر اسے شہید کرواکر وسیع وعریض خوش نما اور دیدہ زیب مسجد، اور مسجد سے متعلق عمارت تعمیر کروائی، آج کی تاریخ میں بھی کچھ کام باقی ہے۔

خصوصاً حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ[۱] (شیخ الحدیث مظاہر علوم، سہارنپور) اور حضرت مولانا ہاشم بخاری صاحبؒ[۲]، اور حضرت مولانا عبدالمنان[۳] بن مولانا محمد شاکر دہلویؒ، اور سورت گجرات کی مشہور شخصیت حضرت مولانا حکیم محمد سعد اجمیریؒ[۴] (المعروف بہ: حکیم اجمیری صاحب) کی خوب خدمت کی۔ اسی طرح حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مکیؒ[۵]، حضرت مولانا معین الدین صاحب مرادآبادیؒ[۶] (شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ، مرادآباد)، حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب مدانوی پالنپوریؒ[۷]، اسی طرح حضرت مولانا منور

---

(۱) آپ ۱۶ر شوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱ر جولائی ۲۰۱۷ء کو انتقال فرما گئے۔ نور الله مرقده وبرد الله مضجعه.

(۲) مولانا ہاشم بخاری صاحب: آپ کا اصل وطن بخارا ہے، ۱۳ر رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۲ر مارچ ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے، ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں ہندوستان ہجرت کی، دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر سند فراغت حاصل کی، بعدہٗ پالنپور حضرت مولانا محمد نذیر صاحبؒ کے مدرسے میں، پھر دارالعلوم ڈولی، اور رویدرا گاؤں میں کچھ مدت تدریسی خدمت انجام دے کر جامعہ حسینیہ راندیر میں ایک مدت تک درجۂ علیا کی کتابیں پڑھائیں، پھر دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دے کر غالباً ۱۹۸۵ء میں مستقل مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

(۳) مولانا عبدالمنان دہلویؒ: آپ حضرت مولانا عبدالسبحان میواتی (بانی مدرسہ سبحانیہ، قصاب پورہ، دہلی) کے پوتے تھے، جید عالم، صاحب درد بزرگ تھے، عربی، فارسی اور اردو کے بڑے ماہر شاعر تھے، اور ہزارہا ہزار اشعار تینوں زبانوں کے نوک زباں تھے، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی موجودگی میں اشعار سناتے، آخر میں سہارنپور حضرت شیخ الحدیثؒ سے منسلک ہوئے، اور ان کی خدمت میں آتے جاتے رہے۔

(۴) آپ نے انگلینڈ کے دورانِ سفر، شہر برمنگھم میں ۱۵ر ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸ر جولائی ۲۰۰۰ء بروز منگل وفات پائی۔

(۵) مولانا مکہ مکرمہ کے باشندے تھے، ساؤتھ افریقہ کے دورے پر تھے، وہاں ۱۸ر جنوری ۲۰۱۷ء بدھ کے دن انتقال ہوا، دوسرے دن جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔

(۶) آپ ۸ر شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴ر اکتوبر ۲۰۰۸ء کو سورت شہر میں انتقال فرما گئے، اور دارالعلوم مرکز اسلامی، انکلیشور کے احاطے میں (جہاں وہ اپنی عمر کے آخری سالوں میں شیخ الحدیث تھے) مدفون ہوئے۔

(۷) حضرت شیخ الحدیثؒ کے خلیفہ تھے، دارالعلوم ماہی، پالنپور کے بانی و مہتمم تھے، ۱۳ر ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۷ر جنوری ۲۰۰۳ء کو شب جمعہ میں سورت کے اندر مہاویر ہسپتال میں انتقال فرمایا۔

حسین صاحب بہاریؒ (۱) جو خانقاہ کے انتظامی امور پر متعین تھے، ان کی بھی خدمت نصیب ہوئی۔ بلکہ ہم نام ہونے کی وجہ سے مولانا سورتی کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے، خانقاہ معتکفین سے پر ہونے کے باوجود آخری صف میں ان کے لیے جگہ کر دیتے، اور اپنے دو صاحبزادے محمد سلمان اور محمد سالم کا قرآن پاک سننا آپ کے حوالے کیا، اور ایک مرتبہ سورت واپسی کی ٹکٹ کی رقم بھی عنایت فرمائی۔ مولانا کفایت اللہ صاحب پالنپوریؒ نے بھی ایک مرتبہ سورت واپسی کی ٹکٹ کی رقم عنایت فرمائی۔

جامعہ حسینیہ راندیر میں داخلہ:

آپ کا حفظ مکمل ہو چکا تھا کہ اسی سال راندیر ضلع سورت سے مہتمم جامعہ حسینیہ حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ (متوفی: ۱۳۹۶ھ، مطابق ۱۹۷۶ء) اور حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ سہارنپور حضرت شیخ کی خانقاہ میں پہنچے تھے۔

حضرت مولانا حکیم محمد سعد اجمیریؒ نے حضرت مولانا محمد سعیدؒ سے آپ کے جامعہ حسینیہ میں عربی تعلیم کے لیے داخلے کی سفارش کی، اور فرمایا کہ یہ ایک غریب گھرانے کا لڑکا ہے، چھٹیوں میں میرے پاس رہتا ہے، اور اردو لکھنا پڑھنا سیکھتا ہے، گھر والے کسی کام میں لگانا چاہتے ہیں، لیکن ہم اسے عالم بنانا چاہتے ہیں، ساتھ ساتھ سفارشی رقعہ بھی لکھ دیا۔

الحمد للہ اس طرح ۱۹۷۱ء میں جامعہ حسینیہ، راندیر ضلع سورت میں داخلہ ہو گیا، ماشاء اللہ آپ نے علوم نبویہ میں جد و جہد کے علاوہ اپنے حسن اخلاق و نیک چلن اور اساتذۂ کرام کی

---

(۱) سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے یہاں رمضان المبارک میں خانقاہ کے معتکفین کے انتظامی امور پر متعین تھے۔ مظاہر علوم سہارنپور سے ۱۳۵۰ھ میں فارغ ہوئے، پانچ سال مظاہر علوم میں پھر دار العلوم لطیفی کٹہار میں تادم آخر مدرس رہے۔ پھر کسی وقت مظاہر علوم میں عارضی طور پر استاذ حدیث رہے۔

خدمت سے جامعہ میں مقبولیت حاصل کی۔

مہتمم جامعہ حضرت مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ کی خصوصی توجہ وتربیت اور شفقت نے تو آپ کے اندر ظاہراً و باطناً ایک نکھار پیدا کر دیا، دیگر اساتذہ بھی مشفق ومہربان رہے، اور استاذ الحدیث حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ (۱) نے تو آپ کے علوم دینیہ سے فارغ ہونے سے قبل ہی آپ کو اپنا داماد بنالیا۔

آپ نے بخاری شریف فخر گجرات حضرت مولانا وعلامہ شیخ احمد اللہ صاحب راندیریؒ (متوفی ۷۲ /صفر ۱۴۰۴ھ، مطابق ۲/دسمبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ) سے پڑھی، اور دیگر کتب حدیث دوسرے محدثین سے پڑھیں۔

تقریر وبیان:

تقریر وبیان میں محنت اور دلچسپی کے نتیجے میں جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں دل کے مرض کی وجہ سے اپنے تقریری پروگرام میں جہاں اوروں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور اپنی تقریر سے پہلے ان سے کچھ دیر بیان کا حکم فرماتے، کبھی کبھی آپ سے بھی بیان کرواتے، اور کبھی اپنی جگہ پر بھی بیان کے لیے

---

(۱) آپ کا اصل وطن بہار ہے، مدرسہ امینیہ، دہلی میں علم حاصل فرمایا، مفتئ اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کے تلمیذ رشید تھے، حضرت کی موجودگی میں آپ نے وہیں تدریسی خدمت انجام دی، اسی زمانے میں الحاج عبد القادر میر صاحبؒ (بانی دار العلوم، رامپورہ، سورت) اپنے دار العلوم میں لے آئے، یہاں پر تقریباً چھ سال درس دیا، پھر جامعہ حسینیہ راندیر میں ۱۹۶۴ء سے ۱۹۸۰ء تک مختلف فنون اور حدیث وتفسیر کے استاذ رہے۔

اسی دوران دار العلوم بری (لندن) کے بانی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب متالا مدظلہ العالی نے اپنے دار العلوم میں درسِ بخاری کے لیے تقرر فرمایا، آپ نے ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۶ء تک بخاری شریف کا درس دیا، آخری سال یعنی ۱۹۹۶ء میں رمضان المبارک میں عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تھے، اس دوران مدینہ منورہ میں ۲۸/ویں شب کو بوقت صبح چار بجے اپنی قیام گاہ پر واصل بحق ہو گئے، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

بھیجتے، یہ ایک طالب علم کے لیے بڑے شرف کی بات ہے کہ اساتذہ ان سے اس طرح راضی اور خوش ہوں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشآء.

جامعہ سے فراغت:

اس طرح جامعہ میں شب وروز گزار کر ۱۴/شعبان ۱۴۰۱ھ، مطابق ۱۶/جون ۱۹۸۱ء میں اعلیٰ درجے سے فراغت حاصل کی، شیخ الجامعہ حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ نے خوش ہوکر اس ہونہار فارغ التحصیل کے لیے ایک نظم بھی تحریر فرمائی۔

دیوا بستی ضلع بھروچ میں دینی خدمات:

جامعہ سے فارغ ہوئے تو شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ اور مفتیٔ جامعہ واستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی اسماعیل واڈی والا صاحبؒ(۱) نے بمقام دیوا ضلع بھروچ کی جامع مسجد میں ۱۹۸۱ء میں تقرر کروادیا۔

یہ بھی آپ کا کمال تھا کہ اساتذہ کے حکم پر اپنا محبوب شہر سورت چھوڑ کر دیہات میں تقریباً ۴/سال ۱۹۸۵ء تک دیوا کی جامع مسجد میں خطیب وامام رہے۔ عائد کردہ ذمہ داری کے علاوہ اصلاحِ خلق کی خاطر تقریر وبیان، درسِ قرآن وحدیث اور مجلس اصلاح وفقہ کو اپنا لازمی اور اہم فریضہ بنایا، اور دیوا میں دیوانہ وار سارے امور انجام دیتے رہے، ساتھ ساتھ مختلف مقامات پر تقریری پروگرام بھی ہوتے رہے۔

جامع مسجد بالہم لندن سے دعوت:

دیوا قیام کے دوران ۱۹۸۵ء میں جامع مسجد بالہم، لندن کے حضرات نے رمضان

(۱) آپ نے یکم شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۵/اگست ۲۰۰۶ء کو وفات پائی۔

المبارک میں قرآن پاک کی تفسیر کے لیے آپ کو دعوت دی، چناں چہ آپ تشریف لائے اور روزانہ تفسیر فرمانے لگے۔

جامع مسجد بالہم لندن میں تقرر اور خدمات:

مسجد بالہم کے مصلی حضرات نے محسوس کیا کہ لائق وفائق نوجوان ہیں، اور ان سے ہماری تشنگی دور ہوگی تو ان حضرات کا اصرار ہوا، اور حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ کی تائید رہی، چناں چہ آپ کا تقرر ہو گیا اور جمعہ کی نماز سے قبل اور اہم اہم مواقع میں بیانات اور روزانہ نماز کے بعد درسِ تفسیر وحدیث اور اصلاح وفقہ وغیرہ کا سلسلہ شروع فرمایا۔

یہ تمام امور دیوابستی کی جامع مسجد میں بھی انجام دیتے تھے، لیکن وہاں ایک ہی طرح کا ماحول تھا، اور یہاں مختلف ممالک اور مختلف قبائل وخاندان اور مختلف المزاج ومسالک اور مختلف نظریات وافکار کے ماحول میں ہر طرح کی باتیں اور حالات سہہ کر مجسم صبر کا پیکر بن کر خندہ پیشانی وملنساری اور حکمت عملی سے کام کرتے رہے، یہاں تک کہ ماحول گل وگلزار بن گیا، اور علاقہ کے بڑے چھوٹے آپ سے مانوس ہوگئے، اور آپ کی قدر کرنے لگے۔ فللّٰہ الحمد علی ذلك.

علاوہ ازیں برطانیہ میں جب قادیانیوں کی ریشہ دوانی شروع ہوئی تو اس وقت ختم نبوت کے سلسلے میں برطانیہ میں ہر سال کانفرنس شروع ہوئی، ہندو پاک وغیرہ سے علماء ومشائخ کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، تو ابتدائی سال میں ان حضرات کا قیام لندن شہر میں آپ کے توسط سے مسجد بالہم میں رہتا تھا، اور ویسے بھی سال بھر وقتاً فوقتاً بعض علماء ومشائخ کی آمد رہتی تھی، آپ ان کی بھرپور خدمت کرتے اور ان سے مستفید ہوتے۔ اس کے علاوہ لوگوں کے مسائل اور دینی وملی امور بھی انجام دیتے رہے۔

آپ کی ان تقاریر کی اشاعت:

جب انسان کسی میدان میں کام شروع کرتا ہے، بالخصوص جب کہ اس پر ایک عرصہ بیت چکا ہو تو اللہ پاک کی طرف سے کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور ظاہر ہوتا ہے۔

چوں کہ میری آمد و رفت بالہم، لندن کی جامع مسجد میں زیادہ رہی ہے، اس لیے یہ بات میرے علم میں ہے کہ کئی سالوں سے وہاں کے بہت سے حضرات مولانا سے ان کی تقاریر کی اشاعت پر زور دیتے رہتے تھے، مگر اکابر علماء و عرفاء و سلف و خلف کے مواعظ کثیرہ کی موجودگی میں اپنے بیانات کی اشاعت کا خیال ان پر شاق گذرتا تھا، لیکن وہاں کے حضرات کے اصرار کے ساتھ بڑوں کی تائید و حوصلہ افزائی نے اشاعت کے اسباب بھی پیدا فرما دیے، اور ان تقاریر کے مجموعے کا نام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب سورتی -حفظہ اللہ ورعاہ- نے بزم منور تجویز فرما دیا۔

اب آپ کے بیانات زمان و مکان اور منبر و محراب تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ چہار دانگ عالم میں پھیل چکے ہیں، اور ان شاء اللہ متعدی اور دائمی رہیں گے۔

احقر الناس: محمد یونس سورتی غفرلہٗ

تصدیق بر مضمون تعارف

از: مفتیؒ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ

کتاب کی اشاعت کے بعد مولانا منور حسین سورتی سفر گجرات کے موقع پر راندیر ضلع سورت، حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ کی خدمت میں اپنے بیانات کا مجموعہ بنام بزم

منور لے کر پہنچے، حضرت مفتی صاحب نے بعمر ۹۷/سال انتہائی ضعف ونقاہت کے باوجود بزم منور کے چند حصوں کے بیانات کی فہرست صاحب مواعظ سے سنی، اور کچھ مضامین سنے، پھر پوچھا کہ مولانا یونس (سورتی) نے آپ کی کتاب دیکھ لی؟ جواب دیا گیا کہ جی ہاں، فرمایا: چوں کہ یہ اسی کام میں لگے ہوئے ہیں اس لیے ان کا دیکھنا کافی ہے۔ پھر تعارف کا پورا مضمون سنا، سن کر اپنے لرزتے ہوئے دست مبارک سے تحریر فرمایا کہ: ماشاء اللہ تعارف کا مضمون بڑا جامع اور مفید ہے، پھر دستخط فرمائی۔

تبرکات وتأثرات (۱)

از: حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ

استاذ حدیث وناظم تعلیمات، دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت، گجرات، الہند

حق تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، جس کے تحت جہاں کتاب مقدس قرآن پاک کی حفاظت کا سلسلہ حفاظ کے ذریعے جاری ہے، وہیں اس کے مضامین، احکام، نصائح، عبر، امثال، عبادات، معاملات، معاشرت، معیشت، مہارت، سیاست، عقائد، غرض وہ تمام امور جن کو قرآن پاک نے بندوں کی اصلاح کے لیے بیان فرمایا ہے، اوران کی مزید وضاحت وشرح حدیث پاک اور فقہ میں کی گئی ہے، اس کے محافظین اور امت تک اس کی تبلیغ کرنے والے افراد بھی اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں پیدا فرمائے ہیں۔ لہٰذا سعادت مند افراد نے ہر زمانے میں اس کی توفیق پائی ہے۔

بعض افراد کو لوگوں کی اصلاح کا خاص جذبہ اور بہترین سلیقہ من جانب اللہ عطا کیا جاتا ہے، وہ اس خداداد نعمت کے ذریعے حسن تعبیر، عبرت ناک قصص اور دل لگتی مثالوں کے ذریعے کسی مضمون کی تفہیم پر پوری قدرت رکھتے ہیں، ان کا بیان اوران کی تحریر دلوں کو موہ لیتی ہے اور عمل پر آمادہ کرلیتی ہے، اور سابقہ کوتاہیوں پر توبہ کرنے کی ہمت دے دیتی ہے۔ بندگانِ خدا اُن کے بیان کو سن کر یا تحریر کو پڑھ کر اپنی اور اپنے اہل کی اصلاح کا راستہ پالیتے ہیں، دنیا کا فانی ہونا اور آخرت کی یاد ان کے ذہن میں راسخ ہوجاتی ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت اور اسلامی اعمال سے

---

(۱) یہ بابرکت کلمات حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حیات میں اس کتاب پر لکھے تھے، تبرک کے طور پر یہاں شامل کیے جاتے ہیں۔ مرتب

ان کو محبت ہو جاتی ہے، ایمان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، ان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حوصلہ مل جاتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی خدمت ہے جو ان مقررین اور مصنفین کے ذریعے انجام پاتی ہے، پھر خود مصنف اور مقرر کی ذاتی قابل تقلید زندگی، تقویٰ وطہارت، اصلاح کی فکر، امت کے لیے تڑپ کا جذبہ بھی اس میں کارفرما ہوتا ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے ایسے ہی ایک موفق باللہ نوجوان، خادم العلماء، مخلص، ہر دل عزیز مقرر حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی - حال مقیم لنڈن، خطیب جامع مسجد بالہم لندن - کے خطبات کا مجموعہ بزم منور کی جلد چہارم ہے، جس کو پڑھ کر موصوف کی تفہیم، نصوص پر واقفیت، کسی واقعے سے عبرت اخذ کرنے کا سلیقہ، عوام وخواص کی نفسیات کو سامنے رکھ کر گفتگو کرنے کا ڈھنگ، ترقی یافتہ ملکوں کے لوگوں کو ان کی متمدن زندگی کو سامنے رکھ کر کس طرح اسلامی اعمال وعقائد، آداب واخلاق کو ان کی عقلوں سے قریب کر کے سمجھانا چاہیے، اس پر موصوف کو مکمل دست گاہ حاصل ہے۔ موصوف نے اسلامی احکام واعمال کو ایک انوکھے انداز سے فطرت انسانی کے موافق اور قابل عمل بتلایا ہے، دلوں کو چھو لینے والے قصے اور اپنے اعمال بد پر شرمندہ ہونے اور توبہ پر کس کس طرح آمادہ کیا ہے، یہ مولانا موصوف ہی کا کمال ہے۔ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں اور فکری کج رویوں اور غیروں کی تقلید سے بچانے کے لیے عجیب نادر اسلوب اختیار کیے ہیں۔ زبان سادہ، رواں دواں اور فصاحت وبلاغت سے لبریز ہے، جس کی داد دیے بغیر رہا نہیں جاتا۔ کسی مضمون کے اثبات کے لیے برمحل اشعار کا انتخاب بھی قابل ستائش ہے، نیز جگہ جگہ نصوص کے حوالے اور کتب کے اسماء، نیز شخصیات کے تذکرے کے ساتھ ان کا مختصر ضروری تعارف اور ان کا مقام بھی قلمبند کیا گیا ہے۔ مصنف کے قلم کی پاکیزگی کے ساتھ اس کے باطن کی پاک بازی، سنجیدگی، تواضع، محبت، خلوص، تقویٰ اور ذکر وشغل کی عادی

شخصیت کا اثر تحریر سے صاف جھلکتا ہے۔اس خاکسار کے ساتھ مصنف کا الحب فی اللہ کا رشتہ ہے،انڈیا میں ان کے قیام کے دوران بارہا موصوف سے برادرانہ ملاقات کا شرف حاصل رہا، اور برطانیہ چلے جانے کے بعد وہاں سے وطن کے سفر کے دوران کئی مرتبہ عیادت کے لیے آنے کے دوران تبادلۂ خیالات کا موقع ملا،کم عمری میں اتنے سارے کمالات کے حامل لوگ کم ہی نظر آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔آمین۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی ان کاوشوں کو جو خطبات اور تصنیفات کی شکل میں امت کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں، مسلم عوام وخواص کو ان سے استفادے کی توفیق ملے،اور حق تعالیٰ اس خدمت کو آخرت میں کامیابی اور مغفرت کا ذریعہ بنائے،اور دنیا میں صحت وعافیت اور سرفرازی ونیک نامی بخشے۔اور موصوف کی نیم شبی دعاؤں میں ہمارا حصہ رہے۔آمین۔

تم سلامت رہو ہزار برس ❁ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

خیر اندیش (حضرت مولانا) ذوالفقار احمد غفرلہ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

خادم دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت، گجرات

۲۹/اگست ۲۰۰۱ء

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى.أمابعد:

حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی مدظلہم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجسم اخلاص و تدین کا پیکر بنایا ہے، بندے نے لندن کے ایک سفر کے دوران ان کے ساتھ چند دن گزارے، اوران کی شفقت ومحبت کا دل پر گہرا نقش قائم ہوگیا۔ وہ لندن کی مشہور جامع مسجد بالہم کے امام ہیں، اور جمعہ کے دن ان کے خطبات سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مستفید ہوتی ہے، ان کے یہ خطبات ”بزم منور“ کے نام سے دس جلدوں میں شائع ہوئے ہیں، سفر کے دوران جستہ جستہ انہیں دیکھنے کا موقع ملا، اگرچہ مکمل مطالعے اوراستفادے کا موقع نہیں مل سکا، لیکن جو کچھ دیکھا اس میں ہمدردی ودل سوزی اور محبت سے بھرے ہوئے جذبات نظر آئے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان خطبات کو امت کے لیے نافع بنائیں، اور یہ کتاب ان کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔ آمین۔

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

نزیل لندن

۲۵/شوال ۱۴۳۹ھ

۱۰/جولائی ۲۰۱۸ء

MUFTI MUHAMMAD TAQI USMANI
Chairman Shariah Council, AAOIFI, Bahrain
Member Intenational Islamic Fiqh Academy, Jeddah
Vice President Jamia Darul-Uloom Karachi - Pakistan

المفتي محمد تقي العثماني
رئيس المجلس الشرعي البحرين
وعضو مجمع الفقه الإسلامي الدولي
ونائب رئيس جامعة دار العلوم كراتشي۔ باكستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد:

حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی مدظلہم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجسم اخلاص وتدین کا پیکر بنایا ہے۔ بندہ نے لندن کے ایک سفر کے دوران انکے ساتھ چند دن گذارے، اور انکی شفقت ومحبت کا دل پر گہرا نقش قائم ہوگیا۔ وہ لندن کی مشہور جامع مسجد بالہم کے امام ہیں، اور جمعہ کے دن انکے خطابات سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مستفید ہوتی ہے۔ ان کے یہ خطابات "بزم منور" کے نام سے دس جلدوں میں شائع ہوئے ہیں، سفر کے دوران جستہ جستہ انہیں دیکھنے کا موقع ملا، اگرچہ مکمل مطالعے اور استفادے کا موقع نہیں مل سکا، لیکن جو کچھ دیکھا اسمیں ہمدردی ودلسوزی اور محبت سے بھرے ہوئے جذبات نظر آئے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان خطابات کو امت کیلئے نافع بنائیں، اور یہ کتاب انکے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔ آمین۔

بندہ
محمد تقی عثمانی عفی عنہ
نزیل لندن
۲۵ شوال ۱۴۳۹ھ
۱۰ جولائی ۲۰۱۸ء

Jamia Darul-Uloom Karachi
Korangi Industrial Area,
Karachi - Pakistan, Post Code : 75180
Phone: (92) (21) 35123100, Fax : (92) (21) 35123233

جامعة دار العلوم كراتشي
كورنجي اندستريل ايريا الرمز البريدي ٧٥١٨٠
كراتشي۔ باكستان
هاتف: ٣٥١٢٣١٠٠ (٢١) (٩٢) فاكس: ٣٥١٢٣٢٣٣ (٢١) (٩٢)

رائے وتقریظ

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری دامت برکاتہم

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على خاتم رسل الله وأنبيائه سيدنا ونبينا محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.أمابعد:

دعوت وتبلیغ دین کا ایک اہم فریضہ وعظ وارشاد اور خطبہ وبیان ہے۔جس کا حکم اس آیت مبارکہ میں دیا گیا ہے:﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة﴾

ہر دور میں علماء کرام اور اکابر عظام رحمۃ اللہ علیہم نے خوب اچھے طریقے سے اس فریضے کو انجام دیا ہے،مختلف مطبوعہ اور مقبولِ عام خطبات کے مجموعے اس امر کی بین دلیل ہیں۔

خطبہ وبیان کا بنیادی مقصد تذکیر ونصیحت ہے،دنیا کے جھمیلوں میں مشغول ہوکر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل دلوں کو اللہ جل شانہ کی طرف اور دین کے احکام کی بجا آوری کی طرف متوجہ کرنے کا یہ ایک بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔وعظ وتقریر کی زبان جس قدر سادہ اور اسلوبِ بیان جتنا عام فہم ہوگا؛اس کی تاثیر اسی قدر زیادہ ہوگی،الحمدللہ،ہمارے ممدوح حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم خطابت کے اس وصف جمیل پر پوری طرح حاوی ہیں۔

"بزم منور" کے نام سے مطبوعہ زیرنظر مجموعۂ بیانات کی خصوصیات میں جس طرح عام فہم زبان وبیان ایک اہم خصوصیت شمار کیے جانے کے لائق ہے،اسی طرح موضوع سے متعلق افکار کی ترتیب،موضوع کی مناسبت سے آیات واحادیث،برمحل اشعار وواقعات نے بھی ان

خطبات کی کشش اور تاثیر کو دو چند کر دیا ہے۔

حضرت مولانا منور حسین سورتی دامت برکاتہم جامع مسجد بالہم، لندن، برطانیہ میں تقریباً تین دہائیوں سے امامت وخطابت کے منصب پر فائز ہیں، جمعہ و دیگر اہم ایام و مواقع کی مناسبت سے عوام الناس کے سامنے انہوں نے جو تقاریر فرمائیں انہیں مرتب کر کے اور تحریر و تقریر کے فرق کو ملحوظ رکھ کر افادۂ عام کے لیے زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے۔ تقریر و بیان تو مخصوص افراد اور محدود ماحول میں منحصر تھا، لیکن اب تحریر اور کتابی شکل میں آکر ان شاء اللہ اس کا نفع تام اور عام ہوگا۔ اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ یہ خطبات عوام وخواص، علماء وخطباء کے لیے فائدے کا باعث بنیں، اور امت مسلمہ کے تمام طبقات ان بیانات سے بھرپور مستفید ہوں۔ آمین۔

والسلام

محمد حنیف جالندھری

ناظم اعلی وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث ورئیس جامعہ خیر المدارس ملتان

۲/ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ، ۱۶/جولائی ۲۰۱۸ء

Muhammad Hanif Jalandhry

- President: Jamia Khair-ul-Madaris Multan, Pakistan
- Sec. General: Wifaq-ul-Madaris-al-Arabia Pakistan
- Sec. Coordination: Ittihad Tanzimat Madaris-e-Deenia Paksitan
- Chairman: World Council of Religions Pakistan.
- Chairman International Islamic Center Lahore
- Chairman: Al-Khair Public School Multan-Lahore
- Editor In-chief: Monthly "Al-KHAIR" Multan

محمد حنیف جالندھری

- صدر .... جامعہ خیر المدارس ملتان پاکستان
- ناظم اعلیٰ .... وفاق المدارس العربیہ پاکستان
- رابطہ سیکرٹری .... اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان
- چیئرمین .... ورلڈ کونسل آف ریلیجنز پاکستان
- چیئرمین .... انٹرنیشنل اسلامک سنٹر لاہور
- چیئرمین .... الخیر پبلک سکول ملتان
- مدیر اعلیٰ .... ماہنامہ الخیر ملتان

Ref No. ۱۸۵/۳۴۸/۲۰۱۸　　　　Date ۱۵/۷/۲۰۱۸

رائے وتقریظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خاتم رسل الله وأنبيائه سيدنا ونبينا محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

دعوت وتبلیغ دین کا ایک اہم فریضہ وعظ وارشاد اور خطبہ وبیان بھی ہے، جس کا حکم اس آیت مبارکہ میں دیا گیا ہے:

﴿ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة﴾ (سورۃ النحل:۱۲۵)

ہر دور میں علمائے کرام اور اکابرِ عظام رحمۃ اللہ علیہم نے خوب اچھے طریقے سے اس فریضہ کو انجام دیا ہے، مختلف مطبوعہ اور مقبولِ عام خطبات کے مجموعے اس امر کی بیّن دلیل ہیں۔

خطبہ وبیان کا بنیادی مقصد تذکیر ونصیحت ہے، دنیا کے جھمیلوں میں مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل دلوں کو اللہ جل شانہ کی طرف، اور دین کے احکام کی بجا آوری کی طرف متوجہ کرنے کا یہ ایک بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔ وعظ وتقریر کی زبان جس قدر سادہ اور اسلوبِ بیان جتنا عام فہم ہوگا اس کی تاثیر اسی قدر زیادہ ہوگی، الحمد للہ، ہمارے ممدوح حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم خطابت کے اس وصفِ جمیل پر پوری طرح حاوی ہیں۔

"بزم منور" کے نام سے مطبوعہ زیر نظر مجموعۂ بیانات کی خصوصیات میں جس طرح عام فہم زبان وبیان ایک اہم خصوصیت شمار کیے جانے کے لائق ہے، اسی طرح موضوع سے متعلق افکار کی ترتیب، موضوع کی مناسبت سے آیات واحادیث، برمحل اشعار وواقعات نے بھی ان خطبات کی کشش اور تاثیر کو دوچند کر دیا ہے۔

حضرت مولانا منور حسین سورتی دامت برکاتہم جامع مسجد بالہم، لندن، برطانیہ میں تقریباً تین دہائیوں سے امامت وخطابت کے منصب پر فائز ہیں، جمعہ ودیگر اہم ایام ومواقع کی مناسبت سے عوام الناس کے سامنے انہوں نے جو تقاریر فرمائیں انہیں مرتب کر کے اور تحریر وتقریر کے فرق کو ملحوظ رکھ کر افادۂ عام کے لیے زیورِ طبع سے آراستہ کیا ہے۔ تقریر وبیان تو مخصوص افراد اور محدود ماحول میں منحصر تھا، لیکن اب تحریر اور کتابی شکل میں آ کر ان شاء اللہ اس کا نفع تام اور عام ہوگا۔ اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ یہ خطبات عوام وخواص، علماء وخطباء کے لیے فائدے کا باعث بنیں، اور امتِ مسلمہ کے تمام طبقات ان بیانات سے بھرپور مستفید ہوں، آمین۔

والسلام

محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان
شیخ الحدیث ورئیس جامعہ خیر المدارس ملتان
۲/ذیقعدہ/۱۴۳۹ھ......۱۶/جولائی/۲۰۱۸ء

International Islamic Center, 43-44, Civic Centre, Johar Town, Lahore-Pakistan. Ph: +92-42-5185090
Postal Address: JAMIA KHAIR-UL-MADARIS O/s Dehli Gate Multan-Pakistan.
Off: +92-61-4545783, 4544440　Fax: +92-61-4545524　E-mail: hanif@khairulmadaris.com.pk

عرض مرتب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم،أمابعد:

اس ارض گیتی کا ہر باشندہ بارگاہِ ایزدی کے لا تعدو لا تحصیٰ انعامات کی ماتحتی میں زندگی گزار رہا ہے، منجملہ ان انعامات کے ایک فن خطابت ہے۔ یہ ایک خداداد فن ہے، اس سے جہاں انسان کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں اس کے خیالات وافکار اور اس کی وارفتگی بھی عیاں ہوتی ہے۔ اس خطابت میں جس قدر فصاحت ہوگی، اور مخاطب کو سمجھانے کا بہتر انداز ہوگا اسی قدر وہ کمال کی حامل ہوگی۔ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کا انتخاب هو أفصح مني لسانا ہی کی وجہ سے فرمایا تھا۔

زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح خطابت بھی اپنے اندر بڑی اہمیت لیے ہوئے ہے۔ اور اگر خلوص سے مزین ہو تو پھر اس کی اثر آفرینی ناقابل بیان ہے، اس لیے کہ جہاں ایک خطیب سخت دلوں کو موم کرسکتا ہے وہیں اس کے ذریعے سامعین کے اندر ایسا جوش بھی پیدا کرسکتا ہے کہ وہ بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرا کر اس کو پاش پاش کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قائدین اسلام نے اس نعمت کا استعمال کر کے لوگوں کو دین کی خاطر مر مٹنے پر آمادہ کیا تھا۔ طارق بن زیادؒ کی وہ تقریر بہت مشہور ہے کہ جس کی وجہ سے ایک دستہ لشکرِ جرّار سے مقابلے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا، اور اس کے شیرازے کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ خطابت کی سحر آفرینی ہی سے فساق و فجار ولی اللہ کی صف میں دست بستہ دکھائی دیے۔

بحمداللہ عصر حاضر میں بھی امت مسلمہ میں ایسے شہسوار خطباء موجود ہیں جن کے خطبات

ومواعظ مقبولِ خاص وعام ہیں، جن کے پند ونصائح پر عمل پیرا ہو کر ڈوبتی نیّا کو لب ساحل کیا جا سکتا ہے۔ من جملہ ان کے ایک مشہور ومعروف شخصیت مبلغ اسلام حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم العالیہ کی ذات گرامی ہے۔ آپ اپنی نرمی وگدازی وجادو بیانی اور حلم وکرم کے ساتھ ایسے گوہر لٹاتے ہیں جیسے شیریں خواب، محوِ خواب انسان کے دل ودماغ کو لذت وانبساط اور تازہ دمی کی خوشگواری سے لازوال مسرت بخش جاتا ہے۔ آپ اس وقت انگلینڈ میں اسلام اور اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت میں ایک اہم کردار ادا فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں بعافیت برکت مقدر فرمائے، اور آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو بارآور فرما کر شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

زیر نظر کتاب حضرت والا کے مختلف بیانات کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف مواقع پر فرمائے ہیں۔ ان کی اشاعت پہلے پاکستان سے بزم منور کے نام سے پھر خطبات منور کے نام سے ہو چکی ہے، البتہ پھر قدرے حذف واضافے کے ساتھ بزمِ منور کے نام سے شائع ہو رہے ہیں۔ ان کی ۵/ جلدوں پر پہلے کام ہو چکا ہے، چھٹی جلد حضرت الاستاذ مفتی طاہر صاحب دامت برکاتہم کی نگرانی میں بندے کے سپرد ہوئی، چناں چہ اس کو از سرِ نو ٹائپ کر کے اغلاط کی اصلاح کی گئی، اور جو حذف واضافے صاحبِ کتاب کی جانب سے کیے گئے تھے انہیں شامل کر لیا گیا، نیز خطبات میں بیان کردہ احادیث کی تخریج بھی کی گئی۔

راقم السطور صاحبِ خطبات کا، نیز حضرت الاستاذ کا بصمیمِ قلب شکریہ ادا کرتا ہے کہ بندے کو یہ کام سپرد کیا۔ نیز عم مکرم واستاذ محترم شیخ محمد طلحہ بلال منیار صاحب کا بھی شکر گزار ہے کہ انہوں نے مصادر کی طرف رجوع کرنے میں بہت رہنمائی فرمائی، اور بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس

موقع سے عم مکرم مولانا سلمان منیار صاحب اور مخلص ومحبوب دوست مولوی داود میمن صاحب کو فراموش کردیا جائے، جنہوں نے کتاب کی سیٹنگ میں بہت معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو دارین میں اجر جزیل عطا فرمائے، اور ہم سب کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین۔

فقط والسلام

محمد عبید منیار

۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ

اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين،والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى اٰله وأصحابه أجمعين.أما بعد:فأعوذ بالله من الشيطن الرجيم،بسم الله الرحمن الرحيم.﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّه لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ.صدق الله العظيم﴾.

خوفِ حق الفتِ احمد کو نہ چھوڑا اے اکبر ۞ منحصر ہے ان ہی دو لفظوں پہ سارا اسلام

بزرگانِ محترم! ابھی ہم نے تراویح میں قرآن مجید سنا، سورۂ بقرہ ختم ہوکر سورۂ آل عمران کے دو رکوع ہو گئے۔ سورۂ بقرہ ہی کی ایک آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، اور وہ بہت مشہور آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا ہے: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ۔ ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ جنہوں نے قرآن مجید کا ترجمہ لکھا ہے اور بڑی محنت سے لکھا ہے، مالٹا کی جیل میں چار سال رہے ہیں، بہت نحیف اور کمزور تھے۔ مالٹا کی جیل سے دار العلوم دیوبند جب تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپ نے ایک بڑی اہم بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ ہم نے تو مالٹا کی جیل میں دو سبق سیکھے ہیں، علماء کا مجمع آپ کی طرف متوجہ ہو گیا کہ حضرت اب کیا ارشاد فرمائیں گے، اور کون سے دو سبق ہوں گے؟ فرمایا: میں نے جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی حیثیت سے کیوں

تباہ ہورہے ہیں۔

تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، اور دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کردوں کہ قرآن کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے، بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کیے جائیں، بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معنیٰ سے روشناس کرایا جائے، اور امت کو قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے، اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔ تو حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے یہ عزم لے کر واپس تشریف لائے کہ قرآنِ پاک کی تعلیم کو عام کیا جائے، اور یہ ارادہ فرمایا کہ ہر جگہ، ہر بستی میں، ہر شہر میں قرآن کے ترجمہ کی تعلیم دی جائے۔

مسلمانوں کی پریشانی کے دو سبب:-

آج مسلمان جن بلاؤں میں مبتلا ہیں اور جن حادثات وآفات سے دوچار ہیں، اگر غور وفکر سے اور بصیرت سے کام لیا جائے تو ان کی پریشانی اور تباہی کے سب سے بڑے یہی دو سبب ثابت ہوں گے، قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا جھگڑنا۔ حقیقت میں آج امت قرآن سے بہت دور ہے، تعلیم کے اعتبار سے بھی اور قرآن پر عمل کے اعتبار سے بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شوق نصیب فرمائیں اور فکر بھی عطا فرمائیں کہ ہم خود بھی قرآن مجید سے اپنے آپ کو وابستہ کریں اور اپنے بچوں کو بھی وابستہ رکھیں۔ اور ہماری آپس میں جنگ وجدال اور فرقوں میں بٹنے کی وجہ سے ہماری طاقت بھی ٹوٹ گئی ہے، اور ہماری قوت بھی بٹ گئی ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر:-

حضرت شیخ الہندؒ نے قرآن مجید کا ترجمہ لکھا اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس پر

تفسیر لکھی۔ تفسیر مختصر ہے، مگر بڑی زبردست ہے، اور بڑی تحقیق سے لکھی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک جملہ لکھا ہے، مگر وہ جملہ ایسا ہے جیسے کہ سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہو۔ فرماتے ہیں کہ اسلام کو پورا پورا قبول کرو، یعنی ظاہر اور باطن اور عقیدہ اور عمل میں صرف احکامِ اسلام کا اتباع کرو۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارا قلب اور قالب اور جسم سب شریعت کے تابع ہو، ایسا نہ ہو کہ جو پسند آیا اور طبیعت کے موافق ہوا اسے قبول کرلیا، اور جو اپنی طبیعت کے خلاف ہوا اس کو چھوڑ دیا۔

کیسا نورانی اور مبارک چہرہ ہے!

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں نازل ہوئی، جو یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضورِ اقدس ﷺ جس وقت مدینہ منورہ تشریف لائے، عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ میں آپ کی خبر سنتے ہی آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ فرماتے ہیں: فلما رأیت وجهه عرفت أن وجهه لیس بوجه كذاب، جب میں نے آپ ﷺ کا چہرۂ انور دیکھا تو میرے دل نے یقین کرلیا کہ یہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہے۔ چہرۂ انور ہی سے صداقت ظاہر ہو رہی ہے، اور دل گواہی دے رہا تھا کہ بے شک آپ نبی صادق ہیں ﷺ۔ (ترمذی شریف: ۴/ ۲۳۳-بیروت-، ابن ماجہ شریف: ۱/ ۴۲۳-دار احیاء الکتب العربی-)

ابوداود شریف میں ایک روایت ہے، حضرت حارث بن عمرو سہمیؓ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضور ﷺ منیٰ میں یا عرفات میں تھے، وقد أطاف به الناس، صحابۂ کرامؓ نے چاروں طرف سے آپ ﷺ کو گھیر رکھا تھا، آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو رہے تھے، مسائل اور دینی باتیں دریافت کر رہے تھے، قال: فتجیئ الأعراب، فإذا رأوا وجهه قالوا: هذا وجه مبارك، اس درمیان اعرابی بھی

آتے، جس کی بھی آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر نظر پڑتی تھی اس کی زبان سے بے ساختہ نکلتا تھا: هٰذا وجه مبارك، کیسا مبارک چہرہ ہے، کیسا نورانی چہرہ ہے!

حضور اقدس ﷺ کی مدینہ تشریف آوری پر پہلا کلام بزبان عبداللہ بن سلامؓ :-

حضور اکرم ﷺ کا مبارک اور نورانی چہرہ دیکھ کر ہی دل نے یقین کرلیا کہ آپ نبیٔ صادق ہیں، چنانچہ فوراً ایمان لے آئے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ سے جو کلام سنا، سب سے پہلے یہ سنا: وكان أول شيئ تكلم به أن قال: أيها الناس! أفشوا السلام، وأطعموا الطعام، وصلوا بالليل والناس نيام، تدخلوا الجنة بسلام .

اے لوگو! آپس میں سلام پھیلاؤ، ایک دوسرے سے ملاقات کرو تو سب کو سلام کرو، جس کو جانتے ہو اس کو بھی سلام کرو، اور جس کو نہ جانتے ہو اس کو بھی سلام کرو، اور کھانا کھلاؤ، غرباء اور محتاجوں کا خیال کرو، مہمان آجائے تو اس کا احترام کرو، مہمان نوازی کرو، اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو جب کہ لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوں، یہ اعمال کرتے رہو، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔- ان شاء اللہ- (ترمذی شریف: ج ۲/ ۷۱)

تین سوال:-

ایک مرتبہ کچھ یہود حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ سے چند ایسے سوال کریں گے جن کا جواب نبی کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو چاہو پوچھو، لیکن خدا کو حاضر ناظر جان کر مجھ سے وہ وعدہ کرو جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے لیا تھا کہ اگر میں نے وہ باتیں تمہیں ٹھیک بتادیں تو تم اسلام لاکر تابع اور فرماں بردار

بن جاؤ گے۔ انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ہمیں یہ بات منظور ہے، اگر آپ نے صحیح صحیح جوابات دیے تو ہم ضرور اسلام قبول کرلیں گے اور آپ کے فرمانبردار بن جائیں گے۔ پہلا سوال یہ کیا کہ بتلائیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر کونسی چیز حرام کی تھی؟ دوسرا یہ کہ اولاد میں کبھی باپ سے مشابہت ہوتی ہے اور کبھی ماں سے، ایسا کیوں؟ اور تیسرا سوال یہ کیا کہ جنت میں سب سے پہلی ضیافت کس چیز سے ہوگی؟ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ جو لوگ ایمان لائے، اور ایمانی زندگی بھی بسر کی، اعمالِ صالحہ کیے، ان کے لیے جنت الفردوس ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بطور مہمانی کے تیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں ان کی مہمانی کریں گے، وہاں کیا کیا نعمتیں ہوں گی، اللہ اکبر! کون بیان کرسکتا ہے؟

آپ کسی بڑے سے بڑے ملک میں چلے جائیں، چاہے وہ کتنا ہی خوبصورت ہو، خوشگوار آب وہوا والا ہو، لیکن ایک دن اس سے بھی دل اچاٹ ہوجاتا ہے، اور پھر وہاں سے کسی اور جگہ جانے کی خواہش ہوتی ہے، مگر جنت میں یہ کیفیت نہ ہوگی۔ قرآن میں اسی کو بیان فرمایا: ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ﴿لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ نہ اس سے نکلنے کا خود دل چاہے گا اور نہ ان کو اس سے نکالا جائے گا۔

جنت میں جو چاہوگے ملے گا:-

اور چوبیسویں پارے میں فرمایا: ﴿نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ ہم تمہارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے، ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ﴾ اور تمہارے لیے جنت میں وہ

سب کچھ موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے گا، اور تمہارے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہے جو تم مانگو گے۔ جنتی آرام سے بیٹھا ہوگا، دل میں خیال آئے گا کہ مجھے یہ چیز کھانی ہے، فوراً اس کے لیے وہاں حاضر۔ وہ لیٹا ہوا ہوگا، اس کو اٹھنے کی ضرورت نہیں، وہ پھل وہیں لٹک جائے گا، اور عجیب طرح کا ذائقہ ہوگا، اور پھر یہ کہ وہاں نہ پاخانہ کی ضرورت نہ پیشاب کی حاجت، ایک ڈکار لیں گے اور سب ہضم۔ یہاں تو ڈکار لے کر اہل مجلس کو تکلیف میں ڈال دیتے ہیں، لیکن جنت میں ڈکار لے گا تو خوشبو آئے گی۔

تو فرمایا: ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ﴾، دنیا میں تم نے رب چاہی زندگی گزاری تھی، اب یہاں من چاہی زندگی گذارو، جو تمہارا جی چاہے کھاؤ پیو اور جس طرح چاہے رہو۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ﴾ تم اور تمہاری بیویاں خوش خوش جنت میں داخل ہو جاؤ۔ جنت میں جانے کے بعد کیا ہوگا، اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ﴾، ان کے پاس سونے کی رکابیاں (کھانے کی چیزوں سے بھری ہوئی) اور مشروبات سے بھرے ہوئے گلاس لائے جائیں گے، اور وہاں کیا ہوگا؟ ارشاد فرمایا: ﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ﴾، اور وہاں ان کو وہ چیزیں ملیں گی جن کو جی چاہے گا، اور جن سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی، اور ان سے کہا جائے گا: ﴿وَاَنْتُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ﴾ تم یہاں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ ﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ یہ وہ جنت ہے جس کے تم مالک بنا دیے گئے تمہارے اعمال کے عوض، تم سے کبھی واپس نہیں لی جائے گی ﴿لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ تمہارے لیے اس میں بہت سے

میوے ہیں جن سے تم کھا رہے ہو۔

پہلا سوال:-

یہ تین سوال یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیے۔ آپ نے ان تینوں سوالات کے جوابات دیے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کونسی چیز اپنے اوپر حرام کی تھی؟ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری ہو گئی تھی، تو آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو اپنی محبوب چیز کو اپنے اوپر حرام کرلوں گا۔ ان کی شریعت میں ایسی قسم کھانا جائز تھا، ہماری شریعت میں ایسی قسم جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرما دی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ حرام کرلیا۔

ایک رسم بد:-

ہماری شریعت میں ایسی قسم کھانا اور ایسی منّت ماننا حرام ہے۔ ہمارے یہاں بہت سی عورتیں ہیں جو غلط رسومات میں پڑ جاتی ہیں، محرم کے مہینے میں، ربیع الاول میں مجلسیں لگاتی ہیں اور اس میں مختلف قسم کے پھل فروٹ رکھتی ہیں، کیلے، انگور اور مختلف قسم کے پھل ہوتے ہیں، پھر اس کے اوپر ایک چادر ڈھانک دیتی ہیں، پھر عورتیں جمع ہوتی ہیں کہ تمہاری کیا مشکلات ہیں؟ کوئی کہتی ہے: میری بیٹی کی شادی نہیں ہوتی، کوئی کہتی ہے: میرے شوہر کو کام نہیں ملتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ پھر کہتی ہیں: جو جو تمہاری تمنائیں ہوں ان کی نیت کرلو اور آنکھیں بند کر کے اس چادر کے اندر ہاتھ ڈالو، تمہارے ہاتھ میں جو میوہ آجائے وہ کھانا حرام ہے جب تک تمہاری منت پوری نہ ہو۔ کیلا ہاتھ میں آگیا تو کیلا حرام، اسے نہیں کھائیں گی، سیب ہاتھ میں آگیا تو وہ حرام کرلیا، اس قسم کی رسم ہے۔ تو دوستو! یہ رسم ناجائز ہے اور ایسی منت ماننا حرام ہے۔ اللہ پاک کی حلال کردہ

چیز کو اس طرح ہم اپنے اوپر حرام نہیں کر سکتے۔

تحریمِ شہد کا واقعہ:-

حضور ﷺ عصر کی نماز کے بعد ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، ہم قربان جائیں ازواجِ مطہرات ؓ پر، وہ ہماری مائیں ہیں، قرآن پاک نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾، نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے ساتھ خود ان کی جان سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں تمہاری مائیں ہیں۔ ازواجِ مطہرات کا مقام اس قدر اونچا ہے- عام طور پر سوکنوں میں آپس میں رشک ہوتا ہے، یہ ایک فطری چیز ہے کہ اپنے شوہر کو اپنی طرف زیادہ مائل کرنا چاہتی ہیں، گاہے گاہے ازواجِ مطہرات میں بھی آپس میں یہ چیز ہو جاتی تھی-، رسول اللہ ﷺ کی ازواج ہماری مائیں ہیں اور ہمارے ماں باپ ان پر قربان! مگر آخر کار وہ بھی بشر تھیں۔ تو نبی کریم ﷺ نمازِ عصر کے بعد خبر گیری کے لیے ہر ایک کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک زوجہ محترمہ نے آپ ﷺ کو شہد پلایا، جس کی وجہ سے آپ ان کے پاس زیادہ ٹھہرے، اس کی وجہ سے دوسری زوجہ محترمہ کو رشک آیا اور انہوں نے دوسری زوجہ محترمہ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس حضور ﷺ تشریف لائیں تو وہ کہے کہ یارسول اللہ! آپ کے منہ مبارک سے مغافیر کی بُو آرہی ہے۔ مغافیر ایک خاص قسم کا گوند ہے جس میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کی مسواک سے محبت:-

حضور ﷺ بے حد پاک صاف رہتے تھے، گھر میں تشریف لاتے تو مسواک فرماتے،

رات کو سوتے وقت مسواک فرماتے، صبح بیدار ہوتے تو مسواک فرماتے۔ مسواک آپ کو بہت محبوب تھی، حتی کہ آپ ﷺ مرض الوفات میں ہیں، سکرات کا عالم ہے، ایسی حالت میں حضرت عائشہؓ کے برادرِ مکرم حجرۂ مبارکہ میں آئے، ان کے ہاتھ میں بالکل تازہ مسواک تھی، حضرت عائشہؓ بے حد مزاج شناس تھیں، حضور ﷺ کی نظر مبارک کو اٹھتا ہوا دیکھ کر سمجھ گئیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، اپنے بھائی عبدالرحمنؓ سے مسواک لی، آپ پر کمزوری طاری تھی، حضرت ام المؤمنینؓ نے اپنے دانتوں سے اسے نرم کیا اور حضور اقدس ﷺ نے دندانِ مبارک پر مسواک فرمائی۔

حضرت عائشہؓ کی چند خصوصیات:-

یہ بھی ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی سعادت ہے۔ اسی لیے آپ فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخیری وقت میں میرا آبِ دہن آپ ﷺ کے آبِ دہن کے ساتھ ملا دیا۔ یہ فضیلت حضرت عائشہؓ کے سوا کسی اور زوجہ محترمہ کو حاصل نہیں ہوئی۔ اسی طرح فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ نے مجھے یہ فضیلت بھی دی ہے کہ حضور ﷺ کی وفات میری باری کے دن اور میرے حجرہ میں ہوئی۔ یہ ارشاد بطور تحدیث بالنعمۃ کے فرمایا کرتی تھیں۔ (سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۳/۱۷۱)

مسواک کی برکت سے حسنِ خاتمہ:-

ملا علی قاریؒ نے مشائخ طریقت سے نقل کیا ہے کہ جو شخص مسواک پر مواظبت کرتا ہے تو مرتے وقت اس کی زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہو جاتا ہے، اور افیون کھانے والے کی زبان پر کلمہ جاری نہیں ہوتا، لہٰذا مسواک کو اپنی زندگی کا ایک جزء بنا لینا چاہیے۔ سنت بھی ادا ہوتی ہے اور نماز کا ثواب بھی ستّر گنا بڑھ جاتا ہے، اور اس کی برکت سے موت کے وقت زبان پر کلمہ جاری ہوتا ہے اور حسنِ خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔ اللہ پاک ہمیں اس کی قدر نصیب فرمائے اور اس پر مواظبت

کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

کیا ایک ساتھ مل کر کھانا کھانا عیب ہے؟

تو حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ اللہ نے آخری وقت میں میرا لعابِ دہن اور حضور ﷺ کا لعابِ دہن جمع فرمادیا۔حضرت عائشہؓ نے اپنے دانتوں سے مسواک نرم کیا اور وہی مسواک آپ ﷺ نے استعمال فرمایا۔اب آج کل بعض جگہ اور بعض میاں بیوی ایک برتن میں ایک ساتھ کھانے کو عیب سمجھتے ہیں، حالانکہ حضور ﷺ اور ازواجِ مطہرات ایک برتن میں ساتھ کھالیتے تھے، حتی کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ہڈی چوستی تھی تو آپ وہ ہڈی میرے ہاتھ سے لے لیتے تھے اور اسی جگہ سے چوستے جہاں سے میں نے چوسی تھی۔ابوداود شریف میں روایت ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: قالت: كنت أتعرق العظم وأنا حائض فأعطيه النبي ﷺ فيضع فمه في الموضع الذي فيه وضعته وأشرب الشراب فيضع فمه في الموضع الذي كنت أشرب منه.

(ابوداود شریف: ۱/ ۳- باب مؤاکلۃ الحائض ومجامعتہا-)

تو جھوٹا، اللہ کا رزق جھوٹا نہیں:-

اگر شوہر اپنی بیوی سے ایسی محبت کرے اور بیوی اپنے شوہر کی ایسی اطاعت کرے تو گھر میں کبھی جھگڑا نہیں ہوسکتا، وہ گھر نمونۂ جنت بن جائے گا۔اماں عائشہؓ گلاس میں جہاں سے پانی پیتی تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ گلاس پھر میں حضور ﷺ کو دیتی تو آپ ﷺ اسی جگہ سے منہ لگا کر پانی نوش فرماتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا تھا۔آج کل لوگ ایسے پانی کو جھوٹا کہتے ہیں، پانی جھوٹا ہے، کھانا جھوٹا ہے۔ارے! تو جھوٹا ہے۔اللہ کا رزق جھوٹا نہیں، اللہ کا پانی تو ماءً

طھورًا ہے۔ اگر بیوی کا جھوٹا پانی پی لیا تو کیا آپ کی ناک کٹ جائے گی؟ ناک تو کیا کٹے گی سنت ادا ہو جائے گی، اور سنت کی ادائیگی کی نیت سے پیا تو ان شاء اللہ اس میں بھی ثواب ملے گا۔ جب حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کا جھوٹا کھایا ہے اور جھوٹا پیا ہے تو اس میں کیا عار؟ یہ سب توہمات ہیں، توہم پرستی کو ختم کرنا چاہیے اور حضور ﷺ کی ایک ایک سنت پر عمل کرنا چاہیے، ان شاء اللہ دنیا و آخرت میں اس کی برکات ظاہر ہوں گی۔

آج ہمیں اپنے عقائد کی بھی اصلاح کرنی چاہیے۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی بیماری ہم کو لگ جائے گی، اس لیے ساتھ کھانے سے بھی پرہیز کرتے ہیں اور عجیب قسم کا انداز اختیار کرتے ہیں، اور بزعمِ خود سمجھتے ہیں کہ ہم بہت صاف ستھرے ہیں۔ یہ سب توہم پرستی اور غیروں سے مرعوبیت ہے، ورنہ حضورِ اکرم ﷺ کی سنت اس سلسلے میں بہت واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمادے۔ تو حضور ﷺ تو بے حد صاف رہتے تھے، مسواک پر اس قدر اہتمام سے عمل تھا۔

گلی معطر ہو جاتی تھی:-

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ بھی معجزہ تھا کہ آپ جس گلی سے گذر جاتے تھے وہ معطر اور خوشبودار ہو جاتی تھی، اور اندازہ ہو جاتا تھا کہ حضورِ اقدس ﷺ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں۔

راوی حدیث حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ خوشبو یا تو حضور ﷺ کے جسم مبارک کی ہوتی یا آپ کے پسینہ کی ہوتی تھی۔ (دارمی: مشکوۃ شریف: ص/۵۱۷)

کسی نے خوب کہا ہے: ؎

سیپ سے موتی موتی سے نگینہ نکلا ۞ عطر سے بڑھ کر محمد کا پسینہ نکلا

سیپ سے موتی موتی سے نگینہ نکلا ۞ دل میں کعبہ ہے تو کلیجے سے مدینہ نکلا

اور کہا ہے کہ:؎

چنبیلی موگرا گل وغنچہ ولعل بھی یہ کہتے ہیں ۞ وہ خوشبو ہے کہاں جو تھی محمد کے پسینہ میں

حضور ﷺ کسی کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو اس کے سر پر خوشبو آتی رہتی تھی۔

(رواہ مسلم:۲/۵۱۷)

شہد حرام کرنے پر آیت کا نزول:-

غرض حضور ﷺ بہت صاف رہتے تھے۔ جب آپ علیہ السلام سے یہ کہا گیا کہ آپ کے منہ مبارک سے مغافیر کی بو آ رہی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے تو مغافیر چکھا بھی نہیں، ہاں! میں نے فلاں جگہ شہد پیا ہے۔ ام المؤمنین نے شہد پانی میں ملا کر اس کا شربت بنا کر پلایا تھا، اور آپ ﷺ نے وہ شربت نوش فرمایا تھا، ان بی بی نے کہا: شاید کوئی مکھی مغافیر کے درخت پر بیٹھی ہوگی اور اس کا رس چوسا ہوگا، اس کی وجہ سے شہد میں اس کی بو آنے لگی ہوگی۔

حضور ﷺ دوسری زوجہ کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی یہی فرمایا۔ حضور ﷺ کو بدبو سے بہت نفرت تھی، آپ نے قسم کھالی کہ اب میں شہد نہ پیوں گا، اور اس خیال سے کہ ان بی بی کو اس کا پتہ چلے گا تو ان کو بُرا لگے گا، اس کے اخفاء کی تاکید فرمائی مگر ان بی بی نے دوسری کو کہہ دیا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آیت نازل فرمائی: ﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾، اس آیت مبارکہ میں بھی قرآن کریم کے عام اسلوب کے مطابق آپ کا نام لے کر خطاب نہیں کیا، بلکہ ﴿یاایھا النبی﴾ سے خطاب فرمایا، یہ آپ ﷺ کا خصوصی اعزاز ہے۔ تو خطاب فرمایا: اے نبی! آپ اپنی

ازواج کی رضا جوئی کے لیے اپنے اوپر ایک حلال چیز کو حرام کیوں کرتے ہیں؟ اس سے آپ پر تنگی ہوگی، لہٰذا قسم توڑ دو۔ ﴿قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ﴾، چنانچہ حضور ﷺ نے اپنی قسم توڑ دی۔ تو ہماری شریعت میں کسی حلال چیز کو حرام نہیں کر سکتے۔

بعض قسموں کا توڑنا لازم ہے:-

کسی نے قسم کھالی کہ ماں باپ سے بات چیت نہیں کروں گا، تو یہ قسم بالکل ناجائز ہے، اس پر لازم ہے کہ قسم توڑ دے۔ ماں باپ سے بات چیت کرے اور قسم کا کفارہ دے دے۔ قسم کھالی کہ اپنی بہن کی مدد نہیں کروں گا، تو اس قسم کو توڑ دینا چاہیے اور کفارہ ادا کرے۔ اگر قسم نہ توڑے گا تو گنہگار ہوگا۔

دوسرا اور تیسرا سوال:-

بات بہت دور چلی گئی۔ یہود نے تین سوال کیے تھے، ایک کا تو جواب ہوگیا۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ اولاد کبھی باپ کے مشابہ ہوتی ہے اور کبھی ماں کے، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: إذاسبق ماءُ الرجل ماءَ المرأة نزع الولد، وإذا سبق ماءُ المرأة نزعت، جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو وہ بچہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، یعنی اس وقت بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے، اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔

اور تیسرا سوال یہ تھا کہ جنت میں سب سے پہلے مہمانی کس چیز سے ہوگی؟ تو اس کے جواب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وأما أول طعام يأكله أهل الجنة فزيادة كبد الحوت، سب سے پہلا کھانا جو اہل جنت کھائیں گے وہ مچھلی کی کلیجی کا کنارہ ہوگا

جو بہت ہی زیادہ لذیذ ہوگا۔ (مشکوۃ شریف: ص ۳۰۵ میں یہ روایت تھوڑے سے فرق کے ساتھ ہے)

تفسیر ابن کثیر میں اور بھی سوالات کا ذکر ہے۔ چنانچہ ایک سوال یہ کیا کہ نبی امی کی نیند کیسی ہوگی؟ تو اس کے جواب میں نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: نبی امی کی نیند میں اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے۔ اور پانچواں سوال یہ کیا کہ رعد کیا چیز ہے؟ اس کے جواب میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رعد اللہ عزوجل کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے، اس کے ہاتھ میں ایک کوڑا ہے، جس سے بادلوں کو جہاں خدا کا حکم ہو لے جاتا ہے، یہ گرج کی آواز اسی کی آواز ہے۔

بہر حال تو تیسرے سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ جنتیوں کی مہمانی مچھلی کی کلیجی کے کنارہ سے ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ زمین کی روٹی بنے گی۔ اب کوئی کہے کہ زمین کی روٹی ہوگی تو دانت بھی ٹوٹ جائیں گے، تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ ساری غذا اسی زمین سے مہیا ہوتی ہے، ﴿وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا﴾، ساری غذا اللہ نے زمین میں محفوظ کر دی ہے، اس کا مغز نکالا جائے گا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ زمین کا مغز نکالا جائے گا۔

زمین کی روٹی بنانے کی حکمت:-

حضرت تھانویؒ نے یہاں ایک سوال قائم کیا اور پھر خود اس کا جواب بھی خوب لکھا۔ فرمایا: کہ یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جنت میں تو بے شمار نعمتیں ہیں، تو پھر زمین کی روٹی بنانے کی کیا غرض؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہم لوگ کھانے پینے والے لوگ ہیں، ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا﴾۔ ایک صاحب سے کسی نے پوچھا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت یاد ہے؟ کہا: ہاں! ایک آیت ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا﴾ یاد ہے۔ پھر پوچھا: کوئی دعا یاد ہے؟ اس نے کہا:

ہاں! ایک دعا کسی کے یہاں دعوت کھاؤ تو کھا کر یہ دعا پڑھو: أَللّٰهُمَّ أطعم من أطعمني واسق من سقاني، اے اللہ! اس کو آپ کھلایئے جس نے مجھ کو کھلایا، اور اس کو پلایئے جس نے مجھے پلایا۔ پھر پوچھا: قرآن کی کوئی اور آیت یاد ہے؟ کہا: ہاں! ایک آیت اور یاد ہے ﴿رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ اے اللہ! ہمارے لیے آسمان سے خوان نازل فرمادے۔ تو ہمارا کام ہے کھانا پینا، ابھی افطاری میں کھایا، مغرب کے بعد پھر کھایا اور عشاء کے بعد پھر کھائیں گے، تو ہم تو کھانے پینے والے لوگ ہیں، لیکن اولیاء اللہ، ان کی زندگی بڑی سیدھی سادی ہوتی ہے، انہوں نے دنیا میں مجاہدات کیے اور دنیا میں ترکِ لذات کو اختیار کیا، تو اللہ تعالیٰ ان کو زمین کی روٹی بنا کر کھلائیں گے تاکہ جنت کی نعمتوں کی قدر معلوم ہو۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا حکمت بھرا جواب:-

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ایک مرتبہ بڑا عمدہ قسم کا جبّہ پہنا، کئی ہزار درہم کا، حالاں کہ آپ تو بہت بڑے ولی بلکہ سید الاولیاء ہیں۔ مریدین کی نگاہ پڑی، ایک مرید نے سوال کرلیا کہ حضرت! آپ تو سیدھے سادے آدمی ہیں، صوفی ہیں اور اتنا قیمتی جوڑا پہن لیا؟ فرمایا: جنت میں اللہ تعالیٰ وہ نعمتیں دیں گے جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا ہوگا، نہ کانوں نے سنا ہوگا، اور یہ جبہ تو میری نظروں کے سامنے ہے، میں نے اسے دیکھا ہے تو میں اس لیے پہن رہا ہوں تاکہ اس کی وقعت میرے دل سے نکلے اور جنت کی نعمت کی قدر میرے دل میں بڑھے، اور اس سے قیمتی اور عمدہ جوڑا اور جبہ ملے۔

پہننے کی نیت دیکھو کیسی ہے؟ بزرگوں کی نظر کہاں ہوتی ہے؟ وہ دنیا کی نعمتوں کو استعمال بھی کرتے ہیں تو دنیا میں مشغول رہ کر اور دنیا میں ملوث ہو کر نہیں، اس میں بھی ان کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اور اپنی عبدیت کا مظاہرہ فرماتے ہیں، غرور اور تکبر میں مبتلا نہیں ہو جاتے ہیں۔

اللہ پاک ہم کو بھی ایسی بصیرت اور معرفت اور استحضارِ آخرت نصیب فرمائے۔ آمین۔

اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ:-

تو میں عرض کر رہا تھا کہ علماء یہود مسلمان ہو گئے، لیکن دل میں سوچا کہ اسلام میں اونٹ بھی حلال، اس کا گوشت حلال، اس کا دودھ بھی حلال تو دل سے اس کو حلال سمجھوں گا، اس کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھوں گا لیکن استعمال نہ کروں گا، تاکہ دونوں شریعتوں پر عمل ہو جائے، دل سے اس کو حرام نہیں سمجھوں گا۔ یہ اس لیے نیت کی تھی کہ پہلے یہودی تھے اور یہودیوں کے یہاں اونٹ کا گوشت کھانا حرام تھا۔

تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ کریمہ نازل فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾، اے ایمان والو! جب اسلام لائے ہو تو اب اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، شریعتِ محمدیہ پر ایمان لائے ہو تو اب اس شریعت پر پورا پورا عمل کرنا ضروری ہے، جسم اور ظاہر کے اعتبار سے بھی، اور قلب اور باطن کے اعتبار سے بھی۔

ظاہری اعمال پورے پورے اس شریعت کے مطابق ہوں اور اسلام کے تمام احکامات کے مطابق تمہارا عمل ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ایک حکم پر عمل کرو اور ایک پر نہ کرو، "کڑوا کڑوا تھوتھو، اور میٹھا میٹھا ہپ ہپ"؛ ایسا نہ کرو، اسلام میں داخل ہونے کا مطلب چوبیس گھنٹے کی پوری زندگی تمہاری اسلامی ہو۔

جب پڑھ لیا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ "، تو اب اس بات کا اقرار کر لیا کہ زندگی میری اپنی نہیں، غلامی والی زندگی گذاروں گا۔ ہمارا کیا حال ہوتا ہے ﴿نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض چیزوں کا کفر (انکار) کرتے ہیں۔

ہمارے بہانے اور حیلے حوالے:۔

ہمارا معاشرہ، ہمارا کاروبار، ہمارا لین دین، ہماری شادیاں، ہماری غمی ان سب چیزوں کو دیکھو تو نوّے (۹۰) فیصد ایسا ہے کہ جہاں ہم کو اچھا لگا عمل کیا، اور جہاں اچھا نہیں لگا رسومات میں چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ رشتہ داروں کا معاملہ ہے، یہ کیا کہیں گے، وہ کیا کہیں گے......۔

یہ بہانے اور حیلے حوالے تلاش کر کے پتہ نہیں ہم کیا کیا کرتے ہیں۔ موت میت کا معاملہ ہوتا ہے تو اس موقع پر بھی پتہ نہیں ہم کیا کیا کرتے ہیں، حالانکہ جب ہم الحمدللہ مسلمان ہیں تو اسلام کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی ذات کو، اپنے اعمال کو، اپنی زندگی کو، اپنی خواہشات کو اور اپنے جذبات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے جھکالیں۔

اللہ پاک ہم سب کو صحیح معنوں میں مسلمان بنادے، اور ہم ﴿ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾ کا مصداق بن جائیں۔ ہماری زندگی کا ایک ایک عمل اسلام کے احکام کے مطابق ہو۔ اللہ رب العزت عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ

(۲)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله رب العلمين،والصلوة والسلام على أشرف الانبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين.أما بعد:أعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم،﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّه لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾.صدق الله العظيم.

اللہ تعالی کے نزدیک قابلِ قبول وباعثِ نجات دین اسلام ہے:-

بزرگواور دوستو! گزشتہ کل کے بیان میں یہ عرض کیا تھا کہ اللہ تعالی اس آیت کریمہ میں ہم سے خطاب فرمارہے ہیں کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ، اپنے قلب اور جسم کے لحاظ سے شریعت کے احکام پر پورا پورا عمل کرواور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

کل اس آیت کریمہ کے شان نزول میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا واقعہ اور اس ضمن میں اور بھی کچھ باتیں عرض کی تھیں۔ایک آیت تو یہ ہوئی۔اسی سلسلہ میں قرآن مجید میں دوسری آیتیں بھی ہیں، مثلاً: آج ہم نے تراویح میں یہ آیت سنی:﴿وَمَن يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَن يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾، جو شخص دین اسلام کے علاوہ کوئی اور طریقہ لے کر آئے گا، تو اس سے ہرگز ہرگز اس کو قبول نہیں کیا جائے گا،﴿وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾اور وہ قیامت میں خسارہ میں رہے گا۔

عہدِ الست کی تفصیل:-

اب اللہ تعالیٰ نے یہاں ہم سے مطالبہ کیا کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، ظاہری جسم کے لحاظ سے بھی اور باطنی عقائد کے لحاظ سے، اور اموال واولاد اور عزت وجاہ کے لحاظ سے بھی، اور شریعت کے احکام کے لحاظ سے بھی۔ اور طریقہ کس کا ہو، وہ آج تراویح میں سورۂ آل عمران میں سن لیا، کیوں کہ جب کلمہ پڑھ لیا تو یہ کلمہ ایک وعدہ ہے، اور یہ وعدہ دنیا میں آنے والے ہر شخص نے اللہ تعالیٰ سے سے روزِ اول میں کیا ہے۔ ہر ایک نے اللہ رب العزت کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے، تمام اولادِ آدم ہیں اور سب کے سب اس میں آ گئے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا﴾، اور اس وقت کو یاد کرو، اس وقت کو دھیان میں لاؤ جب کہ آپ کے رب نے (عالمِ ارواح میں آدم علیہ السلام کی پشت سے تو خود ان کی اولاد کو اور) اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو گواہ بنایا ان کی جانوں پر، (اور پھر ان میں عقل وشعور عطا فرما کر ان سے پوچھا) اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! واقعی آپ ہمارے رب ہیں، ہم سب اس واقعہ کے گواہ بنتے ہیں، ہم اقرار کرتے ہیں۔ اس کو عہدِ الست کہتے ہیں، اور احادیثِ مبارکہ میں اس عہدِ الست کی بڑی تفصیل آئی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا، اور سامنے بکھیر دیا جیسے چیونٹیاں، اور پھر ان سے بالمشافہ کلام کیا: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾، سب نے جواب میں بَلٰی کہا۔ (مسند احمد ونسائی، بحوالہ معارف القرآن ادریسی: ۳/۱۶۰)

ایک اور حدیث میں ہے کہ کچھ لوگوں نے حضرت فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت (واذ اخذ الخ) کے متعلق دریافت کیا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جواب میں نے سنا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، پھر اپنا دستِ قدرت ان کی پشت پر پھیرا، تو ان کی پشت سے جو نیک انسان پیدا ہونے والے تھے وہ نکل آئے، تو فرمایا: میں نے ان کو جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ جنت ہی کے کام کریں گے۔ (اللہ پاک ہم کو اپنی سعادت مند روحوں میں شامل فرمائیں۔ آمین)

پھر دوسری مرتبہ ان کی پشت پر اپنا دستِ قدرت پھیرا تو جتنے گنہگار، بدکار، کفار و مشرکین انسان ان کی نسل سے پیدا ہونے والے تھے ان کو نکالا اور فرمایا: میں نے ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ دوزخ ہی کے کام کریں گے۔ (اللہ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے اور اس میں ہم کو شامل نہ فرمائے۔ آمین)

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب پہلے ہی جنتی اور جہنمی متعین کر دیے گئے ہیں تو پھر عمل کس مقصد کے لیے کرایا جاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی کو جنت کے لیے پیدا فرماتے ہیں تو وہ اہل جنت کا کام کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ اس کا خاتمہ کسی ایسے کام پر ہوتا ہے جو اہل جنت کا کام ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی کو دوزخ کے لیے پیدا فرماتے ہیں تو وہ اہل دوزخ اور جہنم ہی کے کام میں لگ جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا خاتمہ بھی کسی ایسے ہی کام پر ہوتا ہے جو اہل جہنم کا کام ہے۔ اَللّٰھُمَّ احفظنا۔

(معارف القرآن، مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ: ۴ / ۱۱۲)

مطلب یہ ہے کہ جب انسان کو معلوم نہیں کہ وہ کس طبقہ میں ہے، تو اس کو چاہئے کہ وہ

اپنے آپ کو ایسے کاموں میں لگانے کی کوشش کرے جو اہل جنت کے کام ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اچھے اعمال کی توفیق مانگتا رہے، حسنِ خاتمہ کی دعا کرتا رہے اور اللہ رب العزت سے امید رکھے کہ وہ جنت والوں میں سے ہوگا۔

مسند امام احمد کی روایت میں - جو بروایتِ حضرت ابو درداءؓ ہے - اس میں اتنی زیادتی ہے کہ پہلی مرتبہ جو لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے باہر نکلے وہ سفید رنگ کے تھے، جن کو اہل جنت فرمایا، اور دوسری مرتبہ جو باہر نکلے وہ سیاہ رنگ کے تھے جن کو اہل جہنم قرار دیا۔

اور ترمذی میں یہی مضمون بروایتِ حضرت ابو ہریرہؓ منقول ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ اس طرح قیامت تک پیدا ہونے والی اولادِ آدم جو ظہور میں آئی ان میں سے ہر ایک کی پیشانی پر ایک خاص قسم کی چمک تھی۔

ایک اشکال کا جواب:-

یہاں ذرا سا اشکال ہوتا ہے کہ ان احادیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی ذریت اور اولاد کو نکالنے کا ذکر ہے، اور قرآن مجید کے الفاظ میں بنی آدم یعنی اولادِ آدم کی پشت سے نکالنا مذکور ہے؟ اس اشکال کا جواب اور آیت وحدیث میں تطبیق یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان لوگوں کو نکالا جو بلا واسطہ حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہونے والے تھے، پھر ان کی نسل کی پشت سے دوسروں کو، اور اسی طرح جس ترتیب سے اس دنیا میں اولادِ آدم پیدا ہونے والی تھی، اسی ترتیب سے ان کی اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالا گیا۔

(معارف القرآن، مفتی شفیع صاحبؒ: ۴/ ۱۱۵)

سب سے پہلے حضور ﷺ کی روح مبارک نے جواب دیا:-

بہر حال آیت کا خلاصہ یہی ہے کہ قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں کی روحوں سے

یہ عہد لیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ ان تمام ارواح میں سب سے پہلے جواب دینے والی روح حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک تھی، اور اس کو سن کر سارے انبیاء علیہم السلام کی روحوں نے جواب دیا، اور پھر تمام ارواح نے اللہ رب العزت کی ربوبیت کا اقرار کیا کہ اے اللہ! آپ ہی ہمارے معبود ہیں، ہم آپ کے بندے اور غلام ہیں، آپ ہمارے مالک اور ہم آپ کے مملوک ہیں، اور اس کلمہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! تیرے حکم پر میری زندگی ہوگی، اب میری اپنی کوئی خواہش نہ ہوگی، میری تمام خواہشات آپ کے تابع ہوں گی۔ کفارِ مکہ اس تقاضے کو جانتے تھے کہ یہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد ہماری نہیں چلے گی، ہماری کرسی ختم ہو جائے گی، ہماری سرداری نہیں رہے گی، اس کے بعد تو ماننا پڑے گی رسول اللہ ﷺ کی، اور کلمہ پڑھ لینے کے بعد مکمل طور پر اللہ کا بندہ، اللہ کا عبد وغلام اور محمد رسول اللہ ﷺ کا تابعدار بن کر رہنا پڑے گا۔

ہم پوری زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں:-

لہٰذا ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور بندیاں ہیں، اللہ ہی کے غلام ہیں۔ لیکن ایسے غلام نہیں جیسے دنیا میں ہوتے ہیں، ان کی ڈیوٹی ہوتی ہے، نوکر ہوتا ہے، بعض آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں اور بعض ۱۲ر گھنٹے، اور ڈیوٹی پوری ہونے کے بعد آزاد ہو جاتے ہیں، لیکن ہم اللہ کے غلام اور بندے ہیں پورے ۲۴ر گھنٹے کے، پوری زندگی کے۔ ہم سر سے پیر تک اللہ کے غلام ہیں، ظاہری اعمال میں بھی اللہ کے غلام ہیں، اور دل ودماغ کے اعتبار سے بھی ہم اللہ کے بندے اور غلام ہیں۔

ایک لطیفہ:-

ایک لطیفہ سن لو! حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے، بڑا دلچسپ ہے، اس لطیفہ سے ہمیں عبرت حاصل کرنا ہے۔ ایک غلام وہ بھی ہے اور ایک غلام ہم بھی ہیں، مگر ہم اور اس غلام میں

کتنا فرق ہے! ایک بادشاہ نے اپنے کام کے لیے ایک غلام رکھا اور اس کے ساتھ معاہدہ کیا کہ تم کو یہ کام کرنا ہے، یہ کام کرنا ہے، صبح چائے بنانا ہے، ناشتہ تیار کرنا ہے، دو پہر کو کھانا بنانا ہے وغیرہ، ایک لمبی لسٹ اس کو دے دی کہ یہ تمام کام تم کو کرنے ہیں، اس نے منظور کرلیا، کام کرنے لگا۔ ایک مرتبہ سفر میں تھا، ایک منزل پر اترے، گھوڑے کا سامان اتارا، بادشاہ کی قیمتی شال موجود نہیں تھی، غلام سے پوچھا: شال کہاں ہے؟ غلام نے کہا: بادشاہ حضور! وہ تو گر گئی تھی، بادشاہ نے کہا: تم کیسا کام کرتے ہو! تم کو پیچھے اسی لیے تو رکھا تھا کہ کچھ گر جائے تو تم اٹھالو، تو نے شال زمین پر گرتی ہوئی دیکھی، پھر کیوں نہیں اٹھائی؟ غلام نے لسٹ اور فہرست نکال کر دکھائی کہ دیکھو! اس میں کہاں لکھا ہے کہ شال گر جائے تو اس کو اٹھالینا؟ بادشاہ نے کہا: تم بھی عجیب آدمی ہو، اچھا چلو! اس میں ہم ایک چیز بڑھا دیتے ہیں کہ: دورانِ سفر کچھ گر جائے تو اس کو اٹھالو، اور سفر ختم ہونے پر وہ واپس کردو۔

اب چلے، سفر شروع ہوا، چلتے رہے، جب سفر پورا ہوا تو اس نوکر نے ایک ٹوکرا سامنے لاکر رکھ دیا، بادشاہ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ کہا: جہاں پناہ! یہ آپ کے گھوڑے کی لید ہے، آپ نے کہا تھا: جو کچھ گر جائے اس کو اٹھالینا، حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہ اٹھالیا ہے، اور آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ بادشاہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

ہم صرف مسجد کے مسلمان نہیں:-

بزرگو اور دوستو! ہم ایسے غلام نہیں ہیں، ہم صرف مسجد کے مسلمان نہیں ہیں، ہم مسجد کے بھی مسلمان ہیں اور مسجد کے باہر بھی مسلمان ہیں۔ ہم صرف حج کے مسلمان نہیں ہیں، ہم حج کے دوران بھی مسلمان ہیں اور حج کے بعد بھی مسلمان ہیں۔ ہم گھر میں ہیں تب بھی مسلمان ہیں،

بازار میں ہیں اس وقت بھی مسلمان ہیں۔ اسلام کبھی بھی اور کسی حالت میں بھی ہم سے جدا نہیں ہوتا، اس لیے تجارت کرو تو اسلام کے مطابق، اسلام نے جو طریقہ بتلایا ہے اس کو اختیار کرو، اور صحیح اور حلال طریقہ سے خوب مال کماؤ۔

شریعت نے تجارت کے اصول بتائے ہیں:-

شریعت نے خرید و فروخت اور تجارت کے بھی طریقے بتائے ہیں، اور الحمد للہ کامیاب طریقے ہیں۔ حدیث کی ہر کتاب میں کتاب البیوع ہے، فقہ کی ہر کتاب میں بیوع (تجارت -خرید و فروخت-) کے مسائل بڑی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ آپ بخاری شریف دیکھو، مسلم شریف دیکھو، ترمذی شریف دیکھو، ابوداود شریف دیکھو، ہدایہ دیکھو، شامی اور عالمگیری دیکھو، کتاب البیوع کتنا بڑا باب ہے، تجارت کے اصول بھی بتائے ہیں اور جزوی مسائل بھی۔

مضاربت:-

مثلاً: ایک شخص بے چارہ کنگال ہے، ایک پیسہ اس کے پاس نہیں ہے، لیکن دماغ ہے، ہوشیار ہے، تجارت میں ماہر ہے، تو اس کے لیے مضاربت کا طریقہ بتایا، جس میں ایک شخص کا مال ہوتا ہے اور دوسرے کی محنت ہوتی ہے۔ یہ شخص اپنا دماغ استعمال کرتا ہے، محنت کرتا ہے اور مضاربت کے اصول پر تجارت شروع کرتا ہے۔ اب جتنی آمدنی ہو رہی ہے شریعت کے اصول کے مطابق دونوں آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں، اس کا بھی کام بن گیا اور اس کا بھی، اس کا سرمایہ جو جام تھا، وہ کام میں آ گیا، اور وہ شخص جو بیکار ہو گیا تھا اس کو بھی کام مل گیا، اور دونوں کا کام ہو گیا۔ آج الحمد للہ مضاربت پر بہت سے مسلمان مل جل کر تجارت کر رہے ہیں۔ اسی طرح کسی کے پاس مال ہے مگر دماغ نہیں ہے، سمجھ، ہوشیاری اور مہارت نہیں ہے، وہ بھی اسی مضاربت کے اصول پر

کسی کو مال دے کر مضاربت کے طریقے پر تجارت کر سکتا ہے۔

تجارت کا ایک طریقہ شرکت ہے:-

شرکت کے اصول بھی بیان کیے ہیں، دو آدمی یا چند آدمی اپنا اپنا تھوڑا تھوڑا سرمایہ لگا کر بڑے پیمانے پر شرکت میں تجارت کر سکتے ہیں۔ اللہ پاک نے مال کو بھی نعمت شمار فرمایا ہے، اسے "خیر" فرمایا ہے، "اللہ کا فضل" فرمایا ہے۔ اگر مال کمانا مطلقاً گناہ ہوتا تو اللہ پاک اس کو اپنی نعمت نہ گِناتا، لہٰذا مال فی نفسہ مطلقاً بُرا نہیں ہے۔

سرمایہ پرستی حرام ہے:-

جب الیکشن کا زمانہ آتا ہے تو نعرہ لگایا جاتا ہے کہ سرمایہ داری حرام ہے، سرمایہ داری حرام ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ سرمایہ داری حرام نہیں ہے، ہاں! سرمایہ پرستی حرام ہے کہ مال و دولت ہی کو خدا سمجھے، اور معاذ اللہ اس کی پرستش کرے، جس طرح کفار کرتے ہیں۔ غیروں کی طرح دولت کو خدا کا درجہ نہ دو۔ مال صحیح اور حلال طریقہ سے کمایا ہو اور اس کے بعد مال کا حق بھی ادا کرتا رہے، اللہ کے حکموں کے مطابق اس کو استعمال کرتا رہے اور مال کے حق کی ادائیگی کے ساتھ مال جمع ہو جائے۔ تمہارے پاس ہو یا قانون اور ضرورت کی وجہ سے بینک میں ہو، تو کوئی حرج نہیں۔ دل اللہ کے رہنے کی جگہ ہے تو مال و دولت دل میں نہ ہو۔

تجارت شریعت کے مطابق کرو:-

تجارت اس طرح کرو جس طرح شریعت نے فرمایا ہے۔ دھوکہ دینا، جھوٹ بولنا، مال کہاں کا ہو اور کہاں کا کہہ کر بیچنا، لیبل بدل کر بیچنا، گوشت کی دکان پر بورڈ لگا دیا حلال، اور ایک طرف مکہ مکرمہ کی تصویر، ایک طرف مدینہ منورہ کی، ایک طرف بیت اللہ کی، دوسری طرف

گنبد خضراء ﴿علی صاحبها ألف ألف تحیة وسلام﴾ کی، اور ساتھ میں قرآن پاک کی آیت بھی لگادی، اور گوشت بیچ رہے ہیں حرام۔ شریعت کہتی ہے: یہ حرام ہے۔ ایسے طریقہ سے تجارت نہ کرنا چاہئے۔ حلال طریقہ سے تجارت کرو، ﴿فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً﴾ پورے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ۔

خوشی کرنا منع نہیں ہے، مگر شریعت کی حدود میں رہ کر:-

شریعت میں شادی کرنا منع نہیں ہے، خوشی کرنا منع نہیں ہے، لیکن غیروں کی طرح نہیں، وہ تو عیاشی کرتے ہیں، شراب پیتے ہیں، ان کے تہوار کا دن آتا ہے تو لوگ اپنی من مانی کرتے ہیں اور نفس پرستی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ہمارے تہوار کا دن ہوتا ہے تو ہماری خوشی اللہ کے حکم کے ماتحت ہونی چاہئے، اللہ کو راضی کرنے کا اتنا جذبہ پیدا کروایا کہ آج عید کے دن بغیر اذان کے بغیر بلائے ہوئے آجاؤ۔ شریعت کی حدود میں رہ کر خوشی کرو، شریعت کا حکم توڑ کر خوشی نہیں کرسکتے۔ شادی کررہے ہو تو شریعت کی حدود میں رہ کر کرو، جس قدر سادگی سے شادی ہوگی اور سنت کا جس قدر خیال ہوگا ان شاء اللہ اس نکاح میں اسی قدر برکت ہوگی۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کتنے مالدار صحابی ہیں، جب مدینہ منورہ آئے تو خالی ہاتھ تھے، مگر اللہ نے ایسی برکت دی کہ روایتوں میں آتا ہے کہ ان کی چار بیویاں تھیں، اور شریعت میں میت کی ایک بیوی ہو یا چار بیویاں، ان کو آٹھواں حصہ ملتا ہے جب کہ میت کی اولاد ہو۔ (جب ان کا ترکہ تقسیم ہوا تو ایک ایک بیوی کو اسّی اسّی ہزار درہم ملے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ترکہ سولہ حصوں پر تقسیم ہوا، اور ہر بیوی کے حصہ میں دو دو لاکھ درہم آئے۔ اندازہ لگاؤ کتنا مال ہوگا! ان کے دسترخوان پر ہزاروں آدمی کھاتے تھے۔ (مظاہر حق جدید: ۵/ ۷۵۳)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نکاح:-

آپ نے شادی کی، رسول اللہ ﷺ کو دعوت بھی نہیں دی، اتنی سیدھی سادی شادی کی، شادی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں تشریف لائے، کپڑوں پر پیلا دھبہ تھا، جو عموماً عورتیں لگایا کرتی تھیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا: میں نے شادی کرلی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: أولم ولو بشاة، ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے ہو۔

برکت والا نکاح:-

ولیمہ سنت ہے، آج ولیمہ کی سنت ختم ہو رہی ہے۔ شادی میں کتنا دھوم دھاکہ اور کتنا خرچ کرتے ہیں، ۵۰/جوڑ کپڑے، ۵۰/تولہ سونا، گویا اب تو لڑکے اور لڑکی کو بیچتے ہیں۔ شادی گویا ایک کاروبار ہوگئی ہے۔ اور کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اگر مطالبہ پورا نہیں کیا جاتا تو رشتہ توڑ دیتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ نکاح لڑکے یا لڑکی سے نہیں ہو رہا ہے، مال اور دولت، سونے اور چاندی سے ہو رہا ہے۔ مال و دولت، سونا اور کپڑے مطلوب ہیں یا لڑکا اور لڑکی؟ اگر دیندار لڑکا یا لڑکی مطلوب ہے تو پھر یہ مال کے مطالبے کیسے؟ اور وہ بھی اس طرح کہ مطالبہ پورا ہوگا تو نکاح ہوگا ورنہ رشتہ ختم۔- إنا لله وإنا إليه راجعون-

آج ہمارے ان رواجوں نے ہزاروں لڑکوں اور لڑکیوں کو نکاح کی نعمت سے محروم کر رکھا ہے، اور ان کی زندگیاں برباد ہو رہی ہیں۔ جوانی ختم ہو رہی ہے اور گناہوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ شیطان کو خوش کر رہے ہیں اور رحمٰن کو ناراض کر رہے ہیں۔ اللہ ہم کو اور امت کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ جہیز کی اور مطالبوں کی لعنت ختم ہو اور سادگی کے ساتھ نکاح کا وجود ہو۔ خدا کی قسم! سادگی والے نکاح میں اللہ پاک نے بہت برکت رکھی ہے۔ کر کے تو دیکھو! آپ

کوخود اندازہ ہوگا، کس قدر برکت ہوتی ہے اور کتنی آسانی سے نکاح ہو جاتا ہے۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

خدا کی قسم کھا کر کہو: قیامت میں کیا جواب دو گے؟

قرآنِ کریم نے یہودیوں کا عقیدہ بیان فرمایا: نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ، بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ الحمدللہ! اب مسجد میں تو نکاح ہوتے ہیں ورنہ پہلے ہال میں ہوتے تھے، لیکن جس طرح مسجد میں نکاح کرتے ہیں اور ایک سنت پر عمل کرتے ہیں، تو بعد کی تمام محفلیں بھی ایمانی ہونی چاہئیں۔ ہال میں نکاح ہونے میں ایک خرابی یہ ہے کہ دھوم دھام چالو رکھتے ہیں۔ بعض لوگ ہم مولویوں کو دیکھ کر بند کر دیتے ہیں، اور بعض تو اس کا بھی خیال نہیں کرتے۔ ایک مرتبہ ہم نکاح پڑھانے گئے، وہاں پہنچ کر دیکھا دھوم دھام اور شور شرابہ لگا ہوا ہے، تو ہم نے کہا: کم از کم اس گانے کو تو بند کرو، نکاح تو خدا کے نام سے کرو، رسول اللہ ﷺ کی ایک سنت پر عمل کرتے ہو تو نکاح کے وقت تو اس کو بند کرو۔ میں نے اس کے والد سے کہا، تو والد نے کہا: بچے مانتے نہیں ہیں، میں نے کہا: خدا کی قسم کھا کر کہو، قیامت میں کیا جواب دو گے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بھی یہی جواب دو گے؟ قرآن کہتا ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

بڑے پیر صاحب فرماتے ہیں:-

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ نکاح مسجد میں سادگی سے کر لیتے ہیں، بعد میں مخصوص پارٹیاں رکھتے ہیں، مثلاً: آج مہندی پارٹی رکھی، اور پھر اس میں جو خرافات ہوتی ہیں اور جو خرچ ہوتے ہیں الامان والحفیظ! بڑے پیر صاحبؒ فرماتے ہیں: میں لوگوں کے خرچ دیکھ کر معلوم کر لیتا

ہوں کہ کیسے مال کا مالک ہے، جائز کمائی جائز جگہ پر خرچ ہوتی ہے اور ایسا ویسا جو حرام مال ہوتا ہے تو خرچ بھی بُری جگہ پر ہوتا ہے۔

ایک جگہ کے متعلق سنا کہ سو آدمیوں کی دعوت میں ۱۰ / ہزار پاؤنڈ خرچ کیے، حالانکہ کتنے مسلمان بھوکے پیاسے ہیں؟ کشمیر میں دیکھو! افغانستان میں دیکھو! دوا علاج کے پیسے نہیں ہیں، اگر آپ کسی مسلمان غریب مسکین اور فقیر کو اور کسی مسجد اور مدرسہ میں نہیں دیتے تو نہ دیں، مگر اپنے رشتہ داروں میں جو غریب ہیں ان کو تو دو، اور نہیں تو کم از کم ان بیٹے بیٹیوں کو جو آپ کے رشتہ داروں میں غریب ہیں اور نکاح کرنا چاہتے ہیں ان کو دے دو کہ آپ کی مدد کی بدولت ان کے گھر بس جائیں۔

ایک عجیب واقعہ:-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ تم سے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا، تاکہ اس کو اپنے کام میں لائے۔ اتفاقاً جس نے زمین خریدی تھی اس نے اپنی خرید کردہ زمین میں ایک گھڑا پایا جس میں سونا بھرا ہوا تھا، اس نے زمین بیچنے والے سے کہا: تم اپنا یہ سونا لے لو، کیوں کہ میں نے تم سے صرف زمین خریدی تھی، یہ سونا میں نے نہیں خریدا تھا جو اس زمین میں ہے، اس لیے یہ سونا بھی تمہارا ہی ہے، اسے تم ہی اپنے پاس رکھو۔ مگر خریدار اس پر تیار نہیں ہوا، یہاں تک کہ دونوں اپنا معاملہ (case) ایک شخص کے پاس لے گئے، اس حاکم نے واقعہ کی تفصیل سن کر ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کے یہاں اولاد کیا ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: میرے یہاں لڑکا ہے، دوسرے نے کہا: میرے یہاں لڑکی ہے، حاکم (قاضی) نے یہ سن کر فیصلہ دیا کہ اس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کر دو، اور اس سونے کو ان دونوں پر خرچ کرو، اور پھر جو کچھ بچے

اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کردو۔ (متفق علیہ، مشکوۃ شریف: ۱/ ۲۵۰)

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ حضرت داود علیہ السلام کے زمانے کا ہے، ان دونوں حضرات نے جن کو اپنا حکم بنایا تھا وہ خود حضرت داود علیہ السلام تھے۔ چنانچہ داود علیہ السلام نے اتنا بہترین فیصلہ صادر فرمایا جو کمالِ ذہانت وذکاوت کا ثبوت ہے، ایسا معتدل ومعقول فیصلہ دیا جو نبوت ہی کا خاصہ ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۳/ ۱۱۹)

یہی پیسہ بچا کر غریب کا نکاح کردو:-

تو شریعت کہتی ہے: خوشی مناؤ مگر سادگی کے ساتھ مناؤ، سو پاؤنڈ میں بھی نکاح ہوجاتا ہے، مگر ہمارے کتنے پاؤنڈ بے مقصد خرچ ہوجاتے ہیں، اگر یہی پیسے بچا کر ان سے کسی غریب کا نکاح کردیں تو آخرت میں اجر کا مستحق ہوجائے گا۔

غم کے موقع پر قدرتی رونا اللہ کی رحمت ہے:-

دوسرا موقع غمی کا، موت میت کا: اس میں بھی اکثر لوگ شریعت کے خلاف کرتے ہیں۔ شریعت نے صبر کی تعلیم دی ہے، دھاڑیں مار کر اور گا گا کر رونے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں! قدرتی رونا آئے تو اس سے شریعت نے منع نہیں کیا۔ آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے تو رونے سے منع فرمایا ہے اور آپ خود رو رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ تو اللہ کی رحمت ہے، لیکن آواز نکال کر رونا، گریبان پھاڑنا، نوحہ کرنا اور محاسن یاد کر کے رونا یہ سب منع ہے۔

تجہیز وتکفین میں جلدی کرو:-

جنازہ تیار ہو تو تدفین میں جلدی کرو، اِس کا اور اُس کا انتظار نہ کرو۔ جمعہ کو انتقال ہوا، تو

اگر ہوسکے تو جمعہ سے قبل ہی دفن کردو۔ حضورِ اقدس ﷺ کی سنت ادا کریں گے، اللہ تعالیٰ اس سنت کے صدقہ میں ان شاء اللہ بڑی رحمت کا معاملہ فرمائیں گے۔ اب مرحوم کے انتقال کے بعد اس کے پورے مال وملکیت میں وراثت کا مسئلہ جاری ہوگا۔

وراثت میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ مرحوم کے وارثوں میں تمام ورثہ کا حق ہوجاتا ہے، اب کچھ بھی کرنا ہو تو تمام وارثوں کی اجازت کی ضرورت ہوگی، اور اگر وارثوں میں چھوٹے بچے ہوں تو مسئلہ اور نازک ہوجاتا ہے۔ نابالغ تو اگر اجازت بھی دے دے تو بھی اس کی اجازت معتبر نہیں۔

ایصالِ ثواب سنت طریقہ کے مطابق کرو:-

اب مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کرنا ہے، تو سنت طریقہ کا خیال رکھیں۔ ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں مسئلہ سمجھو! ایصالِ ثواب منع نہیں ہے بلکہ کرنا چاہئے، ہم بھی کہتے ہیں کہ ضرور کرو، اب مرحوم کے ساتھ اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو یہی ایصالِ ثواب اور دعاءِ مغفرت ہے، اور الحمد للہ! شریعت میں اس کے اندر بہت وسعت ہے، عبادتِ بدنی یا عبادتِ مالی ہر ایک کا ایصالِ ثواب کرسکتے ہیں۔ نماز پڑھ کر بھی ایصالِ ثواب کرسکتے ہو، کھانا کھلا کر بھی کرسکتے ہو۔ اعمال میں نیت کو بڑا دخل ہے، جس قدر اخلاص اور سنت طریقہ کے مطابق عمل ہوتا ہے اس میں روح ہوتی ہے، اللہ رب العزت کے یہاں مقبول ہوتا ہے اور اس پر اجر وثواب مرتب ہوتا ہے۔ دکھاوا، شہرت، ناموری یا محض رسم کی پابندی مقصود ہو تو ایسی صورت میں وہ عمل عنداللہ مقبول نہیں ہوتا اور اجر وثواب نہیں ہوتا، جب اجر وثواب ہی نہ ملا تو ایصالِ ثواب کس طرح ہوگا؟

شریعت نے ایصالِ ثواب کو بہت آسان کیا ہے:-

اور ایصالِ ثواب کے لیے کھلانا ہے تو اس کے اصل حقدار مساکین ہیں، ان کو کھلانا

چاہئے، اور وہ بھی صرف اللہ کے لیے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾ وہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں مسکین کو، یتیم کو، قیدی کو صرف اللہ کی محبت پر۔ اور ان کا حال یہ ہوتا ہے: ﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾ ہم تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں، اس پر نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

یہاں ہم بیٹھے ہیں، کوئی محتاج آجائے اور کہے: کھانا کھلا دو، آپ نے خاموشی سے پانچ دس پاؤنڈ دے دئے کہ جاؤ! اس سے کھانا کھالو، اور دل میں نیت کرلی کہ اس کا ثواب اللہ پاک میرے والد مرحوم کو پہنچا دے، ان شاء اللہ آپ کے والد مرحوم کو اس کا پورا پورا ثواب پہنچ جائے گا اور آپ کے ثواب میں کمی بھی نہ ہوگی۔ شریعت نے ایصالِ ثواب کو اس قدر آسان کیا ہے، نہ اس کے لیے کوئی تاریخ مقرر کی، نہ وقت مقرر کیا، لیکن ہم نے تاریخ مقرر کردی۔ کوئی کھانا کھلانا شریعت نے مقرر نہیں کیا، آسانی سے جو چیز دے سکتے ہو وہ دے دو، لیکن اس میں بھی ہم نے رسم ورواج کو داخل کردیا ہے۔ پھر یہ کہ حقداروں کو نہیں، سگے والے ہی مل کر سب کھالیتے ہیں، گویا دعوت کردی ہے۔ تو اس سے ایصالِ ثواب کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔

عمل مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں:-

بات سمجھو! ایصالِ ثواب کرنے سے انکار نہیں ہے، ایصالِ ثواب ضرور کرو مگر صحیح طریقہ سے کرو۔ نہ ایام کی تعیین ہو، نہ کھانے کی تخصیص ہو، کچھ بھی کھلا دو اور کبھی بھی کھلا دو۔ بیمار کو دوا دلا دی اور اس میں ایصالِ ثواب کی نیت کرلی تو ان شاء اللہ ثواب پہنچ جائے گا۔ کسی کو کپڑے کی ضرورت ہے، آپ نے اس کو کپڑا یا سویٹر دلا دیا، گرم شال دلا دی، گرم کوٹ دے دیا اور اس میں اپنے مرحوم والدین کے ایصالِ ثواب کی نیت کرلی تو ان شاء اللہ ثواب پہنچے گا اور بہت بڑی مقدار

میں پہنچے گا۔ آپ کے خاموشی کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ (خاموشی اور اخلاص کے ساتھ) دینے میں جو ثواب ہے، وہ دھوم دھام میں، شہرت اور ناموری کی چیزوں میں نہیں۔ ایسے موقعوں کی تلاش میں نہ رہو کہ جہاں شہرت ہو، ناموری ہو، بلکہ ان چیزوں کی مذمت کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوجائے اس کی کوشش کرو، اور اللہ کے یہاں قبولیت دو چیزوں سے ہوتی ہے: ایک یہ کہ جو بھی عمل کرو صرف اللہ کے لیے کرو، پورے اخلاص کے ساتھ کرو، اور دوسرا یہ کہ حضورِ اقدس ﷺ کے طریقہ اور سنت کے مطابق کرو، ان شاء اللہ وہ عمل مقبول ہوگا۔ یہ دو چیزیں کسی بھی عمل کے مقبول ہونے کی شرط ہیں۔

وارث میں نابالغ بچہ ہوتو......:-

بہت سے لوگ والد کے انتقال کے بعد بہن کا حصہ ادا نہیں کرتے، حالانکہ بہن کا بھی حق ہے۔ جو شادی بیاہ میں دیا تھا وہ بخشش ہے، اس سے اس کا وراثت کا حق ختم نہیں ہوتا۔ یا تو باپ سے کہہ دو کہ شادی میں پچاس تولہ زیور مت دو، ورثہ میں جو حق ہوگا وہ ہم دے دیں گے۔ ترکہ کی تقسیم بہت ضروری ہے اور وہ بھی شریعت کے مطابق، اپنی مرضی سے نہیں۔ شریعت کا اصول ہے کہ جب ترکہ تقسیم ہوگا تو لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ یعنی لڑکے کا آدھا حصہ۔ اگر لڑکے کو مثلاً ایک پاؤنڈ ملتا ہو تو لڑکی کو پچاس پینی ملے گی۔ لیکن اگر والد اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو کچھ دے تو وہ ہبہ اور بخشش ہے، اور ہبہ کا قانون یہ ہے کہ سب کو برابر ملے گا، لڑکے اور لڑکی کا برابر حصہ ہوگا۔ اگر مرحوم کے وارثوں میں نابالغ بچے ہوں تو ایسی صورت میں مسئلہ نازک ہوتا ہے، اس وقت مرحوم کے مال میں بہت احتیاط کرنا پڑتی ہے۔ نابالغ بچے اگر تصرف کی اجازت بھی دے دیں تو ان کی اجازت شریعت میں معتبر نہیں ہوتی، ایسی صورت میں اگر مرحوم کا مال استعمال کریں گے تو یتیموں کا مال استعمال کرنا لازم آئے گا۔ قرآن اس سے بہت سختی سے منع کرتا ہے،

قرآن کہتا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا﴾ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں ظلم سے وہ لوگ اپنے پیٹ میں آگ داخل کر رہے ہیں، وہ لوگ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں اگر مرحوم کے مال میں سے ایصالِ ثواب کرنا ہے تو پہلے ترکہ تقسیم کرو، پھر جس بھائی اور بہن کو ایصالِ ثواب کرنا ہے وہ اپنے حصہ میں سے کرے۔

رسم مٹانے کی عجیب تدبیر:-

حضرت تھانویؒ نے اپنے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ میرٹھ میں ایک بہت بڑے مالدار آدمی کا انتقال ہوگیا، اس کے رشتہ دار جمع ہو گئے، ان کا لڑکا بڑا سمجھ دار تھا اور ان چیزوں کو سمجھتا تھا، اس نے سوچا کہ اگر میں پہلے سے یہ مسئلہ بیان کروں گا تو مجھ پر فتویٰ لگ جائے گا کہ یہ وہابی ہے، اس لیے پہلے تو اس نے کچھ نہیں کہا، کھانا وغیرہ تیار کروایا۔ اب دستر خوان لگ گیا، رشتہ دار کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھ گئے، وہ نوجوان آیا اور کہنے لگا: تم کو شرم نہیں آتی؟ میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے، اور تم کھانے بیٹھ گئے، میرے دل و دماغ پر رنج و غم کا پہاڑ ہے باپ کا سایہ اٹھ جانے کی وجہ سے، اور آپ حضرات بڑے مزے لے لے کر کھانے بیٹھ گئے! جتنے رشتہ دار اور دوست واحباب تھے سب غصہ ہو کر دستر خوان سے اٹھ گئے کہ ہماری توہین کی۔ اس کے بعد وہ نوجوان گیا اور غرباء اور فقراء کو بلا لایا، اور ان سے کہا کہ کھاؤ اور خوب سیر ہو کر کھاؤ! سب نے کھا کر دعا دی۔ بعض رشتہ دار عقلمند تھے، کہنے لگے: اس نے بڑی عجیب تدبیر کی اور اس نے بہت اچھا کام کیا، اور اس کے بعد سب نے مشورہ کر کے اس رسم کو بند کر دیا۔ اس کے بعد رشتہ داروں نے اس نوجوان سے کہا: جب تجھے کھانا کھلانا نہیں تھا تو ہمیں رسوا کیوں کیا؟ شروع ہی سے ہمیں بتا دیتا؟ نوجوان نے کہا: اگر تم جمع نہ ہوتے اور میں کھانا تیار نہ کرتا اور اس سے قبل

میں تم کو انکار کر دیتا تو تم کہتے کہ کھلانے سے ڈر گیا، اور کھانا کھلانے کے ڈر سے ایسا کر رہا ہے۔

خلاصۂ کلام:-

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور پورے طریقے پر اس پر عمل کرو۔ اس وقت میں نے صرف خوشی اور غمی پر جو اصلاح کی باتیں تھیں بیان کیں، ورنہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ دین کے تمام شعبوں میں اسلام کی تعلیم پر عمل کرو۔ جس شعبہ کے مسائل آپ سے متعلق ہوں ان مسائل کو علماء کرام سے پوچھو اور ان کو سمجھو، اور ان پر عمل کی توفیق اللہ سے مانگو۔

اللہ تعالی ہم سب کو عمل کی توفیق عنایت فرمائیں، اور ہم سب کو ان اعمال پر استقامت اور حسنِ خاتمہ نصیب فرمائیں، اور ہم سب سے راضی ہو جائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

مسلمانوں کی صفات قرآن کے آئینے میں

(۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله وحده، والصلوة والسلام على من لانبي بعده، وعلى آله وأصحابه وأتباعه أجمعين وبارك وسلم تسليما كثيرا. أمابعد: فأعوذبالله من الشيطن الرجيم،بسم الله الرحمن الرحيم:﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا.﴾

آیت کا شان نزول:-

بزرگان محترم! اس آیتِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی چند صفات بیان فرمائی ہیں، اور جو مرد وعورت اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرے گا ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا شانِ نزول بعض مفسرین کرام نے یہ بیان فرمایا کہ حضرت ام سلمہؓ نے سوال کیا تھا۔ اور بعض مفسرینِ کرام نے یہ بیان فرمایا کہ حضرت اسماء بنت یزید انصاریؓ حضور اقدس ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں عورتوں کی طرف سے قاصد بن کر

آئی ہوں کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کا ذکر فرمایا ہے، جگہ جگہ ﴿ یایھا الذین اٰمنوا ﴾ سے خطاب فرمایا ہے، اگرچہ اس کے ماتحت عورتیں بھی داخل ہیں مگر مخصوص طور پر عورتوں کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس پر مذکورہ آیتِ پاک نازل ہوئی۔

صحابیات کا دینی ذوق وشوق:-

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید ؓ نے اور بھی بعض سوالات کیے، مثلاً: مرد جہاد میں شریک ہوتے ہیں، جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں، جنازہ میں شریک ہوتے ہیں، بیماروں کی عیادت کرتے ہیں، حج پر حج کرتے ہیں، جماعت کی نماز میں شریک ہوتے ہیں، اور ہم عورتیں گھروں میں گھری رہتی ہیں، ان کے مالوں کی حفاظت کرتی ہیں، ان کی اولاد کو پالتی ہیں۔ اے اللہ کے رسول! ہم مردوں کے ساتھ ان اعمال کے ثواب میں شریک ہوں گی یا نہیں؟ حضور اقدس ﷺ یہ سن کر صحابہ ؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: کیا تم نے دین کی فکر اور آخرت کے بارے میں اس عورت سے بہتر کوئی سوال کرنے والا سنا ہے؟ غور کرو! ان عورتوں کے دل میں بھی دین کی کتنی فکر ہے اور اجر وثواب کا کس قدر شوق ہے۔ آج ہماری ماؤں بہنوں کو کپڑوں کا شوق ہوتا ہے، زیور کا شوق ہوتا ہے، دنیا کی زیب وزینت، گھر میں عمدہ سے عمدہ فرنیچر کی فکر ہوتی ہے، اور ان سب چیزوں میں ایک دوسرے کی ریس اور آگے بڑھنے کی فکر کرتی ہیں، اور صحابیات کا شوق دیکھیے! کس چیز کا شوق ہے؟ اللہ ہماری عورتوں کو بھی ایسا دینی ذوق اور شوق عطا کرے، اور صحابیات ؓ کا نمونہ بنائے۔

تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے اس عورت سے بہتر کوئی سوال کرنے والا سنا؟ صحابۂ کرام ؓ نے عرض کیا: ہم کو تو اس کا خیال بھی نہ تھا کہ عورت بھی ایسا سوال کرسکتی ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ حضرت اسماء ؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ غور سے سن اور میری

بات کو سمجھ، اور جن عورتوں نے تجھ کو یہ سوال لے کر بھیجا ہے ان کو جا کر بتا دے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ اپنے شوہر کے ساتھ اچھا سلوک کرتی ہے، اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرتی ہے، اس کو ناراض نہیں کرتی، اس کو خوش کرنے کی فکر میں رہتی ہے، اور ان اعمال پر اس کا تعاون اور مدد کرتی ہے، رکاوٹ نہیں بنتی، وہ اپنے شوہر کے ساتھ ان تمام اعمال کے ثواب میں برابر شریک رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ گھر بیٹھے ان تمام اعمال کا ثواب اس کو عطا فرماتے ہیں، ان کو گھر بیٹھے جہاد کا، حج کا، تبلیغ کا، جنازوں میں شرکت کا، مریضوں کی عیادت کا ثواب ملتا ہے۔ (جامع المسانید والسنن: ۱۵/ ۲۹۰)

سبحان اللہ! کیا بشارت ہے عورتوں کے لیے اور کس قدر آسانی ہے ہماری ماؤں بہنوں کو! اللہ تعالیٰ اس کی قدر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، اور دین کا شوق وذوق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

اس عورت کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں:-

بھائیو اور دوستو! آپ حضرات میرے سامنے یہاں جو وزرائے خارجہ (شوہر صاحبان) تشریف فرما ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ اپنی اپنی وزیرِ داخلہ (بیویاں) کو اس حدیث کا مفہوم سنادیں-عن أنس ﷺ قال:قال رسول اللهﷺ: المرأة إذا صلت خمسها وصامت شهرها وأحصنت فرجها وأطاعت بعلها فلتدخل من أي أبواب الجنة شاءت (رواہ ابونعیم فی الحلیۃ: ۶/ ۳۰۸) جو عورتیں پانچ وقت کی نماز پڑھیں اور رمضان کے روزے رکھیں اور اپنے شوہر کی اطاعت کریں اور اپنی عصمت وعزت کی حفاظت کریں تو ایک روایت میں ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازے ایسی عورت کے لیے کھل جاتے ہیں، وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔ اللہ اکبر! (مشکوۃ شریف: ۲/ ۲۸۱)

فرشتے، درندے، مچھلیاں دعا کرتی ہیں:-

معارف القرآن میں مفتی شفیع صاحبؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جو عورت یہ چار کام کرلے تو آسمان پر فرشتے اور جنگل کے درندے اور سمندر کی مچھلیاں اس عورت کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔ تو عورتوں کے لیے مسئلہ کتنا آسان ہوگیا، گھر بیٹھے بٹھائے ان ثوابوں کو حاصل کریں، جبکہ مردوں کو اس وقت ثواب ملے گا جب وہ جہاد میں جائیں، مجاہدے کریں، جماعتوں میں نکلیں، جمعہ کے لیے جاویں، جماعت کے لیے مسجد میں پہنچیں، جنازوں میں شرکت کریں، قبرستان جائیں۔ سردی میں یہ تمام بڑے مجاہدے ہوتے ہیں۔ تو مرد حضرات مجاہدوں میں مشغول ہوکر ثواب حاصل کرسکتے ہیں، مگر عورتیں اپنے اپنے مکانوں میں آرام وراحت کے نقشوں میں بیٹھے بیٹھے بھی یہ فضائل اور درجات کما سکتی ہیں۔ (معارف القرآن-بحوالہ بحر محیط-)

ایمان کی تعریف:-

آمدم برسر مطلب! میں نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت کی تھی: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ﴾ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، ﴿وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں۔ اب ذرا سا ہم یہ سمجھ لیں کہ ایمان کیا ہے اور اسلام کیا ہے؟ لغوی اعتبار سے ذرا سا فرق ہے، لیکن اصطلاحی معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ایمان کی تعریف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو ہدایات اور تعلیمات لے کر آئے ہیں ان سب کو یقینی طور پر دل سے سچا ماننا، دل سے تصدیق کرنا۔ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ جو بہت بڑے محدث ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے علوم سے نوازا تھا، انہوں نے فرمایا ہے: ایمان صرف جان لینے کا نام نہیں ہے، بلکہ ایمان مان لینے کو کہتے ہیں۔ ایک ہے جاننا اور ایک ہے ماننا،

دونوں میں فرق ہے۔ ایک چیز کو آپ جانتے ہیں مگر مانتے نہیں تو یہ ممکن ہے۔ بس اب سمجھیے! ایمان جاننے کا نام نہیں ہے، مان لینے کا نام ہے۔

دیکھو! اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وہ آپ کو ایسا جانتے (اور پہچانتے) ہیں جیسا اپنی اولاد کو جانتے ہیں۔ بلکہ اپنی اولاد سے زیادہ حضور ﷺ کو پہچانتے تھے، لیکن حضور ﷺ کو مانتے نہیں تھے، تو کیا صرف جاننے اور پہچاننے سے وہ مؤمن ہو گئے؟ ہرگز نہیں! اللہ جل جلالہ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ یعنی وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے یعنی یہود و نصاریٰ، ﴿ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ وہ اس کو یعنی پیغمبر ﷺ یا قرآن کریم کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں، ﴿ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ ﴾ اور بے شک ان میں ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے، ﴿ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ جب کہ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ پیغمبر محمد ﷺ اور قرآن پاک کو بیٹوں کی طرح جاننے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بیٹا گود میں ہونے کی وجہ سے اس پر شک نہیں گزرتا اسی طرح اہل کتاب حضور ﷺ کو اپنی کتابوں میں موجود نشانیوں سے پہچانتے ہیں کہ یہ آخری نبی ہیں، مگر تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے کہ مجھے اپنے بیٹے کے متعلق شک ہوسکتا ہے کہ شاید اس کی ماں نے خیانت کی ہو مگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کی باتوں پر تردد و شک نہیں ہوسکتا ہے۔

﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾، یہ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے، ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ آپ شک اور تردد کرنے والوں میں نہ ہوں۔ (معالم العرفان: ۲/ ۵۴)

اسی طرح ابولہب اور ابوجہل وغیرہ بھی آپ ﷺ کو جانتے تھے مگر مانتے نہ تھے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ایمان ماننے کا نام ہے، صرف جاننے کا نام نہیں ہے۔ اس کو ہم اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے، یعنی دل سے ان تمام چیزوں کو سچا مان لینا جو رسول اللہ ﷺ لائے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں اور جو وعدے بیان فرمائے ہیں اور جتنی چیزوں کا تعلق مغیبات سے ہے، جو چیزیں ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی ہیں، مثلاً: جنت و دوزخ، قیامت، فرشتے وغیرہ ان تمام چیزوں کو دل سے مان لینا اور ان تمام کی تصدیق کرنا، اس کا نام ایمان ہے۔

اسلام کی تعریف:-

اور اسلام کہتے ہیں: فدا ہو جانا، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا، سپرد کر دینا، (surrender) کر دینا سرِ تسلیم خم کر دینا۔ ع

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے اپنے آپ کو مکمل طور پر جھکا دینا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، فرمانبردار ہونا، خلاصہ یہ کہ انسان اپنی ذات کو، اپنے اعمال کو، اپنی زندگی کو، اپنی خواہشات کو، اپنے جذبات کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے آگے جھکا دے، اور اپنے اعضاء و جوارح سے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے، یہ ہے اسلام۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے ایک جگہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ﴾، اس وقت کو یاد کرو جب کہ ان

سے یعنی ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب نے فرمایا: اَسْلِمْ، اے ابراہیم! تم مطیع ہو جاؤ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ میں رب العالمین کا مطیع ہو گیا، میں نے اپنی ذات کو رب العالمین کے حوالے کر دیا۔

ایمان واسلام میں فرق:-

لغت کے اعتبار سے یہ ذرا سا فرق ہے کہ ایمان کا تعلق قلب اور دل سے ہے اور اسلام کا تعلق ظاہری اعضاء و جوارح سے ہے۔ یعنی دل سے مان لینے کا نام ایمان ہے اور ظاہری اعضاء و جوارح سے عمل کرنے کا نام اسلام ہے۔ محدثِ کبیر حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایمان اور اسلام کی مسافت ایک ہے، فرق صرف ابتداء اور انتہاء میں ہے۔ ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہری عمل پر پہنچ کر مکمل ہوتا ہے، اور اسلام ظاہری عمل سے شروع ہوتا ہے اور قلب پر پہنچ کر مکمل ہوتا ہے۔ اگر تصدیقِ قلبی ظاہری اقرار اور اطاعت تک نہ پہنچے تو وہ ایمان معتبر نہیں، اسی طرح اگر ظاہری اطاعت اور اقرار تصدیقِ قلبی تک نہ پہنچے تو وہ اسلام معتبر نہیں۔ (معارف القرآن: ۱/ ۱۱۲)

شرعی اصطلاح میں ایمان اور اسلام ایک ہیں:-

یہ لغت کے اعتبار سے ذرا سا فرق ہوا، اور قرآن وحدیث میں اسی لغوی مفہوم کے اعتبار سے ایمان اور اسلام کے فرق کا بھی ذکر ہے۔ لیکن شریعت میں ایمان اسلام کے بغیر معتبر نہیں اور اسلام ایمان کے بغیر معتبر نہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دل میں تصدیق کر لینا اس وقت تک معتبر نہیں جب تک زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت وفرماں برداری کا اقرار نہ کرے، اسی طرح زبان سے تصدیق کا اظہار یا فرماں برداری کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں

جب تک دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے پاک رسول ﷺ کی تصدیق نہ ہو۔ دونوں ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں، اور قرآن مجید میں ایمان والوں کو مسلمان کہا ہے، اور مسلمانوں کو مؤمن بھی کہا ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی تراویح میں سنا: ﴿فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾، یہاں مؤمنین اور مسلمین سے وہی لوگ مراد ہیں جو حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لائے، تو اس آیت میں ایمان والوں کو مسلمان بھی کہا اور مسلمان کو ایمان والا بھی کہا۔

کامل اسلام اور کامل ایمان کیا ہے؟

بزرگو اور دوستو! اب سمجھو ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں۔ اور یہاں مسلمان اور مؤمن سے مراد کامل مسلمان مرد اور کامل مسلمان عورتیں، کامل مؤمن مرد اور کامل مؤمن عورتیں ہیں۔

کامل اور حقیقی معنیٰ میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مؤمن مرد اور عورتیں کون ہیں؟ قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کامل اور حقیقی معنی میں مسلمان اور مؤمن مرد وعورتیں وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے خواہ وہ عقائد کے قبیل سے ہوں یا اعمال کے قبیل سے، چاہے وہ ایسے اعمال ہوں جن کو کرنا ہے، جیسے: نماز، روزہ، حج، زکوۃ، سچ بولنا، امانت داری اختیار کرنا، صلہ رحمی کرنا، حسنِ اخلاق اختیار کرنا وغیرہ، اور چاہے وہ ایسے اعمال ہوں جن کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے، جیسے: زنا نہ کرنا، بدنظری نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، غیبت نہ کرنا، ظلم نہ کرنا، قطع رحمی نہ کرنا وغیرہ، ان تمام پر اچھے طریقے پر عمل کرنے والا ہو، ایسے لوگوں کے لیے

مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عمل کرنے والے تھے:-

بزرگو! ابھی عرض کیا تھا کہ ایمان اور اسلام میں لغت کے اعتبار سے ذرا سا فرق ہے، ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اسلام کا تعلق اعضاء وجوارح سے ہے، اور حدیث میں بھی اسی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ چناں چہ ایک حدیث ہے جس کا نام "حدیثِ جبرئیل" ہے، اور یہ بہت مشہور حدیث ہے۔ علماء نے لکھا ہے: اس حدیث کی حیثیت ومقام ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں سورۂ فاتحہ کی ہے، سورۂ فاتحہ پورے قرآن کریم کا خلاصہ ونچوڑ ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عمل کرنے والے تھے، خواہ مخواہ بال کی کھال نکالنا ان کی عادت نہ تھی، عمل کرنا ان کی شان تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم زیادہ سوال نہ کرتے تھے اور ان کو سوال کرنے سے روک دیا گیا تھا، قرآن میں ہے: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾، اے ایمان والو! ایسے سوال نہ کیا کرو کہ اگر وہ چیزیں ظاہر کردی جائیں تو تم کو بُرا لگے اور بے جا مشقت میں پڑ جاؤ۔

آیت کا شانِ نزول:-

کیوں کہ وہ وحی کے نزول کا زمانہ تھا، ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر مالدار پر حج فرض ہے، تو حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ صرف اس سال کے لیے ہے یا ہر سال حج فرض ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جتنا کہا جاتا ہے اس پر عمل کرو، اگر میں کہہ دیتا کہ ہر سال حج فرض ہے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا، اس پر یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ڈر گئے، وہ سوال نہ کرتے تھے اور ان کو اس کا

انتظار رہتا تھا کہ کوئی دیہاتی اور اعرابی آکر آپ ﷺ سے سوال کرے۔

اعرابی سیدھے سادے اور بھولے بھالے لوگ ہوتے ہیں، مجلس کے آداب سے وہ زیادہ واقف نہ تھے، لیکن مخلص ہوتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ سے سوال کرتے، آپ ﷺ کو ان سے کچھ بھی ناگواری نہ ہوتی تھی۔

دیہاتی بھولے بھالے ہوتے ہیں:-

حکیم الامت حضرت تھانویؒ جو بہت زبردست عالم ہیں، ان کی تقریباً ایک ہزار کتابیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے خوب کام لیا اور لوگوں کو ان کا فیض بہت پہنچا ہے۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی آپ کے پاس آیا اور پہچان نہ سکا، اس نے آپ سے پوچھا: اشرف علی کہاں ہے؟ فرمایا: میں اشرف علی ہوں، تو اس نے کہا: اچھا! تو اشرف علی ہے، تارے کو کہوں کہ میرے لونڈے کو تعویذ دے دے، اپنی سیدھی سادی بے تکلف زبان میں یہ بات کہہ دی، نہ ادب نہ القاب۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دیہاتی لوگ بڑے مخلص اور بھولے بھالے ہوتے ہیں۔

حدیثِ جبرئیل:-

تو صحابہ رضی اللہ عنہم بھی متمنی رہتے تھے کہ کوئی اعرابی (دیہاتی) آئے اور سوال کرے جس سے ہمیں بھی کچھ سیکھنے کا موقع ملے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضور ﷺ تشریف فرما تھے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی بابرکت مجلس میں حاضر تھے کہ ایک نوجوان آیا، شدید بياض الثياب، انتہائی سفید کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھا، شدید سواد الشعر، بال بہت سیاہ اور کالے تھے، لا يرى عليه أثر السفر، اس پر سفر کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا، ولا يعرفه منا أحد، اور عجیب بات یہ تھی کہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا نہیں تھا جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ

شخص مسافر ہے، مگر اس پر سفر کے کوئی آثار نہیں تھے، نہ کپڑوں پر دھول اور گرد وغبار تھی اور نہ کچھ تھکن کے آثار اس پر تھے، اور اس سے بھی عجیب بات یہ دیکھی کہ وہ نو وارد مسافر سیدھا حضور ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گیا، فاسند رکبتيه إلى ركبتيه ووضع كفيه على فخذيه، اور اپنے گھٹنے حضور ﷺ کے گھٹنے مبارک سے ملا دیے، اور اپنا ہاتھ حضور ﷺ کی ران مبارک پر رکھ دیا جیسے کہ بہت پُرانی دوستی ہو، اور آپس میں بے تکلف ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ان باتوں سے تعجب میں پڑ گئے۔

اسلام کیا ہے؟

اس کے بعد اس نو وارد نے حضور ﷺ سے سوال کرنا شروع کیا، وقال: يا محمد! أخبرني عن الإسلام اے محمد! مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الإسلام أن تشهدأن لا إله إلاالله وأن محمدا رسول الله وتقيم الصلوة وتؤتي الزكوة وتصوم رمضان وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلا، اسلام اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا، اگر بیت اللہ جانے کی استطاعت رکھتا ہے تو حج بیت اللہ کرنا۔ یہ پانچ چیزیں حضور ﷺ نے اسلام کی تعریف میں بیان فرمائیں، یہ سب اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق ظاہری اعضاء و جوارح سے ہے۔ اس کے جواب میں نو وارد شخص نے کہا: صدقت آپ نے صحیح فرمایا، فعجبنا له يسأله ويصدقه، صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: اس سے ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ خود حضورِ اقدس ﷺ سے سوال کر رہا ہے اور پھر خود ہی اس کی تصدیق بھی کر رہا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ مسائل پہلے سے

جانتا ہے۔

ایمان کیا ہے؟

پھر دوسرا سوال کیا: فأخبرني عن الإيمان مجھے ایمان کی حقیقت بتلایئے! ارشاد فرمائیں کہ ایمان کیا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وتؤمن بالقدر خيره وشره۔ حضور ﷺ نے اس جملہ میں ایمان کو بیان فرمایا کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانا اور اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا اور اللہ کے بھیجے ہوئے تمام رسولوں پر ایمان لانا اور آخرت کے دن پر ایمان لانا اور تقدیر پر بھی ایمان لانا، بھلی ہو یا بُری سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ تمام چیزیں ایمانیات میں سے ہیں اور ان تمام چیزوں کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو اسلام اور ایمان میں ذرا سا فرق ہے، اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے اور ایمان کا تعلق باطن سے ہے۔ پھر اس کے بعد اس سائل نے کہا: صدقت آپ نے سچ فرمایا اور بالکل صحیح ارشاد فرمایا۔

احسان کیا ہے؟

پھر احسان کے متعلق سوال کیا، قال: فأخبرني عن الإحسان، اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أن تعبد الله كأنك تراه ، فإن لم تكن تراه فإنه يراك، احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ رہے ہو تو پھر اس بات کا استحضار رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہے ہیں۔ اپنی عبادت میں اللہ کا دھیان پیدا کرو، اس میں جس قدر آگے بڑھو گے صفت احسان تم کو

حاصل ہوگی۔

قیامت اور علاماتِ قیامت:-

پھر قیامت کے متعلق سوال کیا، قال: فأخبرني عن الساعة، اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: قال: ما المسؤول عنها بأعلم من السائل قیامت کے بارے میں جتنا علم سائل کو ہے اتنا ہی علم مجھے ہے، یعنی اتنی بات یقینی ہے کہ قیامت آنے والی ہے، مگر کب آئے گی؟ اس کا تعین اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ علم صرف اللہ تعالی کو ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾۔

پھر سوال کیا: فأخبرني عن إماراتها، مجھے کچھ علاماتِ قیامت بتلایئے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: أن تلد الأمة ربتها وأن ترى الحفاة العراة العالة رعاء الشاء يتطاولون في البنيان، باندی اپنے سردار کو جنے گی۔ اس کے محدثینؒ نے کئی مطلب بیان کیے ہیں، ان میں سے ایک مطلب یہ ہے کہ اولاد اپنے ماں باپ کی نافرمان ہوگی، والدین کو ستائے گی۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، فقیر مسکین بکریاں چرانے والے کم حیثیت (جو اس کے اہل بھی نہیں ہیں) لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ بڑی بڑی عمارتوں پر فخر کریں گے، جن کے پاس رہنے کے لیے مکان نہیں ہوتے تھے، بدن پر صحیح طریقے پر کپڑے نہیں پہنتے تھے، اس قدر فقر و فاقہ تھا، بکریاں چرا کر گذر بسر کرتے تھے، مگر قیامت کے قریب وہ ایسے صاحبِ مال ہوں گے کہ بڑے بڑے بنگلے اور مکان بنائیں گے، اور اس پر ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

اس کے بعد وہ نو وارد سائل چلے گئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد حضور ﷺ نے راوی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: یا عمر! أتدري من السائل؟ اے عمر! تم جانتے ہو کہ وہ

سائل کون تھا؟ قلت: الله ورسوله أعلم، میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں-قال: فإنه جبرئيل أتاكم يعلمكم دينكم، حضور اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، تم کو تمہارے دین کی ضروری اور اہم باتیں سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔

یہ حدیث حدیثِ جبرئیل سے مشہور ہے، جس میں دین کی ضروری باتیں سوال جواب کے طریقے پر سکھائی گئی ہیں۔تو ان سب پر عمل کرنا ہے، مگر حال یہ ہے کہ ہم بعض باتوں پر عمل کرتے ہیں اور بعض باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن کامل مسلمان اور کامل مؤمن وہ ہے کہ تمام باتوں پر عمل کرے اور ذوق وشوق سے اور محبت سے عمل کرے۔ بوجھ سمجھ کر اور طبیعت کی گرانی کے ساتھ نہیں بلکہ اپنی سعادت سمجھ کر عمل کرے۔

کامل ایمان کی علامت:-

اس پوری آیت میں دس صفات کا ذکر ہے۔اس کے بعد جو آیت ہے اس میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو شخص مرد ہو یا عورت جب وہ ایمان لے آیا تو اس کا حال یہ ہونا چاہیے کہ جب اللہ اور رسول ﷺ ان کے کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو وہ اس فیصلہ کو قبول کرلیں، اس میں چوں وچرا اور پس وپیش نہ کریں۔ارشادفرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾۔

حضرت تھانویؒ نے اس آیت مبارکہ کا اس طرح ترجمہ کیا ہے: اور کسی ایمان دار مرد وعورت کو گنجائش نہیں جب کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا (گو وہ دنیا ہی کی بات کیوں نہ ہو وجوباً) حکم دے دیں کہ (پھر) ان مؤمنین کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار (باقی) رہے،

(یعنی اس اختیار کی گنجائش نہیں رہتی کہ خواہ کریں یا نہ کریں بلکہ عمل ہی واجب ہوجاتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ اور جو شخص (بعد وجوبی حکم کے) اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔

(سورۂ احزاب: پارہ ۲۲، رکوع ۲)

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾، قسم ہے آپ کے رب کی! یہ لوگ مؤمن نہیں بن سکتے جب تک کہ یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا ہو اس میں یہ لوگ آپ سے (اور آپ ﷺ نہ ہوں تو آپ کی شریعت سے) فیصلہ کرادیں، پھر (جب آپ فیصلہ کردیں تو) آپ کے فیصلے سے اپنے دلوں میں ذرہ برابر تنگی محسوس نہ کریں۔ ﴿وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ اور اس فیصلہ کو پورا پورا (ظاہر سے اور باطن سے) تسلیم کرلیں۔ (پ:۵، آیت:۶۵، سورۂ نساء)

اس آیتِ کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور حیثیت کو واضح فرمایا ہے کہ ایک شخص کامل مؤمن یا کامل مسلمان اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ آں حضرت ﷺ کے فیصلے کو پورا پورا ٹھنڈے دل سے تسلیم نہ کرلے، اور اس فیصلہ پر ذرّہ برابر دل میں تنگی محسوس نہ کرے۔

آیت کا شانِ نزول، منافق اور یہودی کا واقعہ:-

آیت کا شانِ نزول آپ کو معلوم ہے کہ ایک منافق کا ایک یہودی کے ساتھ جھگڑا ہوگیا، وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں فیصلہ کرانے کے لیے حاضر ہوئے، پہلے پہلے تو وہ منافق آپ ﷺ کی خدمت میں آنے کے لیے تیار نہ تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہودیوں کے سردار کعب بن اشرف کے پاس چلیں، مگر یہودی کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں، آخر میں دونوں

آپ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے معاملہ کی تحقیق فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہودی حق پر ہے، لہٰذا حضور ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ وہ منافق اس پر راضی نہ ہوا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلنے کے لیے کہا، وہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت عمرؓ کافروں کے بارے میں بہت سخت ہیں، ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ لہٰذا وہ میرے حق میں فیصلہ کریں گے۔ اس یہودی کو یقین تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حق کے خلاف فیصلہ نہیں کریں گے، یہودی ہونے کے باوجود اس کو حضور اکرم ﷺ پر بھی اعتماد تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی کہ یہ کبھی بھی ظلم کی طرف داری نہیں کریں گے، عدل وانصاف ہی سے کام لیں گے اور حق کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ چناں چہ یہودی تیار ہو گیا اور وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، جب یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہودی نے پورا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کر دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ حضور ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق سے پوچھا کہ کیا یہی واقعہ ہے؟ اور یہودی جو کہہ رہا ہے وہ صحیح ہے؟ منافق نے اس کا اقرار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھہرو! میں ابھی حاضر ہوتا ہوں، گھر تشریف لے گئے، ایک تلوار لے کر تشریف لائے اور منافق کی گردن اڑا دی، اور فرمایا: جو شخص رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے، اور اس کے بعد مذکورہ آیت اللہ پاک نے نازل فرمائی۔

ایمان واسلام کا معیار:-

ان دونوں آیتوں میں غور کیجیے! ایمان واسلام کا بہت اہم معیار بیان فرمایا گیا ہے کہ کامل ایمان اور کامل اسلام اسی وقت ہوگا جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں کو دل وجان سے تسلیم کر لیں اور حضور ﷺ کے بعد شریعت کے احکام کو اور فیصلوں کو قبول کر لیں اور اس کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیں اور دل میں ذرّہ برابر شک وشبہ نہ ہو اور نہ اس سے دل میں تنگی محسوس

ہواوراسی میں اپنی دنیاوآخرت کی کامیابی کا یقین ہو۔

اب ان مسلمانوں کو بہت سوچنا چاہیے جو معاذ اللہ اس طرح کہتے ہیں کہ ہم پُرانے خیالات کو لیے بیٹھے ہیں اور دنیوی ترقیات سے محروم ہیں۔ دنیا کی قومیں ترقی کر کے چاند پر پہنچ گئیں اور ہم وہیں پڑے ہیں (معاذ اللہ)۔ اسلام ہماری ترقیات میں رکاوٹ ہے، اگر اسلام میں سود لینا جائز ہوتا تو مسلمان بھی بڑی ترقی پر ہوتے، اسلام تو بڑا اچھا ہے مگر یہ حکم ذرا سا اچھا نہیں ہے (نعوذ باللہ)۔ اسلام میں نماز بڑی اچھی چیز ہے، مگر پانچ وقت بڑی مشکل ہے، پانچ کے بجائے دو تین وقت ہوتی تو اچھا ہوتا (نعوذ باللہ)۔

حضرت تھانویؒ کا الزامی جواب:-

حضرت تھانویؒ جو حکیم الامت ہیں وہ تو اس کا وکیلانہ اور الزامی جواب بھی دیتے تھے، اگر کوئی سوال کرتا کہ اسلام میں پانچ ہی نماز کیوں؟ تو جواب دیتے: تمہاری ناک یہاں پر کیوں؟ پیچھے ہوتی تو؟ سائل نے کہا: بُری معلوم ہوتی، حضرت تھانویؒ نے فرمایا: اگر سب کی پیچھے ہوتی تو اب؟ سائل کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ مذکورہ آیت میں فیصلہ کر دیا گیا کہ کامل ایمان اور کامل اسلام اسی وقت ہوگا جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا فیصلہ پورا پورا تسلیم کرلیں اور شریعت کے احکام پر مکمل راضی ہوجائیں اور اس میں اپنی سعادت سمجھیں۔

ہمارا ہی فائدہ ہے:-

ایک بات یاد رکھیں! ہم الحمد للہ مسلمان ہیں، اس پر ہمیں اللہ رب العزت کا ہر وقت شکر ادا کرنا چاہیے، اور دین وشریعت پر عمل کرنے سے ہمارا ہی فائدہ ہے، ہماری آخرت بنتی ہے،

اور ان شاء اللہ ہمیشہ ہمیشہ کی جنت اور اس کی لازوال نعمتیں ملیں گی۔ اور یہ دنیا بھی فانی ہے اور یہاں کی نعمتیں بھی فانی ہیں، ہم اگر دین پر عمل کریں گے تو ہمارا ہی فائدہ ہے۔ معاذ اللہ! اللہ پر ہمارا اور کسی کا کوئی احسان نہیں ہے، اللہ پاک ہماری عبادت اور اطاعت سے بہت بے نیاز ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شانِ بے نیازی:-

ایک حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ کی شانِ بے نیازی کو بیان فرمایا ہے، اس حدیث میں اگر انسان غور کرے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ ارشاد فرمایا: يا عبادي! لو أن أولكم وآخركم وإنسكم وجنّكم كانوا على اتقى قلب رجل واحد منكم مازاد ذلك في ملكي شيئا، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے بندو! اگر تمہارے اولین اور تمہارے آخرین (یعنی سب انسان) اور تمہارے انسان اور تمہارے جنات سب کے سب انتہائی درجہ کے متقی بن جائیں، اور سب میری مکمل اطاعت وعبادت کریں تو ان کا یہ تقویٰ اور اطاعت وعبادت میرے ملک میں ذرّہ برابر اضافہ نہیں کرے گا۔

حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی ان کی اپنی ذاتی ہے، ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾۔ اور اس کے بعد ارشاد فرمایا: يا عبادي! لو أن أولكم وآخركم وإنسكم وجنّكم كانوا على أفجر قلب رجل واحد منكم ما نقص ذلك من ملكي شيئا....إلخ، اے میرے بندو! اگر تمہارے اولین اور تمہارے آخرین اور تمہارے انسان اور تمہارے جنات انتہائی درجہ نافرمان اور فاسق وفاجر بن جائیں اور سب کے سب (معاذ اللہ) میری نافرمانی کرنے لگیں تو ان کی نافرمانی اور ان کا فسق وفجور میرے ملک میں ذرّہ برابر کمی نہیں کرے گا۔ (مشکوۃ شریف:۱/ ۲۰۳)

اس لیے ہم ذہنوں سے یہ بات بالکل نکال دیں کہ ہماری اطاعت وعبادت سے حق تعالیٰ کا کچھ فائدہ ہے، یا اللہ پاک پر ہم احسان کررہے ہیں (معاذ اللہ)، ہم جو کچھ کررہے ہیں یہ سب اپنے لیے کررہے ہیں۔ ہم ہر حالت میں ہزار مرتبہ اللہ رب العزت کے محتاج ہیں اور اللہ پاک پورے عالم سے بے نیاز ہیں۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ إِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ اس لیے اس قسم کی باتیں کرکے ہم اپنی عاقبت اور آخرت کو برباد نہ کریں۔ ہماری ان باتوں سے نہ شریعت پر کوئی دھبہ آئے گا اور نہ حق تعالیٰ کی عظمت وکبریائی میں کوئی کمی آئے گی، ان باتوں سے ہمارا ہی نقصان ہوگا۔ حق تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عنایت فرمائیں، اور ایسی گندی روشن خیالی سے ہم سب کی اور پوری امت کی حفاظت فرمائیں، اور اللہ پاک ایمان کی حفاظت فرمادیں اور ہم سب کو کامل ایمان اور کامل اسلام عطا فرمادیں۔

بس اب ایک واقعہ سنا کر ختم کرتا ہوں، اس واقعے میں بڑا سبق ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ:-

حضرت ماریہ قبطیہ ؓ حضور اکرم ﷺ کی ام ولد ہیں، آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ انہی کے بطن سے ہیں۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ذرا بڑے ہوئے تو ان کا انتقال ہوگیا، اب ماں کی گود بچے سے خالی ہوگئی، اس سے ماں کا دل کتنا بے قرار ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو بہت تسلی دی کہ صبر کرو، اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دیں گے۔

حضور اقدس ﷺ کی نرینہ اولاد کی تعداد:-

حضور اقدس ﷺ کی کوئی نرینہ اولاد جوان ہونے تک زندہ نہیں رہی۔ آپ ﷺ کی نرینہ اولاد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، سب سے زیادہ صحیح اور مستند ومعتبر قول یہ ہے کہ آپ ﷺ

کے تین صاحبزادے ہیں، قاسم اور عبداللہ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے، ان کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، یہ آپ کی ام ولد حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے صاحبزادے پیدا ہوئے ان سب کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا۔ یہ جمہور علماء سیر کا قول ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر مستقل آپ کے دو صاحبزادے الگ ہیں جو حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ کے علاوہ تھے، اس قول کی بنا پر آپ کے صاحبزادوں کی تعداد جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں چار ہو جاتی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے چھ صاحبزادے ہوئے، پانچویں اور چھٹے صاحبزادے کا نام مطیب اور مطہر تھا۔ واللہ اعلم۔۔ (سیرت مصطفیٰ: ۳/ ۳۶۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی اس کی حکمت:۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی جوانی تک زندہ نہ رہی، اللہ تعالیٰ کی اس میں بھی مصلحت اور حکمت تھی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد زندہ رہتی اور ان کو نبوت نہ ملتی تو لوگ طعنہ دیتے کہ آپ کے بیٹوں کو نبوت کا مقام نہ ملا، نبی کے صحیح وارث نہیں بنے، اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے، آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام نبی بنے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نبی تھے تو حضرت یوسف علیہ السلام نبی بنے۔ تو اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد زندہ رہتی اور ان کو نبوت نہ ملتی تو لوگ طعنہ دیتے کہ نبی کے وارث نہیں بنے، حقیقی جانشیں نہیں بنے۔ اور اگر ان اولاد کو زندہ رکھ کر نبوت عطا فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت باقی نہ رہتی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خاتم الانبیاء بنانا ہے اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادوں میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہا۔ یہ حکمت مفسرین کرام نے بیان فرمائی ہے۔ جزاہم اللہ۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کا ایمان:-

بات یہ چل رہی تھی کہ حضور اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت قاسم ؓ کا انتقال ہو گیا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ نے عرض کیا: کاش اللہ تعالیٰ قاسم کو باقی رکھتے تو وہ اپنی مدتِ رضاعت پوری کر لیتا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ قاسم کی رضاعت پوری کرنے کا انتظام اللہ تعالیٰ نے جنت میں کر دیا ہے، حضرت خدیجہ نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہو جاتا تو معاملہ مجھ پر آسان ہو جاتا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اللہ سے دعا کروں اور قاسم کی آواز تم کو سنا دوں، تو حضرت خدیجہ ؓ نے فرمایا: نہیں! مجھے آپ پر اور اللہ پر یقین ہے، لہٰذا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱/ ۴۸۴- دار إحیاء الکتب العربیۃ-) یہ ہے ایمان بالغیب۔

متقین کی صفات:-

اللہ تعالیٰ نے متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ الٓمّٓ . ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ . هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ . الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ . وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ . اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، راہ بتلانے والی ہے متقیوں کو (یعنی خدا سے ڈرنے والوں کو)۔ متقی لوگ وہ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور قائم کرتے ہیں نماز کو (یعنی خشوع اور خضوع اور تمام آداب کے ساتھ نماز کو ٹھیک ادا کرتے ہیں) اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور متقی لوگ ایسے ہیں جو ایمان لائے اس کتاب پر کہ جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی ایمان لائے جو آپ سے پہلے نازل کی جا چکی

ہیں، اور وہ لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہدایت پر قائم ہیں جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے، اور ایسے ہی لوگ پورے کامیاب ہونے والے ہیں۔

خلاصۂ کلام:-

ایمان بالغیب یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں پر پورا پورا یقین ہو، قرآنی باتوں پر پورا یقین ہو جائے۔ ہماری عقل کا دھوکہ ہو سکتا ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کا ایسا ہی ایمان تھا، اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر پورا پورا یقین کر لیں، اس میں ذرّہ برابر تاویل نہ کریں۔ اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿ يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ﴾ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ لہٰذا اب سود کے بارے میں عقل کچھ بھی کہے اور روشن خیال لوگ کچھ بھی ہانکیں، بالکل تسلیم نہ کریں۔ اللہ پاک نے جو فرما دیا بس اس پر پورا پورا یقین کریں اور کسی کے پروپیگنڈہ میں نہ آویں، یہ ہے کامل اور صحیح ایمان۔

اللہ تعالیٰ صحیح معنیٰ میں ہم سب کو کامل ایمان والا بنا دے، کامل اسلام والا بنا دے، اور اس پر استقامت عطا فرما دے، اور اسی پر خاتمہ نصیب فرما دے۔ -آمین یا رب العالمین-

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

مسلمانوں کی صفات قرآن کے آئینے میں

(۲)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم.أمابعد:فأعوذبالله من الشیطن الرجیم،بسم الله الرحمن الرحیم:﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّائِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا﴾

﴿مسلمین﴾اور﴿قنتین﴾ کا فرق:-

بزرگانِ محترم! گذشتہ کل اس آیتِ کریمہ کے شروع حصہ کے متعلق دو باتیں عرض کی تھیں، ایمان اور اسلام کے بارے میں بیان کیا تھا۔ اس کے بعد اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ﴾،فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں۔ کل کی مجلس میں آپ کو بتایا تھا کہ اسلام کے معنی ہیں: اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دینا، سپرد کر دینا۔ مسلمین میں فرمانبرداری آ گئی تھی پھر اللہ پاک مستقل طور پر ﴿وَالْقٰنِتِیْنَ﴾ کو کیوں ذکر فرما رہے ہیں؟ تو ذرا توجہ سے سنیے اور سمجھیے! ان دونوں میں ذرا سا فرق ہے۔ ﴿وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ﴾ کا مطلب ہے: خوش دلی کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دینا۔ ایک یہ

ہے کہ بادلِ ناخواستہ احکام کو پورا کرلے، اور ﴿قنتین﴾ کا مطلب ہوتا ہے کہ خوش دلی کے ساتھ حکمِ خداوندی کو پورا کرے۔ اس کا اجر وثواب بڑھ جاتا ہے، تو ﴿مسلمین﴾ کی بھی قدر ہے، لیکن ﴿قنتین﴾ کا درجہ بڑھ جاتا ہے۔

محترم دوستو! ﴿مسلمین﴾ اور ﴿قنتین﴾ کے اس تھوڑے سے فرق کو مشہور عالمِ دین حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ نے اپنی مشہور تفسیر معالم العرفان میں بیان فرمایا ہے: ﴿وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ﴾ اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ قنوت کے معنیٰ اپنی رضا ورغبت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی اطاعت کو قبول کرنا، جب کوئی شخص کسی کی اطاعت کا دم بھر لیتا ہے تو پھر اس پر لازم ہے کہ مطاع کے ہر حکم کی تعمیل بھی کرے۔ تو ﴿وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ﴾ کا یہی مطلب ہے کہ ایسے مرد وعورت جو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہوں، اور کسی حیلے بہانے سے اس کی اطاعت سے باہر نہ نکلیں۔ دیگر احکام الٰہی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ پوری دل جمعی اور اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اطاعت میں شامل ہے۔ (معالم العرفان: ۱۴/ ۲۶۴)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیاں:-

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالاتِ زندگی کو دیکھ لو! خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں ہوں، خواہ جوان ہوں خواہ بچے ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جب بھی حکم آیا، صحابۂ کرامؓ نے برضا ورغبت جان تک کی بازی لگادی۔ مال کی ضرورت پیش آئی تو اپنا مال پورے ذوق وشوق سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگادیا، وقت کی ضرورت پیش آئی تو وقت پیش کردیا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت:-

ایک صحابی حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ بہت مالدار تھے، جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ

جانے لگے تو مشرکین نے پکڑ لیا کہ کہاں جا رہے ہو؟ جب تم مکہ آئے تھے تو فقیر تھے، یہاں رہ کر مال و دولت کمایا، اب اس کو لے کر مدینہ منورہ جا رہے ہو، ہم تم کو مدینہ منورہ نہیں جانے دیں گے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیکھو! تم جانتے ہو، میں بڑا تیر انداز ہوں، میں تمہارا مقابلہ کروں گا اور جب تیر ختم ہو جائیں گے تو نیزے سے مقابلہ کروں گا، اگر تمہارا مقصد مال ہے تو تم میرا سارا مال لے لو، لیکن میرا راستہ چھوڑ دو۔ چناں چہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا پورا مال و متاع ان کے حوالے کیا اور ہجرت فرمائی۔ مدینہ منورہ پہنچے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پورا واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ربح البیع، صہیب نے اس بیع میں خوب نفع کمایا کہ فانی دنیا کو چھوڑ کر باقی کو اختیار کیا، اور حق تعالیٰ شانہ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ ، وَاللهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾

اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اپنی جان کو فروخت کر دیتے ہیں محض اللہ کی رضامندی کی طلب میں، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔

دو چھوٹے بچوں کا عظیم الشان کارنامہ:-

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ جہاد کے لیے مال کی ضرورت پڑی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مال لا کر پیش کر دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبوک کے موقع پر کل مال لا کر پیش کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال لا کر پیش کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی مال لا کر پیش کر دیا۔ جان کی بازی لگانے کا موقع آیا (تو جان کی بھی بازی لگا دی) جیسے کہ غزوۂ بدر میں دو کم سن بچوں نے بھی اپنی جان پیش کر دی۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مجاہدین کی صف میں دیکھا کہ میرے بازو میں دائیں اور بائیں دونوں طرف بچے ہیں، مجھے خیال ہوا کہ اگر

میں قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو بہتر ہوتا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کر سکتے۔ مجھے یہ خیال آیا ہی تھا کہ اتنے میں ایک بچے نے پوچھا: چچا جان! آپ کو معلوم ہے کہ ابو جہل کون ہے؟ میں نے کہا: تم کو اس سے کیا کام؟ اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے، ابھی ایک بچے نے یہ سوال ہی کیا تھا کہ اس کے بعد دوسرے بچے نے بھی یہی سوال کیا، اور ان دونوں نے کہا: اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ ابو جہل ہے تو ہم اس کو ماریں گے یا ہم مر جائیں گے۔ اس کے بعد اتفاقاً میں نے میدان میں ابو جہل کو دیکھا کہ صفیں درست کر رہا ہے، میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا کہ وہ ابو جہل ہے، یہ سن کر وہ دونوں بچے باز کی طرح لپکے، تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے وہ دونوں اس کے پاس پہنچے، ایک نے گھوڑے پر حملہ کیا، دوسرے نے ابو جہل کے پیر پر حملہ کیا جس سے ابو جہل گرا اور اٹھ نہ سکا۔ یہ دونوں چھوٹے بچے حضرت معوذ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہیں، دونوں بھائی ہیں اور ان دونوں نے ابو جہل جیسے سردار کو قتل کیا۔

بچوں کا جذبہ:-

اسی طرح ایک موقع پر حضورِ اکرم ﷺ غزوہ کے لیے تشریف لے گئے، مدینہ منورہ سے باہر جا کر لشکر کا معائنہ فرمایا، لشکر میں نوعمر بچے تھے ان کو واپس فرمایا، جن میں حضرت عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم کے علاوہ کچھ اور بچے بھی تھے، جب ان کو واپسی کا حکم ہوا تو حضرت خدیج رضی اللہ عنہ نے سفارش کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا لڑکا رافع بہت اچھا تیر چلانا جانتا ہے، اور خود حضرت رافع رضی اللہ عنہ بھی اجازت ملنے کے شوق میں ابھرا ابھر کر کھڑے ہوتے تھے کہ ان کا قد لمبا معلوم ہو۔ چناں چہ حضورِ اکرم ﷺ نے ان کو اجازت عطا فرمادی۔ یہ دیکھ کر حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سوتیلے باپ مرہ بن سنان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ نے رافع کو اجازت عنایت فرمادی ہے اور مجھے اجازت نہیں ملی، حالاں کہ میں رافع

سے زیادہ قوی ہوں، اگر میرا اور رافع کا مقابلہ کرایا جائے تو میں ان کو کشتی میں پچھاڑ دوں۔ حضور ﷺ نے دونوں کا مقابلہ کرایا تو سمرہ رضی اللہ عنہ نے واقعی رافع رضی اللہ عنہ کو شکست دے دی اور ان کو کشتی میں پچھاڑ دیا، تو حضور ﷺ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت عنایت فرمادی۔

(تاریخ طبری: ۲/ ۵۰۵-۵۰۶)

تو میرے دوستو! بچوں کو دیکھو، عورتوں کو دیکھو، ﴿والقنتین والقنتت﴾ کا نمونہ نظر آتے ہیں، اور ہر ایک کے اندر برضا و رغبت اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنے کا جذبہ ہے۔

ایمان میں صداقت:-

تین صفات کے متعلق بیان ہو چکا۔ چوتھی صفت یہ ہے: ﴿وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ﴾ سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں۔

سچ انسانی زندگی کا ایسا وصف ہے جسے ہر زمانے اور ہر دور میں پسند کیا گیا۔ تاریخ انسانی کے کسی بھی دور کا مطالعہ کر لیجیے! ہر دور میں سچ کی اہمیت ہر مذہب، ہر انسانی طبقہ میں مسلّم رہی ہے، حتی کہ آج کے پُرفتن دور میں جب انسان تیزی کے ساتھ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو رہا ہے تب بھی سچ کی قدر و قیمت اپنی جگہ برقرار ہے۔ حقیقت میں دوستو! سچ کے بڑے فوائد ہیں، جو شخص سچ بولتا ہے وہ بہت سی بُرائیوں سے بچ جاتا ہے، اور جس معاشرہ اور جس مذہب کے ماننے والوں میں سچائی کی قدر کی جاتی ہے وہ معاشرہ مختلف قسم کے مسائل سے پاک رہتا ہے اور آئے دن پھلتا پھولتا رہتا ہے۔

میرے دوستو! سچ کی اسی اہمیت و افادیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ہر حال میں سچ بولنے کی بڑی قوت سے ہدایت کی ہے اور اسلام نے جس تفصیل

سے اسے بیان کی، کسی مذہب وملت میں وہ بات کہاں ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الصدق ینجی والکذب یهلك، سچ نجات دینے والا ہے اور جھوٹ ہلاک کرنے والا ہے۔ عوام میں ایک جملہ بہت مشہور ہے: سچے کا بول بالا اور جھوٹے کا منہ کالا۔

اب لفظ "صدق" کا مفہوم بھی بہت وسیع ہے:

صدق بمعنیٰ صداقت: صداقت سب چیزوں میں ضروری ہے، سب سے پہلے ایمان وعقائد میں صداقت ضروری ہے۔ ایمان میں صداقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائے، کیوں کہ سب سے بڑا جھوٹ شرک اور کفر ہے۔ لا إله إلا الله سے بڑھ کر کوئی کلمہ سچا نہیں ہے، لہٰذا جو چیز اس کے خلاف ہوگی وہ سب سے بڑا جھوٹ ہوگا، اس لیے اللہ پر ایمان لانے میں جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہونی چاہیے۔ ہمارے دل کا یقینِ صادق یہ ہو کہ روزی، موت وحیات، نفع ونقصان، عزت وذلت، اولاد دینا نہ دینا وغیرہ وغیرہ یہ سب اللہ رب العزت کے قبضۂ قدرت میں ہے، اللہ ہی سب چیز پر قادر ہے، اللہ ہی ان سب چیزوں کے بلاشرکتِ غیر مالک ومختار ہیں۔ اگر ان چیزوں میں کسی اور کو بھی اللہ کے ساتھ شریک کرلیا تو یہ جھوٹ ہوگیا، پھر ایسا شخص اپنے ایمان میں صادق نہ رہا۔

نیت میں صداقت:-

اسی طرح ان سب کے بعد نیت میں صدق اور سچائی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو اس کی نیت صادق ہونی چاہیے، یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، یہ نیت نہ ہو کہ لوگ مجھے دیندار کہیں، نمازی کہیں، صوفی صاحب کہیں، اگر نیت میں ملاوٹ ہے تو جھوٹ ہوگیا۔ اسی طرح جو عمل بھی کرے صرف رضائے الٰہی کے لیے کرے، نہ شہرت مقصود ہو، نہ ناموری اور نہ دنیا کا کوئی فائدہ۔

معاملات واخلاق میں صداقت:-

اسی طرح عام انسانوں کے ساتھ جو معاملات اور اخلاق ہیں اس میں بھی صداقت اور سچائی کو اختیار کرے۔ لوگوں کی ہمدردی مقصود ہو اس میں بھی رضائے الٰہی پیشِ نظر رہے، نہ کچھ دنیوی فائدہ حاصل کرنا ہو اور نہ اس سے مقصود خود غرضی ہو، نیز لوگوں پر احسان جتلانا نہ ہو۔ غرض ہر معاملے میں سچائی کو اختیار کرے، نہ لوگوں کو دھوکہ دینا ہو، نہ فریب دینا ہو، نہ بے وقوف بنانا ہو، نہ مذاق اڑانا ہو کہ یہ سب چیزیں جھوٹ میں آتی ہیں۔

سچائی پر بشارت:-

سچائی کے بارے میں قرآن وحدیث میں بڑی بشارتیں اور وعدے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ، لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ﴾ جس دن (یعنی قیامت کے دن) سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی، ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور سچ کی ضد جھوٹ ہے جو اسلام کی نظر میں انتہائی گھٹیا چیز ہے۔ سچ کے فوائد اور جھوٹ کے نقصانات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے ایک حدیث میں حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک انسان سچ بولتا ہے، سچ بولتا ہے اور سچ کی تلاش میں رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدیقین میں لکھا جاتا ہے۔ اور جھوٹ ایک برائی ہے، اور برائی جہنم تک لے جاتی ہے۔ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے، جھوٹ بولتا ہے حتی کہ اللہ کے نزدیک جھوٹوں میں لکھا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: ۲/ ۴۱۲)

ہمارے بگڑے ہوئے حالات:-

آج ہمارے معاملات دیکھو! بغیر جھوٹ کے کوئی معاملہ نہیں ہوتا۔ عموماً وعدہ کر کے اس

کو پورا نہیں کیا جاتا، سامنے والا ہمارے بھروسے پر رہتا ہے، اور اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اس شخص نے وعدہ کیا ہے تو وقت آنے پر ہمارا کام کردے گا، مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وعدہ کے مطابق کام کردیا جائے۔ لہٰذا دوستو! اس کا خیال رکھنا چاہیے اور جو وعدہ کیا ہوا اُس کو پورا کرنا چاہیے۔ انسان اگر سچ بولنے کی کوشش کرے اور اس بات کا عہد کرے کہ ان شاء اللہ اپنی تجارت میں، اپنے معاملات میں سچ ہی کو اختیار کروں گا، جھوٹ سے اور وعدہ خلافی سے بچوں گا، تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے اور وہ ان شاء اللہ وقت پر کام پورا کرکے دے دے گا۔ اور اس دور میں بھی الحمد للہ ایسے نیک اور سچے لوگ موجود ہیں جو سچ بول کر تجارت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سچ کی برکت سے ان کی لاج رکھ لیتے ہیں۔

مؤمن جھوٹا اور خائن نہیں ہوسکتا:۔

تو خیر! میں یہ ذکر کررہا تھا کہ سچ بہت بڑی نعمت ہے۔ مشرکینِ مکہ کافر تھے، مشرک تھے، بت پرست تھے، مگر ان کو بھی جھوٹ سے نفرت تھی، سچ بولنے کی کوشش کرتے تھے، تو ایمان والوں کو تو اس کا اور زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے: قيل لرسول الله ﷺ: أيكون المؤمن جبانا؟ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے؟ قال: نعم فرمایا: ہاں! ہوسکتا ہے۔ فقيل له: أيكون المؤمن بخيلاً؟ پھر پوچھا: کیا مؤمن بخیل ہوسکتا ہے؟ قال: نعم فرمایا: ہاں! ہوسکتا ہے۔ فقيل له: أيكون المؤمن كذاباً؟ پوچھا: کیا مؤمن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ قال: لا فرمایا: نہیں! مؤمن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ (مشکوۃ شریف: ۲/ ۴۱۴)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان اور جھوٹ ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے ہیں، اگرچہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ کامل ایمان والے نہیں ہوسکتے جب تک قرآن کریم واحکام الٰہیہ کا انکار

نہ کرے۔

محترم دوستو، مخلص بھائیو! افسوس کا مقام ہے کہ موجودہ زمانے میں بہت سے مسلمان بھائی ذرا ذرا سی بات میں جھوٹ بولتے ہیں اور عہد شکنی کرتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے اور سوسائٹی میں جھوٹ عام ہے، جہاں جائیے وہاں لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹے بہانے تراشتے ہوئے ملیں گے۔ کاروبار میں، لین دین اور ملنے جلنے میں جب لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرا شخص زیادہ تر جھوٹ بول رہا ہے اور اس کو بُرا بھی نہیں سمجھتا ہے وہ بھی اسی طریقے کو اختیار کر لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ تو یہ بھی کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ آج کل جھوٹ کے بغیر چارہ نہیں، وہی لوگ زیادہ کامیاب ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں، اللہ کی پناہ، اللہ ہم کو ہدایت دے، ہم اپنا کتنا بڑا نقصان کرتے ہیں اور ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔ ایک آیت بہت مشہور ہے: ﴿فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾ جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہو، اور لعنت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری، جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق جھوٹ بولنا کوئی معمولی جرم و گناہ نہیں بلکہ بڑا بھیانک گناہ و جرم ہے، جھوٹ کے اثرات نہ صرف فردِ واحد پر پڑتے ہیں بلکہ اس سے پورا معاشرہ متأثر ہوتا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلام نے جس سختی کے ساتھ اپنے ماننے والوں کو جھوٹ بولنے سے منع کیا ہے اسی بے احتیاطی و لاپرواہی سے موجودہ دور میں بڑی تعداد میں مسلمان جھوٹ سے ملوث نظر آتے ہیں، اس لیے دوستو! مسلم معاشرہ کو فساد سے بچانے کے لیے یقیناً جھوٹ کو چھوڑنا پڑے گا۔ ہر مسلمان کو یہ طے کرنا ہوگا کہ وہ کسی بھی حال میں جھوٹ کا سہارا نہیں لے گا، نازک حالت میں بھی جھوٹی قسم نہیں کھاؤں گا، وعدہ کر کے کبھی نہیں توڑوں گا۔ آج کل میڈیا پر خبریں سنتے ہیں، اس میں اکثر جھوٹ اتنا بولتے ہیں کہ لوگ جھوٹ ہی کو سچ سمجھنے لگتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے: قال رسول اللہ ﷺ: یطبع المؤمن علی الخلال کلھا الا الخیانۃ والکذب، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن میں خیانت اور جھوٹ کے سوا دوسری عادتیں ہوسکتی ہیں، مگر خیانت اور جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ (مشکوۃ شریف: ۲/ ۴۱۴)

جھوٹ کا نقصان پورے معاشرے پر پڑتا ہے:-

محترم دوستو! ﴿وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ﴾ اہل ایمان کی صفت ہوگی، تو گویا ایمان کی علامت ہوئی۔ اس صفت سے پتہ چلا کہ جسے اپنے ایمان سے محبت ہوگی، جو دینِ اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کو ترجیح دیتا ہوگا، تو پھر کسی بھی حال میں سچ ہی بولے گا۔ اور سچ نہ بولنا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ یا تو اپنے ایمان کو ظاہر کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا یا تو پھر اس کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق جھوٹ بولنا کوئی معمولی جرم و گناہ نہیں، بلکہ بڑا بھیانک گناہ و جرم ہے، کیوں کہ جھوٹ کے اثرات سے صرف اس کا اپنی ذات کا نقصان ہوتا تب بھی بُرا ہے، مگر جھوٹ سے پورا معاشرہ متأثر ہوتا ہے، معاشرے میں طرح طرح کی برائیاں پھیلتی و جنم لیتی ہیں- الامان والحفیظ- ۔تو چوتھی صفت ﴿وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ﴾ ہے۔

صابرین کا کیا مقام ہے؟

پانچویں صفت ہے: ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ﴾ صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ صبر کہتے ہیں: حبس النفس علی ماتکرہ، جو چیز ناگوار ہو اس پر نفس کو جمانا، خلافِ طبیعت چیز کو برداشت کرنا، آپے سے باہر نہ ہونا، یہ صبر کی حقیقت ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صبر بس صرف یہ ہے کہ کوئی تکلیف پہنچ جائے، کوئی مصیبت آجائے، کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کو برداشت کرلینا، شکوہ شکایت نہ کرنا، بس یہ صبر ہے اور یقیناً یہ بھی صبر ہے۔ صبر کے مفہوم

کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں۔

صبر کا مفہوم:۔

میں نے اپنے اکابرین سے صبر کے مفہوم کو سنا ہے، وہ بھی سن لیں۔توجہ فرمائیں! صبر کم ہمتی، بزدلی، مایوسی اور پستی سے سمجھوتہ کر لینے کا نام نہیں ہے، بلکہ صبر کا مطلب بیماری کے بعد صحت، تنگی کے بعد خوش حالی، شکست کے بعد فتح اور آفت کے بعد رحمت کی امید رکھتے ہوئے اپنی کوشش جاری رکھی جائے۔صبر کا مقصد ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا نہیں ہے، اصل میں صبر ہائے اور رواویلا کے بغیر جہدِ مسلسل کا نام ہے۔جو دانش ور صبر کی تلقین پر چڑ جاتے ہیں اور اسے بے وقوف بنانے سے تعبیر کرتے ہیں وہ یا تو صبر کے مفہوم سے بے خبر ہیں یا پھر مزاج خراب ہو جانے کی وجہ سے انہیں شرعی اصطلاح اور اسلامی حکم سے اِلرجی ہو جاتی ہے۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ہم صبر نہ کریں تو نہ کریں، پھر یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ کیا بے صبری کے نقصان کا ازالہ ہو سکتا ہے؟ گرے ہوئے مکانات تعمیر ہو سکتے ہیں؟ جن کے خیال میں یہ ہو سکتا ہے وہ صبر سے گریز کریں، ہم تو اسلام کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے صبر کریں گے۔ان حالات میں جو لوگ امن وعافیت میں ہیں ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ ان مصیبت زدہ بھائیوں کے تعاون کرنے میں اپنی صلاحیتوں اور کوششوں کو استعمال کریں، ان کی امداد کے لیے پہنچنا ہوگا، ایسی آزمائشوں کے موقع پر زندہ قوموں کا امتحان ہوتا ہے، ہمیں ثابت کرنا ہوگا کہ ہم واقعی ایک زندہ اور حساس قوم ہیں۔

صبر کی تین قسمیں ہیں:۔

پھر صبر کی تین قسمیں علماء نے بیان فرمائی ہیں: (۱) صبر علی الطاعۃ (۲) صبر عن المعصیۃ (۳) صبر علی البلایا۔ یہ تینوں صبر ہیں۔

صبر علی الطاعات:-

صبر علی الطاعات: یعنی نیک کام پر نفس کو جمالینا اور اس میں جو مجاہدہ ہو، نفس پر بار اور بوجھ ہو، اس کو برداشت کرنا۔ انسان کا نفس نیکی اور طاعات کی طرف نہیں چلتا مگر وہ شخص اپنے نفس کی مخالفت کرے اور نیک عمل پر جم جاوے کہ میں تیری نہیں مانوں گا، یہ عمل میرے رب کا حکم ہے، لہٰذا یہ عمل میں ضرور کروں گا۔ مثلاً نماز: سردی کا زمانہ ہے، سخت سردی ہو رہی ہے، برف باری ہو رہی ہے، اپنے گرم گرم بستر کو چھوڑنا اور میٹھی نیند قربان کر کے نماز کے لیے اٹھنا بہت بھاری معلوم ہو رہا ہے، مگر یہ شخص ان تمام چیزوں کو برداشت کرتے ہوئے کھڑا ہو جائے کہ میرے رب کا حکم ہے کہ نماز پڑھ! لہٰذا میں نماز پڑھوں گا، تو یہ بھی صبر ہے، اس کو صبر علی الطاعۃ کہتے ہیں۔ اسی طرح روزہ رکھنا: گرمی کا زمانہ ہے، پیاس سے گلا سوکھ جاتا ہے، بھوک لگتی ہے، مگر اپنے نفس کو روزے پر جما دے۔ اپنے مال میں سے زکوۃ نکالنا بھاری معلوم ہو رہا ہے، مگر مال کی محبت کے باوجود زکوۃ نکالے اور نفس کی مخالفت کرے، نفس کو اللہ کے حکم ﴿وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ پر جما دے، یہ سب صبر علی الطاعات ہیں۔

صبر عن المعصیۃ:-

دوسری قسم صبر عن المعصیۃ ہے۔ معصیت پر صبر یہ ہے کہ گناہوں سے بچے، نفس گناہوں کی طرف دوڑتا ہے کہ یہ گناہ کرلوں، وہ گناہ کرلوں، مگر نفس پر کنٹرول کرے کہ اگر گناہ کروں گا تو میرا رب ناراض ہو جائے گا، یہ ہے صبر عن المعصیۃ۔ اس میں بھی نفس کو بڑا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ جس گناہ کی عادت ہو گئی ہو اس کو چھوڑنا بہت مشکل ہے، مگر اللہ کا خوف غالب آجائے اور خوفِ الٰہی سے اپنے کو گناہ سے بچالے یہ بہت ہمت کا کام ہے، بڑا سخت مجاہدہ کرنا ہوگا۔ ایک آدمی کو شراب کی عادت ہے، اب اس کو توبہ کی توفیق ہوئی اور اللہ کے ڈر سے شراب چھوڑ دی، مگر

بعد میں بھی اس کی طلب ہوسکتی ہے، لیکن اب طلب کے باوجود اپنے کو شراب سے روکے ہوئے ہے، نفس شراب کی طرف بھاگ رہا ہے مگر یہ اپنے نفس کو تھامے ہوئے ہے اور کنٹرول کیے ہوئے ہے، تو یہ صبر عن المعصیۃ ہے۔

صبر علی البلایا:-

تیسری قسم صبر علی البلایا ہے۔ یہ وہی صبر ہے جس کو عام لوگ صبر کہتے اور صبر سمجھتے ہیں۔ کوئی مصیبت آ گئی، کوئی چیز گم ہوگئی، مخالف حالات پیش آ گئے، کوئی بیمار ہو گیا، خود بیمار ہو گیا، سخت تکلیف اور درد ہے، کسی کا انتقال ہو گیا، مشفق اور رحمدل والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، نورِ نظر لختِ جگر محبوب بیٹے کا انتقال ہو گیا، اس کو برداشت کرے، تقدیرِ الٰہی پر راضی رہے، جزع فزع، شکوہ شکایت نہ کرے، ہائے واویلا نہ کرے، بھائی میرے مولیٰ کی یہی مرضی تھی اور صبر کرے، تو یہ صبر علی المصیبۃ ہے۔ ایسے صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورت کی اللہ تعالیٰ تعریف فرماتے ہیں۔

صبر پر اجر و ثواب:-

اب صبر پر کیا بدلہ ملے گا؟ اللہ اکبر! وہ تو قیامت میں معلوم ہوگا۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ اللہ پاک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ ایک اور جگہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ﴾، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ضرور بالضرور (چار طرح کی تاکید اللہ نے فرمائی ہے: واؤ کے ساتھ، لام کے ساتھ، نونِ ثقیلہ کے ساتھ اور جمع کا صیغہ، ولنبلونکم) ہم تمہارا امتحان لیں گے کسی قدر خوف سے اور کسی قدر فقر و فاقے سے، بھوک سے، قحط سالی سے

اور ﴿ونقص من الاموال﴾ مال میں نقصان کر کے، ﴿والانفس﴾ اور جان کو کم کر کے (کسی قریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا، باپ مر گیا، بیٹا مر گیا)، ﴿والثمرت﴾ پھلوں کی کمی سے۔ اور ﴿ثَمَرٰت﴾ کی ایک تفسیر بچوں کا بچپن میں انتقال کر جانا بھی ہے۔ اس میں امتحان لیا جاتا ہے، اگر امتحان میں آدمی اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھے تو نا کام ہو جائے گا، یعنی ایسے الفاظ نہ کہنا کہ جو کفر تک پہنچا دے۔ مثلاً: کسی کے بچہ کا انتقال ہو گیا اور وہ کہنے لگے: میرا ہی بچہ اللہ کو نظر آیا (معاذ اللہ) یہ کلمہ ایسا ہے جو انسان کو کفر تک پہنچا دے گا۔ کسی کے والد کا انتقال ہو گیا اور وہ کہے کہ بے وقت انتقال ہوا تو کیا اللہ تعالیٰ تم کو وقت پوچھ کر روح قبض کرے؟ اس قسم کے الفاظ صبر کے خلاف ہیں۔ ایسے موقع پر صبر کرنا چاہیے، تقدیرِ الٰہی پر راضی رہنا چاہیے، جزع فزع اور شکوہ شکایت نہ کرنا چاہیے، صبر کرنا چاہیے۔ جو صبر کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ صبر کرنے والوں کو بشارت سناؤ۔ کیا بشارت؟ اللہ پاک نے اتنی بڑی بشارت دی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، صبر پر معیت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

مذکورہ آیت کے بعد ارشاد فرمایا: صابرین کون ہیں؟ اس کے متعلق فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، اور ہم سب اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر ان کے رب کی عنایتیں اور رحمتیں ہیں، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورۂ بقرہ، پارہ:۲)

جن صبر کرنے والوں کی خدا تعالیٰ کے یہاں قدر ہے وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھا کرتے ہیں، اور اس بات سے اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں کہ ہم خود بھی اور ہمارا مال اور اولاد وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی ملک ہے،

اور جو مالکِ حقیقی ہوتا ہے اس کو اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے اپنی ہی ملک میں تصرف فرمایا ہے تو اس پر ہمیں تنگ دل ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ ﴿وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ اور وہ اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم سب بھی اس فانی دنیا سے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان تمام چیزوں کا بدلہ مل جائے گا۔ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نوازشیں ان پر نازل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات ملتی ہے، اور حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: دو برابر کی چیزیں ﴿صلوٰت﴾ اور ﴿رحمة﴾، اور ایک درمیان کی چیز ہے، یعنی ہدایت، ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔

دعا کی برکت، حضرت ام سلمہؓ کا واقعہ:-

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز میرے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ گھر میں تشریف لائے اور بڑی خوشی کے ساتھ فرمانے لگے کہ میں نے آج حضورِ اقدس ﷺ سے ایسی حدیث سنی ہے کہ اس سے مجھے بہت ہی خوشی ہوئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھ کر یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا، اے اللہ! اس مصیبت میں مجھے اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما۔ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو اجر اور بدلہ ضرور عطا فرماتے ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: میں نے یہ دعا یاد کرلی۔ جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ پڑھ کر یہ دعا کی، لیکن میرے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ میرے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون ملے گا؟ ابو سلمہ ہی بہت بہترین شخص تھے۔ اللہ کی

قدرت کہ جب میری عدت پوری ہوگئی تو ایک دن حضورِ اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے مجھ سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی، میں نے عرض کیا: حضور! یہ تو میرے لیے بڑی خوش قسمتی کی بات ہے، البتہ ایک دو باتیں ہیں، یا رسول اللہ! میں بہت غیرت مند عورت ہوں، ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے ظاہر ہو جائے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں مجھے عذاب ہو۔ دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں، اور تیسرے یہ کہ میری اولاد اور بال بچے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بے جا غیرت کو دور فرما دے، اور عمر اگر تمہاری بڑی ہے تو میں بھی کوئی چھوٹی عمر کا نہیں ہوں، اور تمہاری اولاد میری اولاد ہے۔ حضرت ام سلمہؓ نے پیغامِ نکاح قبول فرمالیا، چناں چہ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میرا نکاح اللہ کے نبی ﷺ سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے زوج سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول ﷺ مجھے عطا فرمایا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

(رواہ مسلم، تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۰۰)

إنا للہ یہ صرف اس امت کو ملا ہے:-

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے بڑی عجیب بات تحریر فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ خاص اسی امت کو ملا ہے، دوسری امتوں کو عنایت نہیں ہوا۔ چناں چہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں ﴿يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾ فرمایا، اور ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ نہیں فرمایا، اور صابرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے ﴿صلوت﴾ اور ﴿رحمة﴾ استعمال فرمایا، کتاب وسنت میں صلوات کا لفظ انبیائے کرام کے ساتھ مخصوص ہے۔ صابرین کی بشارت میں ﴿صلوت﴾ کا لفظ

اس لیے استعمال فرمایا کہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کو ان عنایات سے سرفراز فرماتے ہیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام کی صلوات وعنایات کی ہم رنگ ہوتی ہیں۔ اس لیے مصائب اور حوادث میں صبر وتحمل سے کام لینا اور شکایت کا کوئی کلمہ زبان پر نہ لانا اور خداوند ذوالجلال کی طرف رجوع اور انابت اختیار کرنا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ آپ صبر کیجیے جیسا کہ صبر کیا ہمت والے رسولوں نے۔ اس لیے صابرین کو صلوات اور عنایات سے سرفراز فرمایا، اور جان ومال کا جو نقصان ہوا اس کے عوض عنایاتِ عامہ یعنی طرح طرح کی رحمتوں اور مہربانیوں سے نوازا۔ اس بیان سے صلوۃ اور رحمت کا فرق بھی واضح ہوگیا۔ صلوات سے عنایاتِ خاصہ مراد ہیں جو دینی اور دنیوی اور ظاہری وباطن برکات کا موجب ہیں، اور رحمت سے عنایاتِ عامہ مراد ہیں جو دنیا میں فوت شدہ جان ومال کا عوض اور نعم البدل ہے۔ اور ایسے لوگ ہدایت یافتہ بھی ہیں کہ عین مصیبت کے وقت جب کہ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی کلمہ شکایت کا زبان سے نکل جائے، اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور دوری کا سبب بن جائے ایسے نازک وقت میں قربِ خداوندی اور اس کی خوشنودی کا راستہ نکال لیا کہ اللہ کی طرف متوجہ ہوگیا، یہ کمالِ ہدایت ہے۔ (معارف القرآن ادریسی: ۱/۲۵۰)

آیت میں تسلی دو طریقے پر ہے، عقلی وطبعی:-

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مصیبت کے وقت تسلی کے دو طریقے ارشاد فرمائے ہیں: ایک عقلی اور ایک طبعی۔ عقلی تو یہ ہے کہ ہم نے ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ کہا جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم سب اللہ کی ملک ہیں، لہٰذا اب اللہ پاک کو اختیار ہے، جس کو چاہے دنیا میں رہنے دے اور جس کو چاہے وفات دے دے۔ عقلِ سلیم اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ مالک کو

اختیار ہے کہ اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے، لہٰذا کسی رشتہ دار کے انتقال پر شکایت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کے پاس دو گھوڑے ہوں، ایک کو یہاں باندھ دے اور دوسرے کو دوسری جگہ باندھ دے، تو کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ یا مالک کسی چیز کو اوپر کی منزل پر رکھ دے اور دوسری چیز کو نیچے کی منزل میں رکھ دے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں دنیا میں رکھیں اور جس کو چاہیں آخرت میں رکھیں۔

اور طبعی طور سے تسلی اس طرح ہے: ﴿وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ﴾ یعنی ہم سب کو وہیں جانا ہے اور وہی ہمارا وطنِ اصلی ہے، اور یہ دنیا تو ایک جیل خانہ ہے۔ اب اگر کسی کو جیل خانے سے نکال کر گلستان اور بوستان اور بہترین باغ میں لے جا کر ٹھہرا دیں، تو حقیقت میں خوشی کا مقام ہے کہ غم کدہ کے بدلے میں عشرت کدہ مل گیا۔ نیز اس جملے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ فرقت وقتی ہے، آج وہ ہم سے جدا ہو گئے، کچھ دنوں کے بعد ہم مر کر وہیں پہنچ جائیں گے۔ جب ملاقات ہونے والی ہے تو اس سے بھی افتراق کا غم ہلکا ہو جاتا ہے اور طبیعت کو تسلی ہو جاتی ہے۔

صبر کی برکت سے بلند درجہ:-

بہر حال! صبر اللہ کو بہت پسند ہے، اور صابرین کے لیے بڑی بشارتیں اور وعدے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو خاص درجہ اور مقام عطا فرمانا چاہتا ہے، مگر اس کے اعمال ایسے نہیں ہوتے کہ وہ اس درجہ تک پہنچ سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی مصیبت میں یا مرض میں مبتلا کر دیتے ہیں، اور وہ بندہ بتوفیقِ الٰہی اس پر صبر کرتا ہے جس کی برکت سے وہ ان درجاتِ عالیہ کو پا لیتا ہے۔ (احمد وابوداود)

ایک حدیث شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: قیامت کے دن شہید کو لایا جائے گا اور اس کو حساب و کتاب کے لیے کھڑا کر دیا جائے گا، پھر ان لوگوں کو لایا جائے گا جو دنیا میں مختلف مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا رہے، ان کے لیے نہ میزانِ عدل قائم ہوگا نہ ان کے لیے عدالت لگائی جائے گی، پھر ان پر اجر و انعام اتنے برسائے جائیں گے کہ وہ لوگ جو دنیا میں عافیت سے رہے وہ اس بہترین اجر و انعام کو دیکھ کر تمنا کرنے لگیں گے کہ ان کے جسم دنیا میں (قینچیوں سے) کاٹ دئے گئے ہوتے اور اس پر وہ صبر کرتے۔ (مجمع الزوائد: ۲/ ۳۰۵-دار الکتاب العربی، بیروت-)

مؤمن کی ہر حالت بہتر ہے:-

ایک اور حدیث میں ہے: قال رسول اللهﷺ: عجباً لأمر المؤمن، إن أمره كله خير و ليس ذلك لأحد إلا لمؤمن، إن أصابته سراء شكر فكان خيرا له، وإن أصابته ضراء صبر فكان خيرا له۔ (رواہ مسلم: ۲۹۹۹) یعنی رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: واہ واہ! مؤمن کا کیا کہنا ہے کہ اس کی تو ہر حالت بہتر ہے، اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں، اور یہ بہترین حالت کسی کو میسر نہیں، مگر صرف مؤمن کو میسر ہے۔ اگر اس کو خوشی پہنچے، کوئی نعمت مل گئی، اللہ پاک نے بڑی امیدوں اور دعاؤں کے بعد اولاد دے دی، بچہ کو اللہ پاک نے حفظ القرآن کی دولت عطا فرمادی، بندہ نے اس نعمت پر اللہ پاک کا شکر ادا کیا، تو یہ شکر اس کے لیے بہتر ہے اور ان شاء اللہ اس کو شکر کا اجر و ثواب ملے گا، اور اگر اس کو کوئی سختی پہنچی، کوئی تکلیف دینے والی چیز سامنے آ گئی، اب بندۂ مؤمن نے اس پر صبر کیا تو یہ صبر بھی اس کے لیے بہتر ہے۔ صبر اور شکر ایمان کے دو بازو ہیں۔ (رواہ مسلم، مشکوۃ شریف: ۲/ ۴۵۲)

اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے اپنے نانا جناب نبی کریمﷺ سے

سنا: جنت میں ایک درخت ہے، اس کا نام سدرۃ البلویٰ، وہاں قیامت کے دن اہل مصیبت کو لایا جائے گا، نہ ان کا حساب وکتاب ہوگا، نہ ان کا دفتر کھولا جائے گا، اور ان پر اجر کی بارش برسائی جائے گی، پھر اس آیت کی تلاوت کی: ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ صابرین کو بغیر حساب کے اجر عطا فرمائیں گے۔ (مجمع الزوائد: ۲/ ۳۰۵- دار الکتاب العربی، بیروت-)

دیکھو! نماز اگر گھر پر پڑھیں تو ایک نماز کا ثواب اور مسجد میں ۲۷/ نمازوں کا ثواب، اور مدینہ پاک میں ۵۰/ ہزار نمازوں کا ثواب، اور مسجد حرام میں ا/لاکھ نمازوں کا ثواب۔لیکن صبر کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: ﴿اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ صبر کے عوض میں ثواب کی کوئی حد متعین نہیں۔

علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صبر علی الطاعۃ ،صبر عن المعصیۃ اور صبر علی البلایا اختیار کرے تو اس کے لیے یہ اجر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر موقع پر صبر کرے اور اپنی زندگی کو صبر کا نمونہ بنادے۔ اللہ پاک ہم کو دینی دنیوی واخروی عافیت نصیب فرمائے اور صابرین کی جماعت میں شامل فرمادے۔ (ماخوذ از: تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۲۵۸- مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت-)

گئی گذری مصیبت یاد آنے پر إنا للہ پڑھنے کا اجر:-

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی مسلمان کو کوئی رنج یا کوئی تکلیف پہنچی اور پھر اس پر ایک زمانہ گذر گیا، اور اس کے بعد اس کو وہ تکلیف یاد آئی اور وہ اس وقت إنا لله وإنا إليه راجعون پڑھے تو مصیبت کے وقت صبر کرنے پر جو اجر ملا تھا وہی اجر اب ملے گا۔ سبحان اللہ! اللہ کی رحمت پر غور کیجیے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے! اللہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمادے۔ (مشکوۃ شریف: ۱/ ۱۵۳)

الصبر عند الصدمة الأولیٰ :-

اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ صبر کا وقت اول ہی وقت ہے، بعد میں تو انسان صبر کرتا ہی ہے، لہٰذا جب مصیبت آئے اسی وقت صبر کرے۔ ایک حدیث میں ہے: عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال: يقول الله تبارك وتعالیٰ: يا ابن آدم! إن صبرت واحتسبت عند الصدمة الاولیٰ لم أرض لك ثوابا دون الجنة، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اگر تو صبر کرے اور صدمے کے ابتدائی مرحلے ہی پر ثواب کا طلب گار ہو تو میں تیرے لیے جنت سے کم اجر وثواب پر راضی نہیں ہوں گا۔ یعنی اس صبر اور ثواب کی امید کے بدلے میں جنت ہی میں داخل کروں گا۔ (مشکوۃ شریف: ۱ / ۱۵۳ - رواہ ابن ماجۃ -)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ ایک مرتبہ ایک عورت کے پاس سے گذرے جو ایک قبر کے پاس بلند آواز سے رو رہی تھی، فقال: اتقی اللہ واصبری، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عورت! اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر (یعنی نوحہ مت کرو ورنہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جائے گی) اور صبر کر۔ اس عورت نے اللہ کے رسول ﷺ کو نہیں پہچانا اور کہا: إليك عني، آپ دور ہٹیے! فإنك لم تصب بمصيبتي، تم میرا غم کیا جانو، جو مصیبت مجھے پہنچی ہے وہ تم کو نہیں پہنچی۔ اس نے آپ ﷺ کو پہچانا ہی نہیں تھا ورنہ ہرگز ہرگز یہ الفاظ نہیں کہتی۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تو اس سے کسی نے کہا: خدا کی بندی! وہ تو رسول اللہ ﷺ تھے، تو نے کیا، غضب کر دیا۔ فأتت باب النبي ﷺ، یہ سنتے ہی وہ بدحواس ہو گئی اور فوراً ہی بھاگتی ہوئی رسول اللہ ﷺ کے درِ دولت پر حاضر ہوئی، اس نے دروازے پر نہ کوئی دربان دیکھا نہ پہرے دار دیکھا، فقالت: لم أعرفك، اور اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو

پہچانا نہیں تھا، آپ میری گستاخی معاف فرمائیں، مجھے بہت ندامت ہے، اب مجھے صبر آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إنما الصبر عند الصدمة الأولى، صبر تو وہی کہلائے گا جو ابتداءِ مصیبت کے وقت ہو۔ (مشکوۃ شریف: ۱/ ۱۵۰- بخاری ومسلم-)

آنسو بہہ جانا رحمت ہے:-

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مطلقاً رونا منع ہے، اگر حزن وملال کی وجہ سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور اس میں چلاّ نا، گریبان پھاڑنا، نوحہ کرنا نہ ہو تو وہ رونا ممنوع نہیں ہے، اور شریعت نے اس کی ممانعت نہیں کی بلکہ اس کے متعلق حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: هو رحمة، یعنی آنسو بہانا بھی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ سبحان اللہ! شریعت کی خوبی پر غور کیجیے! ایسے موقع پر شریعت نے انسانی طبیعت کی بھی کس قدر رعایت کی ہے۔

صاحبزادے کے انتقال پر حضور ﷺ کا غم اور آنسو:-

حدیث میں ہے، حضور اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ؓ نزع کی حالت میں تھے۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر آں حضرت ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں؟ فقال: يا ابن عوف! إنها رحمة حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابن عوف! آنسوؤں کا بہنا رحمت ہے۔ ثم أتبعها بأخرى اس کے بعد پھر حضور ﷺ کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ فقال: إن العين تدمع، والقلب يحزن، ولا نقول إلا مايرضى ربنا، وإنا بفراقك يا إبراهيم لمحزونون حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، اور دل غمگین ہے، مگر اس کے باوجود ہماری زبانوں پر وہی الفاظ ہیں جن سے ہمارا رب راضی رہے، اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے بے شک غمگین ہیں۔ (مشکوۃ شریف- بخاری ومسلم-: ۱/ ۱۵۰)

نواسے کے انتقال پر آں حضور ﷺ کے آنسو:۔

اسی طرح حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب ؓ کے صاحبزادے کی وفات کا وقت قریب تھا، انہوں نے حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیغام بھیجا کہ میرے بیٹے کا آخری وقت ہے، آپ تشریف لے آئیں، آں حضرت ﷺ نے ان کو سلام کہلوایا اور یہ کہلوایا کہ ”إن لله ما أخذ وله ماأعطى وكل عنده بأجل مسمى فلتصبر ولتحتسب“ جو چیز یعنی اولاد وغیرہ خدا نے لے لی وہ بھی انہی کی تھی، اور جو چیز اللہ نے دے رکھی ہے وہ بھی انہی کی ہے، اور خدا کے نزدیک ہر چیز کا وقت مقرر ہے، لہٰذا تمہارے بیٹے کی زندگی اتنے ہی دنوں کے لیے لکھی گئی ہوگی، اس لیے اللہ پاک اگر اپنی امانت لے لیں تو تم کو چاہیے کہ صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو۔ اس کے بعد حضرت زینب ؓ نے دوبارہ آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تشریف لے آئیں، چنانچہ حضور ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ، حضرت معاذ بن جبل اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ جب حضرت زینب ؓ کے گھر پہنچے تو بچہ آپ ﷺ کی گود میں دے دیا گیا جو سکرات اور جاں کنی کی حالت میں تھا، ففاضت عيناه، یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، فقال سعد: يارسول الله! ماهذا؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ فقال: هذه رحمة جعلها الله في قلوب عباده، فإنمايرحم الله من عباده الرحماء، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا فرمایا ہے، اور یہ بات ذہن نشین کرلو! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف انہی لوگوں پر رحمت اور مہربانی فرماتے ہیں جو اپنے اندر دوسروں پر رحم کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ (مشکوۃ شریف: ۱/ ۱۵۰)

مسلمان کے لیے مصائب کفارۂ سیئات ہیں:-

دنیا میں مسلمان پر مصائب اور رنج آتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر اجر عطا فرماتے ہیں اور گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے، اور دنیا ہی سے وہ بالکل پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتا ہے اور بعض مرتبہ انسان پر جو مصیبت آتی ہے وہ بطورِ عذاب بھی ہوتی ہے۔

مصائب رحمت ہے یا عذاب، اس کی پہچان:-

مصیبت رحمت ہے یا عذاب؟ اس کی پہچان کے متعلق محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے: جس مصیبت کے بعد آدمی کے قلب میں سکون ہو، اس پر اطمینان ہو، تقدیر الٰہی پر راضی ہو، اللہ پاک کی طرف رجوع اور انابت کی توفیق حاصل ہو تو سمجھ لو، ان شاء اللہ اس مصیبت سے گناہ معاف ہوں گے یا درجات بلند ہوں گے، کفارۂ سیئات ہوگا یا رفعِ درجات ہوگا۔ اور اگر مصیبت کے بعد بے صبری کا مظاہرہ ہو، شکوہ شکایت ہو، فضول بک رہا ہو تو یہ اچھی علامت نہیں ہے، یہ عذاب ہے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور صبر وشکر کی توفیق عطا فرمادے۔

مصیبت کے وقت کیا کریں؟

اس لیے جب کوئی مصیبت آئے تو سب سے پہلے اپنے گناہوں کو یاد کریں تاکہ اپنے گناہوں کا استحضار ہو۔ مصیبت سے پریشان نہ ہو کیوں کہ اپنی خطاؤں پر جو تنبیہ اور سزا ہوتی ہے اس سے شکایت نہیں ہوتی بلکہ انسان خود نادم ہوتا ہے کہ میں اسی قابل تھا، اور پھر اجر کو یاد کریں کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت پر صبر کا بہت ثواب رکھا ہے، بس ثواب کو یاد کر کے اپنا غم ہلکا کریں اور اس مصیبت اور رنج پر ثابت قدم رہیں۔ خدا تعالیٰ کی شکایت نہ کریں، کوئی بات ایمان اور اسلام کے خلاف زبان و دل پر نہ آنے دیں۔ اور یہ ہرگز نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوگئے ہیں، کیوں کہ یہ خیال بہت خطرناک ہے، اس سے اللہ کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ضعیف ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ زائل ہوجاتا ہے، لہٰذا ایسے خیال

سے بچیں ۔ (شریعت وتصوف: ۱۸۷)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرماویں اور ہم سب سے راضی ہو جاویں اور صبر و شکر کی توفیق عنایت فرماویں اور حسنِ خاتمہ عطا فرماویں ۔ آمین ۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

مسلمانوں کی صفات قرآن کے آئینے میں

(۳)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم.أمابعد:فأعوذبالله من الشیطن الرجیم،بسم الله الرحمن الرحیم:﴿اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا﴾صدق الله العظیم.

الصبر عند الصدمة الأولی کا مطلب:-

بزرگانِ محترم اور مخلص دوستو! مؤمنین اور مؤمنات کی صفات کے متعلق الحمدللہ تذکرہ چل رہا ہے۔اللہ پاک یہ سب صفات ہم سب کو اور ہماری محترم ماں بہنوں کو بھی نصیب فرمائے، اوران صفات کی حقیقت سے ہماری زندگیوں کو مُحلّٰی اور مُجلّٰی فرمادے۔آخر میں صبر کے بارے میں کچھ باتیں عرض کی تھیں، ایک خاتون کا واقعہ عرض کیا تھا کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ ایک عورت کے پاس سے گذرے، وہ ایک قبر کے پاس بیٹھ کر رورہی تھی، تو حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: اتقی الله واصبری اللہ سے ڈراور صبر کر، قالت: إلیك عنی، اس نے حضورِ اقدس ﷺ کو اپنے شدتِ غم کی وجہ سے نہیں پہچانا اور نامناسب جواب دیا کہ آپ کو یہ مصیبت نہیں پہنچی ہے،

لہٰذا آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔ فقیل لها، اس سے کہا گیا: خدا کی بندی! تو نے کیا کہا؟ یہ کہنے والے حضور ﷺ ہیں۔ فوراً سنبھل گئی اور اس کو اپنے قول پر ندامت ہوئی اور فوراً حضور ﷺ کے درِ دولت پر حاضر ہوئی، جب وہاں پہنچی تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے مبارک گھر پر نہ کوئی بوّاب ہے نہ کوئی چوکیدار، اور بغیر کسی رکاوٹ کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اب صبر آ گیا ہے، میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، فقال: إنما الصبر عند الصدمة الأولى، صبر تو مصیبت کی ابتدا ہی میں ہونا چاہیے۔

(مشکوۃ شریف: ۱/ ۱۵۰- باب البکاء علی المیت)

یعنی جب مصیبت آئے اسی وقت صبر کرنا چاہیے، بعد میں تو انسان صبر کرتا ہی ہے، آخر کب تک روئے گا اور کب تک اپنی مصیبت لوگوں سے کہتا پھرے گا، آخر میں صبر کرنا ہی پڑے گا، مگر اس وقت صبر بیکار۔ اگر پہلے ہی سے صبر کرے اور قضائے الٰہی پر راضی ہو جائے تو بے حد و حساب اجر و ثواب کا حقدار بن جائے۔ اس لیے جب انسان پر کوئی مصیبت آئے، کوئی غم کی چیز آ جائے، کچھ نقصان ہو جائے، کچھ گم ہو جائے تو اسی وقت صبر کرے اور اللہ پاک سے اجر کی امید رکھے۔ اللہ پاک کو منظور ہو گا تو وہ چیز مل جائے گی، اللہ پاک وہ غم اور پریشانی دور فرما دے گا۔

مصائب کی ابتدا پر صبر کی ایک عام فہم مثال:-

ہمارے حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ اس کی ایک عام فہم مثال یہ دیا کرتے تھے کہ اگر محلے میں کسی کے گھر شادی بیاہ کی کوئی تقریب ہوتی ہے تو کبھی کبھار پڑوسیوں کے برتن بھی استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اس موقع پر برتن اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں، تو گھر کی عورتیں ہر گھر میں اپنا برتن تلاش کرواتی ہیں، اگر مل گیا تو فبہا ورنہ پھر باہر کھڑے ہو کر لعن طعن اور کوسنا شروع کر دیتی ہیں کہ جس نے میرا برتن لیا ہوا ہے اس کے ہاتھ ٹوٹے اور اس کا بیڑا غرق ہو وغیرہ وغیرہ،

اور آخر میں کہتی ہے کہ جاؤ صدقہ۔ تو اگر صدقہ ہی کرنا تھا تو پہلی بار کر دیتی۔ اسی طرح رونے دھونے اور جزع فزع کرنے کے بعد صبر کرنا ایسا ہی ہے۔ حضرت نے ایسی عام فہم مثال بیان فرمائی ہے۔ برسوں گذرنے کے بعد بھی یہ حدیث إنما الصبر عند الصدمة الأولى بھول نہیں سکتے، ایک عام آدمی کے دماغ میں بھی آجائے۔

عافیت مانگنا چاہیے:-

صبر کے سلسلے میں آپ حضرات کی خدمت میں عرض کیا کہ صبر پر اللہ پاک کے بڑے بڑے وعدے ہیں، اور صبر کی کئی قسمیں ہیں: صبر علی الطاعات، صبر عن المعصیۃ، صبر علی البلایا، لیکن انسان اللہ پاک سے عافیت مانگتا رہے، عافیت بہت بڑی چیز ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بخار کو بُرا بھلا نہ کہو، کیوں کہ اس سے انسان کے گناہ ایسے معاف ہوتے ہیں جیسے بھٹی میں لوہے کے جانے سے اس کا زنگ دور ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۴/ ۱۹۹۳- دار الکتب العلمیۃ، بیروت-)

دیکھیے! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث پاک میں بخار کو بُرا کہنے سے منع فرمایا، یعنی اس پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی، اور اس کی فضیلت بیان فرمائی کہ اس سے بنی آدم کے گناہ اس طرح معاف ہوتے ہیں جیسے کہ زنگ آلود لوہا بھٹی میں جا کر بالکل صاف ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حضرت ابو الدرداءؓ سے منقول ہے کہ ایک رات کا بخار ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان: ۱۲/ ۲۸۳- مکتبۃ الرشد-)

بخار پر اجر اور ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ:-

بخار پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ یاد آیا۔ ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آں

حضرت ﷺ سے پوچھا کہ بخار کا صلہ کیا ہے؟ بخار پر اللہ پاک کیا اجر عطا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک بخار کی وجہ سے انسان کمزور رہے اور اس کے قدم لڑکھڑاتے رہیں یا اس کی نبض تیز چلتی رہے اس وقت تک اس کے حق میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر دعا فرمائی کہ خدایا! میں تجھ سے بخار کا سوال کرتا ہوں جو نہ مجھے تیری راہ میں جہاد کرنے سے روک سکے اور نہ تیرے گھر اور تیرے نبی ﷺ کی زیارت سے اور مسجد تک جانے سے روک سکے۔ یعنی بخار بھی رہے اور یہ سب دینی کام بھی اس کے ساتھ ساتھ ہوتے رہیں۔ چناں چہ اس کے بعد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ بخار رہتا تھا، جو شخص بھی ان کو چھوتا تھا اسے بخار محسوس ہوتا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے یہ واقعہ تراشے میں ابن الجوزی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی: ۱/ ۱۴۱- دار الحرمین، القاہرۃ- تراشے: ص ۲۲)

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ نے منتخب احادیث میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے، وہ بھی سن لیجیے! عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: لا تزال المليلة والصداع بالعبد والأمة وإن عليهما الخطايا مثل أحد فما يدعهما وعليهما مثقال خردلة۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی بندہ یا بندی پر مسلسل رہنے والا بخار یا دردِ سر اُن کے گناہوں سے رائی کے دانے کے برابر بھی کسی گناہ کو نہیں چھوڑتا ہے، اگر چہ ان کے گناہ اُحد پہاڑ کے برابر ہوں۔

(مسند ابی یعلی: ۴/ ۳۰۹- المکتبۃ الشاملۃ- منتخب احادیث: ۴۸۳)

نیز حضرت حسن رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک رات کے بخار سے مریض کے سارے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ (منتخب احادیث: ۴۸۴)

بخار کے سلسلے میں حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ کا واقعہ:-

حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ جو دار العلوم بری (انگلینڈ) میں شیخ الحدیث تھے، (بندے کے خسر بھی ہیں، مدینہ منورہ - زادہا اللہ شرفاوعزا - میں ۲۸/رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ مطابق: ۱۷/فروری ۱۹۹۶ء کی رات کو بوقتِ تہجد بحالتِ سجدہ وصال ہوا، اور جنت البقیع میں مدفون ہیں) زندگی کے آخری سالوں میں ان کا معمول تھا کہ رمضان المبارک حرمین شریفین میں گذارا کرتے تھے، کیوں کہ حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ کا اکثر و بیشتر بیرون ملک کا سفر بندے کے غریب خانے سے ہی ہوتا تھا، اکثر بندہ ہی حضرتؒ کو ایئرپورٹ پہونچاتا تھا۔ جس سال ان کا انتقال ہوا، ابتداءِ سفر ہی سے بیمار تھے، اور یہ بیماری تقریباً پورے سفر میں رہی۔ مختلف امراض تھے اور اس میں بخار بھی تھا، اور مرض کی وجہ سے مختلف قسم کی دوائیں اور گولیاں معالج نے تجویز کر رکھی تھیں، ایک ڈبیہ میں چند گولیاں تھیں، ان پر اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا تھا: یہ بخار کی گولیاں ہیں، ان کے پاس کوئی صاحب بغرضِ عیادت حاضر ہوئے اور باتوں باتوں میں دوا کا تذکرہ آیا، بخار کی گولیوں کا بھی تذکرہ آیا اور انہوں نے پوچھا: حضرت! یہ گولیاں آپ استعمال کرتے ہیں یا نہیں؟ فرمایا: فی الحال یہ گولیاں استعمال نہیں کرتا ہوں، مگر یہ بات تم میرے بیٹے مولوی نور الحق سلّمہ کو مت بتانا۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی اور اسی مرض میں انتقال ہوگیا۔ اس وقت تو بات کسی کو سمجھ میں نہیں آئی کہ بخار تھا، اس کے باوجود بخار کی گولیاں کیوں استعمال نہیں فرمائی، اب بات سمجھ میں آئی۔ اللہ والوں کی نظر جہاں جاتی ہے ہماری نظر وہاں نہیں جاتی، ہم اپنے اعتبار سے سوچتے ہیں اور وہ اپنے اعتبار سے۔ ان کی نظر اللہ پر ہوتی ہے، کس طرح اللہ پاک کا قرب نصیب ہو، اجر وثواب ملے، کس طرح اللہ پاک خوش ہوجائے، ان کی نظر ان باتوں پر ہوتی ہے۔ اللہ پاک ہم کو بھی یہ جذبہ اور شوق عطا فرمادے، عافیت کے ساتھ اپنا قرب

اور تعلق نصیب فرماوے اور ہم سب سے راضی ہو جائے۔آمین۔

چھوٹی چھوٹی تکلیف پر بھی اجر ملتا ہے:-

صبر پر بات چل رہی تھی، اللہ پاک صبر پر اجر عطا فرماتے ہیں، چھوٹی چھوٹی تکالیف پر بھی ایمان والوں کے لیے اجر لکھا جاتا ہے۔آپ نے بار بار سنا ہوگا کہ ایمان والوں کو ایک ٹھوکر لگتی ہے اس پر بھی اجر ملتا ہے، ایک کانٹا چبھ جاتا ہے اس پر بھی اجر ملتا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جاتی ہے، یہاں تک کہ ایک کانٹا بھی جو چبھتا ہے۔(بخاری ومسلم، الترغیب والترہیب: ۴/ ۲۸۵) حدیث میں یہاں تک ہے کہ کوئی ایسی معمولی بات پیش آگئی کہ اس کی وجہ سے ذرا پریشانی ہوئی، اللہ پاک اس پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں۔مثلاً: آپ خریداری کے لیے گئے، اپنی ضرورت کی چیزیں خریدی، ایک جیب میں یہ سمجھ کر ہاتھ ڈالا کہ اس جیب میں پیسے ہیں، اتفاق سے اس جیب میں پیسے نہیں تھے، اب آپ پریشان ہوئے اور دوسری جیب میں پیسے تلاش کرنے شروع کیے، اور دوسری جیب میں پیسے مل گئے، بس اس وقت جو ذرا سی پریشانی اور بے چینی ہوئی، آپ اندازہ لگائیے! یہ کتنی پریشانی ہے، ایک دومنٹ میں ختم ہوگئی، مگر اللہ پاک اس پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں۔اللہ اکبر! اللہ پاک اہل ایمان پر کس قدر مہربان ہیں، ان کی طرف سے ہمارے لیے رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔اللہ پاک ہمیں اس کی قدر نصیب فرمائے، لیکن ہم چوں کہ کمزور ہیں، ضعیف ہیں اس لیے ہمیں تو عافیت ہی مانگنا چاہیے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی حکمت بھری دعا، عجیب واقعہ:-

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ جو بہت بڑے پائے کے ولی کامل گذرے ہیں، ہمارے بزرگوں کا سلسلہ انہی سے ملتا ہے، ایک مرتبہ یہ مضمون بیان فرمارہے تھے کہ مصائب بھی اللہ تعالیٰ

کی نعمت ہے، جو تکلیف اور بیماری بندے کو پہنچتی ہے اس پر اجر ملتا ہے۔ یہ مضمون بیان کر کے فارغ ہی ہوئے ہوں گے کہ چار پانچ شخص ایک بیمار کو ایک چار پائی پر اٹھا کر لائے، اس مریض کو انتہائی خطرناک پھوڑا نکلا ہوا تھا، دنبل تھا، جس کی وجہ سے اس کی حالت قابلِ رحم تھی، درد اور تکلیف کی وجہ سے تڑپ رہا تھا، ان لوگوں نے حاجی صاحبؒ سے دعا کی درخواست کی کہ یہ بیمار ہے، دنبل نکلا ہوا ہے، اس کے لیے صحت کی دعا فرمادیں۔

حضرت تھانویؒ نے یہ واقعہ نقل فرمایا ہے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں ایک عجیب اشکال پیدا ہوا کہ حضرت اگر شفا کی دعا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ازالۂ نعمت کی دعا ہوئی، اس لیے کہ مصائب اور امراض کا نعمت ہونا ابھی ابھی بیان فرمایا ہے، اور اگر دعا سے انکار کرتے ہیں تو آنے والے حضرات کی دل شکنی ہوگی، جو اخلاق کے خلاف ہے۔ جب ان حضرات نے دعا کی درخواست کی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنا شروع کی: اے اللہ! بیماری بھی ایک نعمت ہے، صحت اور تندرستی بھی ایک نعمت ہے، اے اللہ! یہ ضعیف بندہ بیماری والی نعمت کے تحمل کی طاقت نہیں رکھتا، کمزور ہے، ضعیف ہے، اے اللہ! اس نعمت کو صحت کی نعمت سے تبدیل فرمادیجیے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: حضرت حاجی صاحبؒ کی دعا ہی سے تمام اشکالات ختم ہوگئے، آنے والوں کی دلداری بھی ہوگئی، دعا بھی ہوگئی اور جو مضمون ارشاد فرمارہے تھے وہ بھی اپنی جگہ برقرار رہا، اور ان میں بظاہر جو تعارض تھا وہ بھی مرتفع ہوگیا۔ لہٰذا بے شک مرض اور بیماری بھی نعمت ہے، صحت وتندرستی بھی نعمت ہے۔ ہر انسان ہر نعمت کا متحمل نہیں ہوتا، لہٰذا اس کے حال کے مناسب جو نعمت ہو اس کے حصول کی دعا کردی جائے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی دعا کی برکت سے ہی شرحِ صدر ہوگیا۔ یہ اللہ والوں کی حالت ہوتی ہے، اللہ پاک ان کے قلوب پر ایسی

حکمت کی باتیں کھولتے ہیں۔

سونا چاندی جمع کرنا:-

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ایک غزوے سے واپس تشریف لا رہے تھے، تو قرآن پاک کی ایک آیت نازل ہوئی: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ. يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ، هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ﴾۔ اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے، جس دن کہ ان کے مال کو آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانی اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھ کو داغ دیا جائے گا۔

ان اعضاء کو بالترتیب بیان کیا گیا، اور جہنم میں اس لیے داغا جائے گا کہ جب ان کے پاس کوئی سائل، کوئی حاجت مند آتا تھا اور اپنی ضرورت پیش کرتا تھا تو چہرے پر بل آتا تھا، پھر اس سے پہلو تہی کرتا، اپنا پہلو اس سے دوسری طرف پھیر لیتا اور پھر آخر میں سائل کو پیٹھ دکھا کر چلا جاتا تھا۔

تو اللہ پاک فرماتے ہیں: سائلوں کے ساتھ تم نے ایسا کیا تھا، اب تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی کیا جائے گا، اور اس کو کہا جائے گا: ﴿هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ﴾ یہ وہی خزانہ ہے جسے تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، ﴿فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ﴾ پس اب اپنے جمع کیے ہوئے کا مزہ چکھو۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ کی تفسیر اور اس آیت کا مصداق:-

جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم چونک گئے کہ ہم میں سے ہر ایک

کے پاس کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: أنا أفرج عنکم، میں حضور ﷺ کے پاس جاتا ہوں اور اس آیت کے بارے میں تحقیق کرتا ہوں کہ آیتِ کریمہ کا کیا مطلب ہے؟ چناں چہ وہ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا نبي الله! إنه کبر علی أصحابك هذه الآية، یا نبی اللہ! یہ آیت آپ کے صحابہ پر بہت بھاری ہوگئی اور وہ اس سے بہت گھبرا گئے، ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ تو سونا چاندی اور مال ہوتا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے پاس سونا چاندی بقدرِ نصاب ہے اور اس کی وجہ سے ان پر زکوۃ واجب ہے، مگر وہ لوگ زکوۃ ادا نہیں کرتے، ان کے لیے یہ عذاب ہے، اور جو لوگ اپنے سونے چاندی اور اپنے پورے مال کی پوری پوری زکوۃ ادا کر دیتے ہیں تو ان کے لیے یہ عذاب نہیں اور وہ اس آیت کے مصداق نہیں، بلکہ جو زکوۃ وہ ادا کرتے ہیں وہ زکوۃ ان کے بقیہ مال کو بھی پاکیزہ بنا دیتی ہے۔ فقال رسول الله ﷺ: إن الله لم يفرض الزكوة إلا ليطيب مابقي من أموالكم، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے تکبیر کہی اور مطمئن ہو گئے، اور صحابہؓ کو بھی اطمینان ہو گیا۔ (مشکوۃ شریف: ۱/۱۵۶)

جمع کرنے کے قابل یہ چار نعمتیں ہیں:-

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: کاش! ہمیں معلوم ہوتا کہ کونسا مال بہتر ہے تو ہم اس کو جمع کرتے، تو پھر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو جمع کرنے کی چیز نہ بتاؤں؟ اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کو چار نعمتیں مل گئیں اس کو سب نعمتیں مل گئیں، اور حقیقت میں جمع کرنے کے قابل یہ نعمتیں ہیں: لسان ذاکر وقلب شاکر وبدن صابر

وزوجة مؤمنة تعين على إيمانه،(۱) جس کو ذکر کرنے والی زبان مل جائے۔(۲) اور اللہ کا شکر ادا کرنے والا دل مل جائے۔(۳) اور صبر کرنے والا بدن مل جائے۔(۴) اور ایسی بیوی مل جائے جو اس کے ایمان میں اس کی مدد کرے۔ یہ چار نعمتیں جمع کرنے کی ہیں۔

(الترغیب والترہیب: ۳/۴۱)

جس سعادت مند کو یہ نعمتیں حاصل ہوں وہ اللہ کا شکر ادا کرے، ان کی قدر کرے اور ان نعمتوں کی حفاظت کرے، اور ان نعمتوں کے مل جانے پر یہ یقین کرے کہ اللہ پاک نے مجھے بہت عظیم الشان نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سونا چاندی اور دنیا کا مال و دولت ان نعمتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ یہ چار نعمتیں حاصل ہوں گی تو مال و دولت کا استعمال بھی صحیح ہوگا، ان کا پورا پورا حق ادا کرے گا، زکوۃ وغیرہ ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرے گا، اور یہ چار نعمتیں نہ ہوں تو ہوسکتا ہے کہ مال و دولت کا غلط استعمال ہوگا اور پھر یہ مال و دولت اس کے لیے وبال بن جائے گا۔ اللہ ہم سب کو یہ چار نعمتیں اپنے فضل سے عطا فرمائے اور ان کی قدر نصیب فرمائے۔ آمین۔

مصائب گناہوں کا کفارہ یا رفعِ درجات کا ذریعہ:-

بات یہ چل رہی تھی کہ مصائب اور ناموافق حالات پر صبر کرنے پر کیا اجر ملتا ہے۔ اسی صبر کی مناسبت سے یہ حدیث پاک الحمدللہ بیان ہوگئی۔ جس کو صبر کی نعمت مل گئی، بہت بڑی نعمت اس کو مل گئی، اور بہت بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ اس کو حاصل ہوگیا۔ ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ اللہ پاک صابرین کو بغیر حساب کے اجر عطا فرمائیں گے۔ پھر آپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ مصیبت آئی ہے تو مُكَفِّر للذنوب یعنی گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے یا رفعِ

درجات کا ذریعہ بنتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مصائب کے سلسلے میں عجیب وغریب بات:-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں بڑی عجیب بات فرمائی کہ جب مصیبت آئے تو سوچ لو کہ کیا پایا اور کیا کھویا؟ یہ مصیبت جو آتی ہے اگر دنیا کی چیزوں پر آتی ہے، مثلاً: خدانخواستہ دکان لٹ گئی، تجارت میں گھاٹا آ گیا، بیمار ہو گیا، آنکھ پر مصیبت آ گئی، تو یہ مصیبت جو آئی ہے یہ دنیا کی چیزوں پر ہے، اور دنیا کی چیزیں ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہیں۔ یہ صحت وتندرستی بڑھاپے میں ختم ہو جائے گی یا پھر موت ان سب چیزوں کا صفایا کر دے گی، لہٰذا دنیا کی یہ چیزیں تو جانے والی تھیں، چلی گئیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مصیبت دین پر آئی۔ نماز کا پابند تھا، وہ پابندی نہ رہی، دین کا خیال رہتا تھا، اس پر عمل کرتا تھا اب اس دینداری میں کمی آ گئی۔ تو مصیبت کی یہ دو صورتیں ہیں، اب اگر پہلی صورت ہے تو فکر کی بات نہیں۔ "در مصیبت گرفتار آید نہ در معصیت"، معصیت میں گرفتار نہیں ہوا بلکہ حالات آنے پر اور زیادہ اللہ کی طرف توجہ بڑھ گئی، اور زیادہ پابند ہو گیا، زبان پر کوئی شکوہ شکایت نہیں بلکہ قضاءِ الٰہی پر راضی ہے، اور اپنے گناہوں پر توبہ واستغفار کی توفیق مل گئی ہے، اگر یہ صورت ہے تو الحمد للہ۔ یہ حالت فکر کی نہیں ہے کہ "در مصیبت گرفتارم نہ در معصیت"، اللہ تیرا شکر ہے، مصیبت تو ہے مگر الحمد للہ معصیت اور گناہ میں گرفتار نہیں ہوں۔ دنیا کی چیزیں آنے جانے والی ہیں، تقدیر الٰہی میں ضائع ہونا تھا وہ ہو گئی، صبر کر لیا۔ اگر مصائب کی یہ صورت ہے تو یہ صورت فکر کی نہیں ہے، ان شاء اللہ یہ مصائب اور حالات اس کے لیے کفارۂ ذنوب ہیں یا رفعِ درجات کا ذریعہ ہیں۔ لیکن اگر دین کی مصیبت ہے تو یہ بہت خطرناک اور فکر کی چیز ہے۔ حالات جب آئے تو بجائے توبہ واستغفار کے بے صبری ہے، شکوہ شکایت ہے۔ پہلے

مسجد میں آتا تھا، اب اپنی مصیبت کا بہانہ بنا کر مسجد سے بھی غائب ہے، اور مصیبت کا نام لے کر بے دینی اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی میں مبتلا ہے، تو یہ صورت بہت فکر کی ہے۔ تمام مصیبتوں اور حالات سے ہم سب کی اللہ پاک حفاظت فرمائے۔ آمین۔

اس سے بڑی مصیبت بھی تو آسکتی تھی!

بزرگو اور دوستو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسری بات یہ فرمائی کہ جب انسان پر کوئی مصیبت آئے تو یہ سوچے کہ اس سے بڑی مصیبت بھی تو آسکتی تھی، اللہ تیرا شکر ہے کہ بڑی مصیبت سے بچا لیا۔ اور ایسے وقت دنیا والوں کو بھی دیکھے تو معلوم ہوگا کہ لوگ اس سے بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے بھی اللہ پاک کا شکر ادا کرے اور جس مصیبت میں مبتلا ہے اس پر صبر کرے۔ اس طرح سوچے گا تو ان شاء اللہ اس سوچ سے بھی اس کو تسلی ہوگی، صبر کی بھی اور شکر کی بھی توفیق ملے گی۔

حضرت ہردوئیؒ جب انگلینڈ گئے......:-

حضرت شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ ۱۹۹۳ء میں لندن تشریف لائے، فلائٹ تین گھنٹے لیٹ آئی، میزبان نے ایئرپورٹ پر استقبال کر کے اپنے غم اور افسوس کا اظہار کیا، اور کہا کہ آپ کو زحمت ہوئی، فلائٹ لیٹ ہوگئی، فرمایا: اللہ کا شکر کرو، فلائٹ چھ گھنٹے لیٹ ہوتی تو ہم کیا کرتے؟ تو دیکھیے! اللہ والوں کی نظر ہر حال میں شکر ادا کرنے پر جاتی ہے۔

اس طرح سوچے گا تو صبر آجائے گا:-

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتنی پیاری بات فرمائی کہ جب مصیبت آئے تو اول یہ سوچو کہ یہ مصیبت میرے دین پر آئی ہے یا دنیا پر؟ اگر دنیا پر آئی ہے تو فکر کی بات نہیں، دنیا تو جانے والی

تھی چلی گئی، آج نہیں تو کل چلی جاتی۔ دین پر مصیبت ہو تو یہ فکر کی چیز ہے، اور اس کے ساتھ یہ سوچے کہ اس سے بڑی مصیبت آسکتی تھی اور اس کے ساتھ یہ بھی سوچے کہ مصیبت پر اجر ملتا ہے۔ اگر ان باتوں کو سوچے گا تو صبر آجائے گا۔

کون اللہ تعالیٰ کا محبوب ومقبول بننا چاہتا ہے؟

بزرگانِ محترم! توجہ فرمائیے، اللہ تعالیٰ ایک جگہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی تعریف میں کتنی پیاری بات بیان فرماتا ہے: ﴿إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾۔

ابراہیم علیہ السلام بڑے مقتدا تھے، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے، بالکل ایک طرف کے ہورہے تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکرگذار تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کرلیا تھا اور ان کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تھا، اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانوں کی شکرگذاری یہ ہے کہ دین کی راہ اختیار کی جائے، صراطِ مستقیم پر چلا جائے اور احکامِ الٰہی کی پیروی کی جائے، اور شرک سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا اور اس کا انعام یہ ملے گا کہ خداوند قدوس ہم کو قبول فرمائے گا اور ہر علم وعمل میں ہم کو بھی سیدھی راہ دکھائے گا۔ اس تفصیل سے پتہ چلا کہ شکر ایمان کا جزو، دین کی اصل اور اطاعتِ الٰہی کی بنیاد ہے، یہی وہ جذبہ ہے کہ جس کی بنا پر بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی قدر وعظمت اور محبت پیدا ہونی چاہیے، اور اسی قدر وعظمت ومحبت کا قول وعمل کے ذریعے اظہار کا نام شکر ہے۔

صبر کرنے پر اللہ تعالیٰ بندے کو مجتبی اور مصطفی بنالیتا ہے:-

تو اللہ تعالیٰ قرآن میں بیان کرتا ہے: ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ﴾ صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں۔ اللہ پاک کی طرف سے صبر کرنے والوں کو کیا اجر ملتا ہے؟ الحمد للہ وہ بیان ہوا۔ ایک حدیث یاد آئی وہ سنا دوں، انسان پر جو حالات اور مصائب آتے ہیں اور وہ ان پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مجتبیٰ بنا دیتا ہے، وحین رضی اصطفی اور جب اس پر وہ راضی رہتا ہے تو اس کو مصطفیٰ بنا دیتا ہے۔ یہ مجتبیٰ سے اونچا درجہ ہے۔ یہ دونوں نبی کریم ﷺ کے لقب ہیں۔ مجتبیٰ کے معنیٰ منتخب شدہ، اور مصطفیٰ کے معنیٰ پسندیدہ۔ (تفسیر جواہر مکیہ، فیض ابرار: ۵/ ۸۷)

مجتبیٰ اور مصطفیٰ میں فرق:-

مجتبیٰ اور مصطفیٰ کے معنی بظاہر ایک ہیں مگر ان میں ذرا سا فرق ہے۔ حضرت مولانا سید ابرار احمد دھلیویؒ -اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے- نے ان دونوں کے فرق کو ایک مثال سے بڑی اچھی طرح سمجھایا ہے، فرماتے تھے: ان دونوں کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لیے ایک مثال سمجھو کہ تمہارا ایک دوست ہو اور اس کا آم کا باغ ہو، وہ آپ کے لیے آم کے باغ سے چن چن کر آم کا ایک ٹوکرا لائے تو اس کو کہتے ہیں مجتبیٰ۔ اور پھر آپ نے ان میں سے چند آم چن کر لے لیے تو یہ ہے مصطفیٰ۔

حضور ﷺ مجتبیٰ بھی ہیں اور مصطفیٰ بھی ہیں:-

حضورِ اقدس ﷺ ساری مخلوق، تمام انسانیت بلکہ تمام انبیاء ورسل میں مجتبیٰ تھے، اور پھر اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں میں سے حضورِ اقدس ﷺ کو پسند کرلیا، یہ مصطفیٰ ہو گئے۔ ذوق دہلوی نے بہت عمدہ اور عجیب بات کہی ہے: ؎

رتبے کو میرے قیصر و سنجر سے کیا مطلب ۞ میں تو غلام ہوں شاہِ عراق و حجاز کا

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے:؎

نہ توبہ پر نہ طاعت پر نہ زہد و اتقاء پر ۞ مجھے جو کچھ ناز ہے محمد مصطفیٰ پر

تو اگر انسان مصائب پر صابر رہے تو اللہ تعالیٰ اجتباء کا مقام عطا فرماتا ہے، اور اگر قضائے الٰہی پر راضی رہے تو اصطفاء کا مقام عطا فرماتا ہے۔ تو کتنی صفات ہوگئیں؟ ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ﴾

﴿وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ﴾ عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ عاجزی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا بندہ بن کر رہے۔

تواضع اور عاجزی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے:-

عاجزی اور تواضع اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام پر وحی بھیجی کہ "أن تواضعوا لله" اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تواضع اور انکساری یہ ہے کہ عبادت کرے، سارے حکموں کو پورا کرے لیکن اس کے بعد عجب پیدا نہ ہو، غرور پیدا نہ ہو کہ میں بڑا ہوں، میں متقی ہوں، مجھ سے اچھا کوئی نہیں۔ دنیا میں جتنے انسان ہیں سب اولادِ آدم ہیں، اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے: لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي إلا بالتقوىٰ، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں، اسی طرح کسی کالے کو کسی گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ذریعے۔ ہاں! جس کے اندر تقویٰ ہوگا اس کا اللہ پاک کے یہاں مقام ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم

ومعزز ہے۔﴿اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ﴾۔اس لیے دوستو! غرور وفخر، عجب وتکبر نہ ہونا چاہیے، دوسروں کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہیے۔

دوسروں کی عزت کا خیال رکھیے!

ایک مسلمان کو ہمیشہ دوسرے اپنے مسلمان بھائی کی عزتِ نفس کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔اپنے کسی قول وفعل سے دوسرے کی تحقیر اور اذیت اور تکلیف پہنچانے سے پرہیز کرے۔

سب سے زیادہ پسندیدہ حضرات کون ہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إن أحبَّكم إليَّ أحسنُكم أخلاقا،الموطِّئون أكنافا،الذين يألفون ويُؤلفون، وأبغضَكم إلى الله المَشّاءون بالنميمة،المُفرِّقون بين الأحبة، الملتمسون للبرآء العنت.(المعجم الاوسط:۷/ ۳۵۰-دار الحرمین مصر-) مجھے تم میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ وہ لوگ ہیں جو اچھے اخلاق رکھنے والے ہوں، جو تواضع کی وجہ سے گویا لوگوں کے سامنے بچھے جاتے ہیں، جو خود بھی دوسروں سے محبت رکھتے ہیں اور دوسرے بھی ان سے مانوس رہتے ہیں۔اور میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں، دوستوں کے درمیان نفرت کا بیج بوتے ہیں اور شریفوں میں عیب ڈھونڈا کرتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا تواضع:-

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا ملفوظ گرامی بہت مشہور ہے۔ فرماتے تھے: میں اپنے کو تمام مسلمانوں سے فی الحال اور کافروں سے فی المآل کمتر سمجھتا ہوں۔ ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمان اور صاحبِ ایمان ہے، اور کافر کو مآلاً اپنے

سے افضل سمجھتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی توفیق دے دیں اور یہ مجھ سے آگے بڑھ جائے۔ (اصلاحی خطبات: ۵/ ۳۰، روح کی بیماری اوران کا علاج: ۱۴۰)

امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: تواضع لوگوں کے دلوں میں محبت کی تخم ریزی کرتی ہے، اور قناعت سچی راحت عطا کرنے کا ذریعہ ہے۔ (اللہ والوں کی محبت کا راز: ۳۹)

تکبر اور عجب کا فرق:-

بندہ جب اپنی نظر میں حقیر ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کی نظر میں عزت والا ہوتا ہے، اور جب اپنی نظر میں اچھا اور بڑا ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کی نظر میں حقیر اور ذلیل ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی دعاؤں میں ہے: اَللّٰھُمَّ اجعلني في عيني صغيرا، اے اللہ! مجھے اپنی نظر میں چھوٹا اور حقیر بنا دیجیے۔ لہٰذا اپنے کو سب سے حقیر سمجھے، یہ تواضع ہے، اور اگر اپنے کو اچھا سمجھے تو یہ عجب ہے۔ اور ایک بیماری تکبر ہے۔ حدیث میں تکبر کی تعریف اس طرح فرمائی ہے: غمط الناس وبطر الحق، یعنی لوگوں کو حقیر سمجھنا اور حق بات قبول کرنے سے اعراض کرنا۔

(مشکوۃ شریف: ۲/ ۴۳۳)

تو عجب اور تکبر کا فرق یہ ہے۔ اگر اپنے کو اچھا سمجھ رہا ہے اور دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتا تو یہ عجب ہے، اور اپنے کو اچھا سمجھنے کے ساتھ دوسروں کو حقیر اور کمتر سمجھ رہا ہے تو یہ تکبر ہے، اور دونوں حرام ہیں اور بہت سنگین گناہ ہیں۔

ایک حدیث شریف میں کتنی بڑی محرومی بیان فرمائی گئی ہے، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کی روح جسدِ خاکی سے جُدا ہوگی اور وہ تین کاموں سے بچا ہوا ہوگا تو جنت میں داخل ہوگا: (۱) مالِ غنیمت کی چوری سے (۲) قرض سے (۳) تکبر سے۔

(موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان: ۵/ ۲۸۳ - دار الثقافۃ العربیۃ، بیروت-)

کتنے افسوس کی بات ہے کہ تکبر اس قدر ناپسندیدہ ہونے کے باوجود ہمارے معاشرے میں مرد وعورت اس لعنت میں گرفتار ہیں، کسی کو ذرا طاقت وقوت حاصل ہوتی ہے تو وہ آپے سے باہر ہوجاتا ہے۔ کسی کو مال ودولت مل جاتی ہے تو وہ اتراتا پھرتا ہے، اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے، کسی غریب کو سلام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، دوسروں کو حقیر جاننے لگتا ہے، فرعون بن جاتا ہے۔ ایسے ہی اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو علم کی دولت سے مالامال کیا ہے تو وہ بجائے شکر بجالانے کے اپنے علم پر ناز کرتا ہے اور اس کے ذریعے لوگوں پر دھاک جماتا ہے۔ بعضوں کو اللہ تعالیٰ نے حسن وجمال دے رکھا ہے تو وہ اپنے حسن وجمال کا مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں، دوسروں میں عیب نکالتے پھرتے ہیں۔ کسی کو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ کمال وہنر مند بنایا ہے تو وہ اپنے کمال وہنر میں نازاں ہے، قطعاً اسے یہ یاد نہیں کہ میری حقیقت کیا ہے؟ دو پیشاب گاہ سے نکلا ہوا ہوں، اور یہ سب چیزیں چاہے مال ودولت، طاقت وقوت، علم وہنر ہو یا کمال وجمال ہو بس فانی ہیں۔ اس لیے دوستو! اپنے اندر سے تکبر کا بھوت نکال کر پھینک دیں، تواضع اور عاجزی وانکساری پیدا کریں، سب کچھ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، وہی عزت وذلت دینے والی ذات ہے، وہی عطا کرنے والا ہے، جب چاہے چھین لینے پر بھی پورا قادر ہے۔

تکبر اور عُجب کا علاج:-

بزرگوں نے تکبر کا علاج یہ بتایا ہے کہ اپنے گناہوں کو سوچا کرے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور محاسبہ کا دھیان رکھے۔ جب اپنی فکر میں پڑے گا تو دوسروں کی تحقیر، تنقید اور تبصرے سے بچا رہے گا۔ اور عُجب کا علاج یہ ہے کہ اپنے گناہوں اور عیوب کو سوچے اور یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے عیوب پر ستّاری کا معاملہ فرما رکھا ہے، میرے عیوب اور گناہوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اگر حق تعالیٰ شانہ پردہ پوشی کا معاملہ نہ فرمائیں اور میرے عیوب اور گناہ لوگوں پر ظاہر ہوجائیں تو

لوگ مجھ پر تھوکنے کے لیے بھی تیار نہ ہوں۔ انسان جب اس طرح سوچے گا تو ان شاء اللہ یہ مرض ختم ہوگا اور حق تعالیٰ کی ستاری پر شکر ادا کرے گا۔

صدقہ کے متعلق قدرے تفصیل:-

آگے ایمان والوں کی صفات میں ہے: ﴿وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ﴾ اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں۔ صدقے کے متعلق گذشتہ رمضان میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں، تاہم چند باتیں مختصراً عرض کر دیتا ہوں۔

صدقہ کا لفظ عام ہے، اور اس کا اطلاق زکوۃ پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن میں زکوۃ کو صدقہ کہا گیا ہے، صدقۂ فطر کو بھی صدقہ کہا گیا ہے۔ اور ایک صدقہ وہ ہے جو نفلی ہوتا ہے، جس کو نفلی صدقہ کہہ دیا جاتا ہے۔ نفلی صدقے کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ واجب صدقہ تو سب مالدار ادا کرتے ہیں اور اس کو ادا کرنا ضروری بھی ہے۔ اس کی تفصیل ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ. الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ میں بیان کر چکا ہوں، آج تو صرف نفلی صدقے کے متعلق بیان کروں گا۔

نفلی صدقات کی فضیلت:-

نفلی صدقات کے متعلق قرآن میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے: وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ کتنا خرچ کریں؟ جس قدر طاقت ہو، قُلِ الْعَفْوَ جو تمہارے پاس بچ جاتا ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ قرآنِ کریم بار بار دینے کا ذکر کرتا ہے۔ سب سے پہلے سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿الٓمّٓ. ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ. الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، راستہ بتلانے والی ہے خدا سے

ڈرنے والوں کو۔ خدا سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو یقین رکھتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں)

دیکھیے! اس آیتِ کریمہ میں اللہ پاک نے پورا مال خرچ کرنے کے لیے نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا ﴿وَمِمَّا﴾ کچھ خرچ کرو۔ ہاں! کچھ تھوڑا سا اس میں سے خرچ کرو، اور اس کو اللہ تعالیٰ بڑے عجیب انداز میں فرماتے ہیں، مثلاً: ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے۔ ﴿فَيُضٰعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾ میں اس کو دوگنا تگنا کر کے واپس دوں گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور یہودی کا واقعہ:-

جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہود کا ایک بڑا عالم کہنے لگا: دیکھو! اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) فقیر ہو گیا کہ ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک جگہ تشریف لے جا رہے تھے تو یہودیوں کی مجلس پر گذر ہوا، تو وہاں سے یہودیوں کا ایک بڑا عالم اشیع بھی موجود تھا، دوسرا اُن کا عالم فخاص بیان کر رہا تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو طعنہ دینے لگے کہ دیکھو! مسلمان بھی فقیر اور ان کا خدا بھی فقیر۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے رقیق القلب تھے، لیکن اسلامی غیرت کی وجہ سے برداشت نہ کر سکے، آپ کو اس بات پر اس قدر غصہ آیا کہ ایک طمانچہ لگا دیا، وہ نیچے گر گیا اور وہاں سے بھاگا، سیدھا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر پہنچ گیا کہ دیکھو! ابوبکر نے بلاوجہ مجھے طمانچہ مارا۔ پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سمجھا کہ یہ جن کی شکایت لے کر آیا ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوں گے، اس لیے کہ استاذ شاگردوں کی رگ رگ سے خوب واقف ہوتا ہے، تو آپ نے فرمایا: عمر نے مارا؟ اس یہودی نے کہا: نہیں! وہ ابوبکر ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! میں نے مارا ہے اور دل چاہتا ہے کہ ایک طمانچہ اور مار

وں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں مارا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ! اس نے یوں کہا کہ مسلمان فقیر ہیں اور ان کا اللہ بھی فقیر ہو گیا ہے۔ (معاذ اللہ) یہود تو جھوٹے ہوتے ہیں، وہ کہنے لگا: نعوذ باللہ، نعوذ باللہ، میں اللہ کو ایسا کیسے کہہ سکتا ہوں؟ ہم بھی اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، آپ کے ذریعے نہ سہی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو اللہ کا نبی مانتے ہیں، ان کے ذریعے ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: گواہ لاؤ۔

اسلام کا قانون سب کے لیے یکساں ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام اپنی جگہ، انہوں نے اسلام کی راہ میں بڑی قربانیاں دیں، اپنا پورا مال اللہ کے لیے خرچ کر دیا، لیکن اسلام کا دستور ہے "البينة على المدعى واليمين على من أنكر"، لہٰذا گواہ پیش کرو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ! ان یہودیوں کا جلسہ ہو رہا تھا، سارے ہی ظالم یہودی تھے، بھلا میں کیسے گواہ لاؤں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ صدیق اکبر کے پاس گواہ نہیں، لہٰذا اب واليمين على من أنكر کے اصول کے تحت قسم کھانا یہودی کے ذمے تھا، اس بدبخت یہودی نے جھوٹی قسم کھالی کہ میں نے اللہ پاک کی شان میں یہ لفظ نہیں کہا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ دیا، اور یہودی سے کہا کہ تم بھی ایک طمانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لگا لو! انصاف تو انصاف ہے۔ وہ یہودی بدلہ لینے ہی والا تھا کہ اوپر سے جبرئیل امین آ گئے تازہ وحی لے کر، ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾ کہ اللہ نے سن لیا ان لوگوں کی بات کو جنہوں نے کہا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾ کہ اللہ (معاذ اللہ) فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آگے فرمایا: ﴿سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا﴾ ہم وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کو لکھ بھی لیتے ہیں، ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ نبی کریم ﷺ دعوت دے رہے تھے، کوئی تصدیق کرنے والا نہ تھا، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی تصدیق کی تھی۔ آج وہ وقت ہے کہ

ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک بات کہہ رہے ہیں اور ان کی کوئی تصدیق کرنے والا نہیں، تو آسمان پر رب ذوالجلال ابوبکر کی تصدیق کر رہا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بالکل سچے ہیں اور یہ یہودی جھوٹے ہیں۔ اللہ پاک نے ان کی بات سنی اور اللہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق کر رہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: پ ۴ / ع ۱۰)

بندے صدقہ کرتے ہیں، یہ ادا اللہ پاک کو بہت پسند ہے:-

تو صدقہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ کون ہے جو اللہ پاک کو قرضِ حسنہ دے، اللہ تعالیٰ تمہیں بڑھا چڑھا کر دے گا۔ اللہ پاک کے خزانے میں کوئی کمی نہیں، مگر یہ محبت کی بات ہے کہ اللہ پاک یہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ اب جو بندے اللہ پاک کی اس پکار پر لبیک کہتے ہیں اور اللہ کے راستے میں اللہ کو راضی کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اللہ پاک کو ان کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے، اور اللہ اس پر بہت خوش اور راضی ہوتے ہیں، اور اس کا اجر بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرماتے ہیں۔

ایک مثال سے وضاحت:-

اسی بات کو ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ اپنے بچوں کے لیے میٹھی گولیاں لاتے ہیں، بسکٹ کا ڈبہ لاتے ہیں اور اپنے بیٹے کو بڑی محبت سے دیتے ہیں، اس سے بیٹا کتنا خوش ہو جاتا ہے! جب بیٹا میٹھی گولیاں اور بسکٹ لے لیتا ہے اس کے بعد باپ بیٹے سے بڑی محبت سے کہتا ہے: بیٹا! اس میں سے ایک سویٹ مجھے دو، بیٹا انکار کرتا ہے۔ پھر باپ اس کی خوشامد کرتا ہے کہ بیٹا! ایک ہمیں بھی دو۔ باپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے، باپ ہی نے بچے کو وہ میٹھی گولیاں دی ہیں، مگر باپ کو اس کی ادا پسند آتی ہے اس لیے باپ خوشامد کرتا ہے اور اس سے مانگتا ہے، اسی طرح رب ذوالجلال کو بھی بندوں کی یہ ادا بہت پسند ہے اور اللہ پاک ایسے بندوں کی جو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں تعریف بھی فرماتے ہیں: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

يُنفِقُونَ۞ ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس سے وہ لوگ خرچ کرتے ہیں۔

جو نعمت بھی اللہ تعالیٰ نے دی ہو اس میں سے خرچ کرو:-

لہٰذا روپیہ پیسہ دیا ہے تو اس میں سے خرچ کرو۔ زمین سے اناج دیا ہے تو اس میں سے خرچ کرو، سونا چاندی دیا ہے تو اس میں سے خرچ کرو، باغات دیے ہیں اس میں پھل فروٹ پیدا ہوتا ہے تو اس میں سے خرچ کرو، غرض ہر چیز میں سے خرچ کرو۔ اگر کسی کے پاس مال و دولت نہیں ہے، مگر طاقت وقوت ہے تو اپنی قوتِ بازو سے غریب کمزور اور ضعیف کی مدد کرو، دماغ دیا ہے، ہوشیاری اور سمجھ داری دی ہے تو لوگوں کو اچھا مشورہ دو، علم دیا ہے تو اس میں سے خرچ کرو۔ غرض جو بھی اللہ نے دیا ہو اس میں سے خرچ کرو۔

سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے:-

اور نفلی صدقے کی بڑی فضیلت ہے، ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: السخی قریب من اللہ وقریب من الجنۃ وقریب من الناس وبعید من النار، فرمایا: سخی اللہ کے قریب ہے اور جنت سے بھی قریب ہے اور لوگوں سے بھی قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے- والبخیل بعید من اللہ وبعید من الجنۃ وبعید من الناس وقریب من النار، اور فرمایا: بخیل آدمی اللہ سے بھی دور اور جنت سے بھی دور اور لوگوں سے بھی دور اور دوزخ کے قریب۔ (ترمذی شریف: ۲/ ۵۰- المکتبۃ البشریٰ-)

صدقے کی برکات:-

اور ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: جاہل سخی بہتر ہے عابد بخیل سے۔ یہ فضائل ہیں نفلی صدقات کے۔ اور یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ پاک یہ نہیں فرماتے کہ تم اپنا سب کچھ

خرچ کردو، سب نہیں مانگا۔ دیکھو! زکوۃ میں چالیسواں حصہ مقرر فرمایا، اور نفلی صدقات کے بارے میں فرمایا: عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إن الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع ميتة السوء، صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور بُری موت سے بچاتا ہے۔ (ترمذی شریف: ۱/ ۳۲۳-مکتبۃ البشریٰ-)

اور اسی طرح صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔ اور اسی طرح صدقہ قبر کی سختی اور گرمی سے حفاظت کا سبب ہے۔ اور ایک حدیث میں فرمایا کہ صدقہ قیامت کے دن اس کے لیے سایہ ہوگا۔ (الترغیب والترہیب: ۲/ ۱۶-دار الکتب العلمیۃ، بیروت-) اور طبرانی کی روایت میں صدقہ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جو مسلمان صدقہ کرتا ہے اللہ اس کی عمر میں برکت عطا فرماتا ہے اور بُری موت سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور فخر اور کبر اس سے ٹوٹتا ہے۔ (الترغیب والترہیب: ۲/ ۱۲-دار الکتب العلمیۃ، بیروت-)

گویا صدقہ کبر سے بچاؤ کا سبب اور علاج ہے۔ بندے کے دل میں غرباء کی ہمدردی پیدا ہوگی، ان کا حال دیکھے گا تو اللہ کی نعمت پر شکر کی توفیق ملے گی اور رقتِ قلبی پیدا ہوگی۔

سخاوت کا سمندر:-

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اتنا خرچ کرتے تھے کہ لوگ ان کو سخاوت کا سمندر کہتے تھے۔

ایک دن رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں ایک بچے پر نظر پڑی جو مٹی کے کھلونے بنا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اللّٰھُمَّ بارکه في تجارته۔

پھر ایک دن یہی بچہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر اُدھر سے گذرے، آپ نے اس کو دیکھا تو اسے اپنے پاس بلایا اور نہایت پیار سے اپنی سواری پر بٹھالیا۔

میرے دوستو! جانتے ہو یہ بچہ کون تھا جس سے رسول پاک ﷺ اتنی محبت فرماتے تھے؟ سنیے اور توجہ سے سنیے! بندہ آپ کو بتاتا ہے۔ اس بچے کا نام عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ تھا، ان کے والد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول پاک ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر نو دس سال کی تھی کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مُوتہ کی لڑائی میں شہید ہو گئے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ یتیم ہو گئے۔ رسول پاک ﷺ ننھے عبداللہ سے پہلے بھی بہت پیار کرتے تھے، لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ ان کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہؓ میں ہوتا ہے جنھوں نے چھوٹی عمر میں آپ ﷺ کی زیارت کی تھی۔

جب رسولِ پاک ﷺ کو اللہ نے اپنے پاس بُلا لیا تو حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھا اور بڑی محبت سے ان کی تعلیم و تربیت کی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت زینبؓ کی شادی ان سے کر دی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تجارت کے ذریعے اپنی روزی کمانے لگے، اللہ نے ان کی تجارت میں اتنی برکت دی کہ مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتے تو وہ سونا بن جاتی، اس طرح وہ بہت امیر ہو گئے۔ لیکن جتنی دولت ان کے پاس تھی وہ اس سے زیادہ سخی تھے، غریبوں کو جھولیاں بھر بھر کر روپیہ دیتے تھے، کوئی مانگنے والا کبھی ان کے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔ ان کی دریا دلی کا یہ حال تھا کہ بعض دفعہ ایسے لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھا لیتے تھے جو مانگے بغیر بھی گزارہ کر سکتے تھے۔

حضرت حسینؓ سے منقول ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے ہمیں سخاوت سکھلائی ہے۔

(تاریخ دمشق: ۲۷/ ۲۷۴- دار الفکر-)

کسی نے آپ کو اس سخاوت پر تنبیہ کی، تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے اللہ کو ایک چیز کا عادی بنایا ہے (یعنی مجھے بے انتہا مال دینے کا)، اور اللہ نے مجھے ایک چیز کا عادی بنا دیا ہے (یعنی بے انتہا مال خرچ کرنے کا)، اور مجھے خوف ہے کہ اگر میں اپنی عادت چھوڑ دوں گا تو اللہ بھی اپنی عادت کو چھوڑ دے گا۔ (تاریخ دمشق: ۲۷/ ۲۹۲-دار الفکر-)

ایک دفعہ ایک تاجر تجارت کی غرض سے بہت سی شکر لے کر مدینہ منورہ آیا، لیکن وہاں وہاں بازار میں مندی تھی، تو اس کا کاروبار نہ چلا، حضرت عبداللہ بن جعفر تک یہ بات پہنچی تو آپ نے اپنے خزانچی کو کہا کہ اس سے شکر خرید لے اور لوگوں میں تقسیم کر دے۔ (سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۴۶۱)

ایک مرتبہ موسم حج میں ایک دیہاتی حاکم وقت مروان بن حکم کے پاس آیا، اور اس سے کچھ مال طلب کیا، اس نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے، لیکن تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس چلا جا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر مکہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے، اور سارا سامان روانہ ہو چکا تھا، صرف ان کی سواری تھی، جس پر بھی سامان تھا، تو جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے تو اس نے کچھ شعر پڑھے، جن کا مطلب یہ تھا:

> ”اے ابوجعفر جو کہ بیت نبوت کے چشم چراغ ہیں، جن کی دعا مسلمین کے لیے پاکیزگی کا سبب ہے۔ اے ابوجعفر! امیر (مروان) نے تو اپنے مال میں بخل اختیار کیا ہے، لیکن آپ اپنے مال کے باب میں خود امیر ہیں۔ اے ابوجعفر! اے اس شہید کے بیٹے جن کے دو پر ہیں، جن سے وہ جنت میں اڑ رہے ہیں۔ اے ابوجعفر! آپ جیسا کوئی نہیں جس سے میں امید باندھوں، تو آپ مجھے نا امید نہ چھوڑیں، میں دور دراز سے گھومتے ہوئے آیا ہوں“۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بدّو کے شعر سن کر فرمایا: بھائی! میرا سامان تو لد چکا، اب صرف

یہ اونٹ باقی رہ گیا ہے، اسے تمام مال واسباب کے ساتھ قبول کر! ہاں! اس کے اندر جو تلوار ہے اس کا خیال رکھنا اور کسی غلط جگہ استعمال نہ کرنا، میں نے اسے ہزار دینار میں خریدا ہے۔

(سیر أعلام النبلاء: ۳/۴۵۹)

حضرت معاویہ بن عبداللہ بن جعفرؒ سے پوچھا گیا: عبداللہ بن جعفرؓ کی سخاوت کے باب میں آپ نے کیا سنا ہے؟ تو کہنے لگے: ان کا مال لوگوں کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا، وہ اور عوام ان کے مال میں شریک تھے، جو ان سے سوال کرتا وہ اسے عطا کرتے، ان سے جو چیز مانگی جاتی وہ دے دیتے تھے، کبھی یہ نہیں ہوا کہ مال میں کمی ہوئی تو انہوں نے دینے میں کمی کی، یا ان کو مال کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے مال اس ضرورت کے لیے جمع کیا۔ (تاریخ دمشق: ۲۷/۲۹۰-دار الفکر-)

ایک مرتبہ ایک دیہاتی شاعر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے سامنے چند شعر پڑھے، جس کا مطلب یہ تھا:

”میں نے خواب میں دیکھا کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے مجھے حریر (ریشم) کا کُھلا کوٹ پہنایا، (حریر ایک قیمتی کپڑا ہوتا ہے) جب بہت دن گذر گئے اور مجھے حریر کے کپڑے نہ ملے تو میں نے ایک دوست کے سامنے اپنا خواب بیان کیا، اس نے کہا: یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ جو کچھ تو نے خواب میں دیکھا ہے وہ پورا نہ ہو، کیوں کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی سخاوت کا بادل سارے زمانے پر برَس رہا ہے، اور انہوں نے سخاوت کو حکم دے رکھا ہے کہ خبردار! مجھ سے آگے نہ بڑھ جانا، تو سخاوت نے ان سے کہا ہے کہ ”جیسا آپ فرمائیں“۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کا مطلب سمجھ گئے اور اپنے خادم سے کہا کہ میرا حریر کا کُھلا کوٹ

(قبا) اس شاعر کو پہنا دو۔ وہ پہن کر چلنے لگا تو مسکرا کر فرمایا: مگر بھائی! تم نے خواب میں میرا زربفت کا کوٹ کیوں نہیں دیکھا جو میں نے تین سو دینار میں خریدا تھا، اور حریر کے اس کوٹ سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔ (زربفت بھی ایک قیمتی کپڑا ہوتا ہے) شاعر بھی بڑا حاضر جواب تھا، اس نے کہا کہ میں ابھی سوجاتا ہوں، شاید وہ بھی دیکھ لوں۔ حضرت عبداللہ اس کا یہ جواب سن کر ہنسے اور فرمایا: وہ بھی اسے دے دو۔ (سیر أعلام النبلاء: ۳/ ۴۵۹-۴۶۰)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سخاوت کی کوئی انتہا نہیں تھی، اپنے پاس روپیہ نہ ہوتا تو لوگوں کے سوال قرض لے کر بھی پورا کرتے تھے اور کسی کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دیتے تھے۔ صرف روپیہ ہی نہیں، اونٹ، گھوڑے، غلہ، کپڑے جو چیزیں بھی ان کے پاس ہوتی حاجت مندوں کو دیا کرتے تھے۔ سخی ہونے کے علاوہ ان میں اور بھی بہت سی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔

یہ نیک دل انسان جو لوگوں میں "سخاوت کا سمندر" کے لقب سے مشہور تھے، ۸۰ سنہ ھ میں وفات پاگئے۔ مدینہ کے لوگوں میں جب ان کی وفات کی خبر پھیلی تو ان کو سخت صدمہ ہوا، اور سارا شہر ان کے جنازے میں شریک ہونے کے لیے ٹوٹ پڑا۔

بھائیو! خدا کے نزدیک وہ لوگ بہت اچھے ہیں جو غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنی دولت جوڑ جوڑ کر نہیں رکھتے۔ خدا ان کو دنیا میں بھی عزت دیتا ہے اور اگلے جہاں میں بھی اچھا بدلہ دے گا۔ اگر آپ اتنی سخاوت نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے ذمے جو زکوۃ اور واجب نفقات ہیں وہ ضرور ادا کریں، اس میں بخیل نہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

صدقے کی مثال:-

اور جب اللہ کی نسبت پر خرچ کرے گا تو اس پر اللہ کیا دے گا؟ ایک جگہ قرآن مجید میں

ارشاد فرمایا: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾، ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسا کہ کسی نے ایک دانہ زمین میں ڈالا ہو اس میں سے کونپل نکلی ہو جس میں سے سات بالیاں لگیں، اور پھر ہر بالی میں ۱۰۰/ دانے، تو ایک دانے پر ۷۰۰/ دانے ملے، اسی طرح ایک پیسہ صدقے پر سات سو گنا ثواب ملے گا، اور یہ کم از کم بدلہ ہے، اور اس کے ساتھ پھر جیسا اخلاص ہوگا اور جس قدر حلال کمائی میں سے صدقہ کرے گا اسی قدر اجر و ثواب بڑھتا چلا جائے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

صدقے کا ثواب اخلاص کے بقدر:۔

ایک حدیث میں حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص حلال کمائی میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے چاہے وہ ایک کھجور ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی تربیت کرتا ہے، جس طرح تم گائے کے بچھڑے کی پرورش کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا ہے حتی کہ ایک کھجور احد پہاڑ کے برابر ہوگی۔

(الترغیب والترہیب: ۳/ ۳- بخاری ومسلم-)

علامہ منذریؒ نے الترغیب والترہیب میں ایک جگہ لکھا ہے کہ احد پہاڑ پانچ میل کا تھا۔ اب تو احد پہاڑ کو بہت کچھ کاٹ دیا ہے، جب اس کو کاٹا نہیں تھا تو وہ پانچ میل کے برابر تھا، (لیکن احد پہاڑ کتنا وزنی ہے؟ اس بارے میں بندے کے مطالعے میں کوئی حدیث یا اکابرین کی تحقیق نظر سے نہیں گذری، علامہ منذریؒ بھی خاموش ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب) اور صدقے میں جس قدر اخلاص ہوگا اس کے بقدر سات کروڑ بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

دنیا میں کیا ملے گا؟

جب ہم صدقہ کے یہ فضائل بیان کرتے ہیں تو بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ مولانا صاحب! یہ سب تو ادھار ہوا کہ آخرت میں ملے گا اور اتنا ملے گا، دنیا میں کیا ہوگا؟ یہاں کچھ ملتا ہو تو وہ بتاؤ! تو دیکھو! قرآن کیا کہتا ہے؟

اچھی چیز صدقہ کرو:-

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اس میں سے اچھی اور پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو، اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین میں سے پیدا کیا ہے اس میں سے بھی خرچ کرو، اور اس میں سے جو بُری اور نکمّی اور بیکار چیز ہو؛ اس کا ارادہ بھی نہ کرو، اور ایسی چیز کا صدقہ مت کرو جب کہ تم خود ایسی نکمّی اور بیکار چیز لینے کے لیے تیار نہ ہوگے، مگر اس صورت میں کہ تم چشم پوشی کرلو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں اور قابلِ تعریف ہیں۔

ایک واقعہ:-

اس لیے اگر صدقہ کرنا ہے تو اچھی چیز صدقہ کرو، بیکار اور نکمی چیز صدقہ میں نہ دو۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ایک مؤذن صاحب کے لیے ایک بچہ مٹی کے پیالے میں کھیر لے کر آیا۔ یہاں انگلینڈ میں تو مساجد میں مؤذن نہیں ہوتے، ہندوستان میں مساجد میں مؤذن ہوتے ہیں اور عموماً بے چارے بہت نادار اور غریب ہوتے ہیں۔ بچے نے کہا: میری امی نے آپ کے لیے کھیر بھیجی ہے، مؤذن صاحب نے کہا: کیا بات ہے! آج تمہاری امی کا اتنا بڑا

دل ہوگیا کہ میرے لیے کھیر بھیجی، بچے بالکل سیدھے سادے اور بھولے بھالے ہوتے ہیں، اس نے اپنی سادگی میں کہا کہ کتے نے اس کھیر میں منہ ڈال دیا تھا۔ یہ سن کر مؤذن صاحب کو غصہ آیا اور وہ پیالہ پھینکا کہ کمبخت! ایسی کھیر ہمارے لیے بھیجی۔ وہ مٹی کا پیالہ تھا، مؤذن صاحب نے پھینکا تو وہ پیالہ ٹوٹ گیا، بچہ رونے لگا، پوچھا: کیوں روتے ہو؟ تو بچے نے کہا: امی جان اس پیالے میں بھیا کا پاخانہ صاف کرتی ہیں، آپ نے وہ پیالہ توڑ ڈالا۔ ایسے بھی کچھ لوگ ہوتے ہیں۔

تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ایسی نکمی چیزیں خیرات میں مت دو، اور اس کا معیار اللہ نے بتلایا کہ اگر تم کو ایسی چیز ہدیے میں دی جائے تو خود ایسی چیز قبول نہ کروگے، ﴿وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ﴾ تم خود لینے والے نہیں، ﴿اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ﴾، ہاں! اگر تم چشم پوشی کرلو تو الگ بات ہے، ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، اللہ تمہارے صدقے کے محتاج نہیں ہیں، یہ تو تمہارے ہی لیے ہے، تم کو اس کا اجر ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ حمید ہیں۔

صدقہ پر فضل کا وعدہ ہے:-

اب دنیا میں نقد والی بات سنو! ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے کہ اگر ایک ہزار روپیے تمہارے پاس ہیں، اور اس میں سے تم نے پچاس صدقہ کردیے تو نوسو پچاس رہ جائیں گے، ۵۰ رکم ہوجائیں گے، اور تم کو برائی کا حکم دیتا ہے۔ یہ تو شیطان کی بات ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے؟ ﴿وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے اس صدقے سے مغفرت کا اور فضل کا۔ مغفرت آخرت میں، اور فضل کا اطلاق دنیا کے مال و دولت پر ہوتا ہے، جیسا کہ ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ میں ہے۔ جب

ہم مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو دعا پڑھتے ہیں: "اَللّٰهُمَّ افتح لی أبواب رحمتك" اے اللہ! میرے لیے رحمت کے دروازے کھول دیجیے! اور جب مسجد سے باہر نکلتے ہیں تو دعا پڑھتے ہیں: "اَللّٰهُمَّ إنی أسألك من فضلك" تو اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بارے میں فضل کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا جو اخلاص کے ساتھ صدقہ کرے گا، ان شاء اللہ، اللہ پاک اس کو دنیا میں مال میں اور رزق میں برکت عطا فرمائیں گے۔

صدقے پر ان شاء اللہ بدلہ ملے گا:-

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ﴾ جو کچھ تم اللہ کی نسبت پر خرچ کرو گے اللہ اس کا بدلہ تم کو دے گا۔ کم از کم دنیا میں اس کا بدلہ دس گنا اور آخرت میں ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ سات سو سے لے کر اللہ پاک جتنا چاہے گا عطا فرمائے گا۔

آپ کی غیرت برداشت نہیں کرے گی:-

بھائی! آپ کو کسی دوست نے چائے پلادی، آپ کی دعوت کردی تو آپ بھی موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ مجھے موقع مل جائے تو میں بھی اپنے دوست کو چائے پلادوں، دعوت کروں، آپ کی غیرت برداشت نہیں کرسکتی۔

اللہ پاک سب سے زیادہ غیور ہیں:-

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں اپنے گھر والوں کے ساتھ کسی اور مرد کو دیکھ لوں تو میں اس کو ننگی تلوار سے ختم کردوں۔ یہ بات حضور اقدس ﷺ تک پہنچی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم سعد کے غیرت سے تعجب کرتے ہو؟ خدا کی قسم! میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور اللہ مجھ سے زیادہ غیور ہے، اور اللہ کی غیرت کی وجہ سے اس نے تمام

ظاہری و باطنی فواحش کو حرام قرار دیا ہے"۔ (بخاری شریف: ۲ / ۶۵۵ - مکتبہ رحمانیہ-)

تو ہر شخص کے اندر اپنے اپنے اعتبار سے غیرت ہوتی ہے۔ جب آپ کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ آپ اپنے محسن کو بھول جائیں اور اس کے احسان کا بدلہ ادا نہ کریں تو کیا اللہ رب العزت کی غیرت جو سب سے زیادہ غیرت مند ہے، یہ گوارا کرے گی کہ تم اللہ کی نسبت پر خرچ کرو اور وہ تم کو بدلہ نہ دے؟ وہ تو سب سے زیادہ غیور ہے۔ اللہ پاک اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیں گے اور آخرت میں بھی دیں گے۔ اور بدلہ دینے والوں میں سب سے زیادہ اور سب سے عمدہ بدلہ عنایت فرمائیں گے۔

رابعہ بصریہ کا یقین:-

رابعہ بصریہؒ کا نام سنا ہے؟ کتنی بڑی اللہ والی خاتون تھیں! حضرت حسن بصریؒ جب تک ان کی مجلس میں رابعہ بصریہؒ نہ ہوتی تھیں وعظ نہ فرماتے تھے۔ بڑی نیک خاتون تھیں۔ ایک دن روزہ رکھا ہوا تھا، ایک فقیر آ گیا کہ اللہ کے نام پر کچھ دو، ایک چپاتی تھی، وہی اٹھا کر دے دی، خود روزے سے تھیں، شام کا وقت ہوا تو ایک شخص آیا اور کہا: فلاں شخص نے آپ کی خدمت میں یہ ہدیہ بھیجا ہے، جب دیکھا تو ۹/ روٹیاں تھیں، دیکھ کر فرمایا: یہ میری نہیں ہیں، واپس کر دو، کچھ دیر بعد آیا اور کہا کہ یہ آپ کی روٹیاں ہیں، جب گنیں تو پوری دس تھیں، اب فرمایا کہ ہاں! میری ہیں، لانے والے نے ایک روٹی چرا لی تھی مگر اس کی نظر اس طرف نہیں گئی۔ تو اس نے کہا: پہلے آپ نے انکار کیا اور دوسری مرتبہ آپ نے قبول فرما لیا، اور بڑے وثوق سے کہا کہ یہ میری ہیں، اس کی کیا وجہ؟ آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ میری ہیں، اور پہلی والی آپ کی نہیں تھیں؟ تو فرمانے لگیں: جب تم پہلے لائے تو اس میں ۹/ روٹیاں تھیں، اور اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ ایک پر کم از کم ۱۰/ دوں گا، لہٰذا پہلے میں سمجھ گئی کہ یہ میری روٹیاں نہیں ہیں، اور جب دوسری مرتبہ لائے تو پوری

دس تھیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ میری ہیں۔

آج بھی ایسا ہوسکتا ہے:-

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہو تو آج بھی ایسا ہوسکتا ہے۔ ہمارے ایک مصلی ہیں، ان کا نام میں نہیں لوں گا، ماشاء اللہ ان کا یقین ہے، وہ سو پاؤنڈ خرچ کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ مجھے اتنا ملنا چاہیے، اللہ پاک عطا فرماتے ہیں، بہر حال! یقین ہونا چاہیے۔ اور آخرت میں بقدرِ اخلاص ملے گا۔

اہل جنت اور اہل جہنم کی گفتگو:-

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے، اور پھر کبھی کبھی یہ لوگ آپس میں باتیں کریں گے۔ سورۂ اعراف میں بھی اس کا تذکرہ ہے اور سورۂ مدثر میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ سورۂ مدثر میں ارشاد فرمایا: ﴿فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ﴾، جنت والے جہنمیوں سے سوال کریں گے: کس گناہ نے تم کو دوزخ میں داخل کرایا؟ ﴿سقر﴾ جہنم کا ایک گڑھا ہے۔ تو دوزخ والے جواب دیں گے: ﴿قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ وَ کُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ﴾، وہ کہیں گے: ہمارا گناہ یہ تھا کہ ہم دنیا میں نمازی نہ تھے اور ہم کبھی مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور لہو ولعب کرنے والوں کے ساتھ مشغول رہتے تھے اور ہم قیامت کا بھی انکار کرتے تھے۔ ﴿حَتّٰۤی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ﴾ یہاں تک کہ ہم کو موت آ گئی۔ (ایمان لانے اور توبہ کرنے سے پہلے ہی موت آ گئی)

برکت کا نبوی تعویذ:-

اس لیے نفلی صدقہ، خیر خیرات کرتے رہنا چاہیے۔ دیکھو! دنیا میں جو نقد ملتا ہے اس کے

متعلق اوپر آیتِ کریمہ بیان کی۔

حدیث میں ہے کہ روزانہ صبح کے وقت آسمان سے دو فرشتے آتے ہیں، ایک کہتا ہے: اَللّٰھُمَّ أعط منفقا خلفا، یعنی وہ فرشتہ دعا کرتا ہے: اے اللہ! جو تیری راہ میں خرچ کرے اس کو تو بدلہ عطا فرما، دوسرا کہتا ہے: اللّٰھُمَّ أعط ممسکا تلفا، اے اللہ! جو بخل کرے اس کے مال کو تلف فرما۔ (مشکوۃ شریف: ۱/ ۱۶۴- بخاری و مسلم-) تو فرشتہ کی دعا لینا ہو تو جتنا کماؤ اس میں کچھ مقدار مقرر کردو، مثلاً: دس پاؤنڈ میں دس پینی یا جو آپ مقرر کریں۔ بہت سے لوگ خوب دل کھول کر خرچ کرتے ہیں، خرچ کر کے دیکھو اللہ کتنی برکت دیتا ہے! عادت بناؤ کہ مجھے فرشتے کی دعا لینی ہے۔ فرشتے اللہ کی پاک اور معصوم مخلوق ہے، اللہ پاک کا وعدہ بھی ہے اور پھر اس کے ساتھ فرشتہ کی دعا، کیا کہنا! یہ گھر میں مال و دولت میں برکت کا بہت بڑا تعویذ ہے۔ یہ کسی عالم کا نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمودہ تعویذ ہے۔ آپ حضرات کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایک قصہ سنایا تھا اب دوسرے عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قصہ بھی سنیے!

معمولی چیز دینے کو بھی حقیر نہ سمجھو!

ہمارے رسولِ پاک ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ تھے، وہ بڑے دریا دل تھے اور بیسیوں غریبوں اور محتاجوں کو ہر روز کھانا کھلاتے تھے۔ وہ ہر روز ایک اونٹ ذبح کراتے تھے اور کھلاتے تھے۔ جب وہ مدینہ آئے تو ایک دفعہ ان کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم روز ایک وقت کا کھانا کھلاتے ہو، دونوں وقت کا کیوں نہیں کھلاتے؟ اگر دوپہر کا کھانا کھلاتے ہو تو رات کا بھی کھلاؤ، تو انہوں نے اپنے غلام سے کہا: ایک اونٹ دوپہر میں اور ایک رات میں ذبح کیا کرو۔ اس طرح انہوں نے ایک کے بجائے دو اونٹ ذبح کرنا

شروع کر دیا۔ (تہذیب الکمال: ۱۹/ ۶۲-مؤسسۃ الرسالۃ-)

ایک مرتبہ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ اپنے خادم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، سفر کرتے کرتے ایک جگہ شام ہوگئی، قریب ہی ایک بدّو کا گھر نظر آیا، بدّو عرب کے ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو شہروں سے دور صحرا میں جھونپڑوں یا خیموں میں رہتے ہیں۔ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے خادم نے کہا: جناب! اندھیرے میں سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں، کہیں ہم راستہ نہ بھول جائیں، مناسب یہ ہے کہ ہم رات بھر کے لیے اس بدّو کے گھر میں ٹھہر جائیں۔ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کہا، چلو! گھر کے مالک سے اجازت طلب کریں۔ دونوں بدّو کے پاس پہنچے اور اس سے کہا: بھائی! ہم مسافر ہیں، اس وقت اندھیرا ہو چکا ہے، ہمارے لیے سفر جاری رکھنا مشکل ہے، اگر اجازت دو تو آج کی رات تمہارے یہاں گزار لیں۔ حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ اونچے قد کے خوبصورت آدمی تھے، بدّو ان کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ کوئی معزز آدمی ہیں، ایسے معزز آدمی کو مہمان بنانا اور اس کی مناسب خدمت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، لیکن بدّو ذرا بھی نہ گھبرایا اور اس نے بڑی خوش دلی کے ساتھ کہا: آپ بڑی خوشی سے میرے غریب خانے میں رات گزاریئے، میرے لیے یہ عزت کا باعث ہے۔

پھر وہ گھر کے اندر گیا اور اپنی بیوی سے کہا: آج رات ایک معزز آدمی اور اس کا خادم ہمارے گھر میں ٹھہریں گے، کیا ان کے کھانے پینے کے لیے کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا: کھانے کے لیے اور تو کوئی چیز نہیں، ہاں! یہ بکری موجود ہے، جس کے دودھ سے ہماری ننھی بچی پل رہی ہے۔ بدو نے کہا: کچھ بھی ہو، میں اس بکری کو ذبح کر کے مہمانوں کو کھلاؤں گا، بیوی نے کہا: کیا معصوم بچی کو مار ڈالو گے؟ بدو نے کہا: جو ہوتا ہے ہو جائے، میں مہمانوں کو بھوکا نہیں رکھ سکتا۔ پھر اس نے فوراً بکری ذبح کی، اس کا گوشت پکوایا اور حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے خادم کو کھانا کھلایا۔

حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے میاں بیوی کی گفتگو سن لی تھی، صبح ہوئی تو انھوں نے خادم سے پوچھا: تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟ اس نے کہا: پانچ سو اشرفیاں، حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اس کو حکم دیا کہ یہ ساری رقم اس بدو کو دے دو۔ خادم نے عرض کیا: سبحان اللہ! اس نے ہمیں پانچ درہم کی بکری کھلائی ہے، اور آپ اسے پانچ سو اشرفیاں دے رہے ہیں۔ حضرت عبید اللہ کو اس کی بات سن کر غصہ آ گیا اور انہوں نے فرمایا: افسوس ہے تمہاری عقل پر! خدا کی قسم! ہمارا یہ غریب میزبان ہم سے کہیں زیادہ دریا دل اور سخی ہے، ہم تو اپنی دولت سے اسے ایک بہت معمولی رقم دے رہے ہیں، لیکن اس نے ہمیں کھانا کھلانے کے لیے اپنے جگر کے ٹکڑے کو قربان کر دیا۔ بکری جو اس کا سب کچھ تھی ذبح کر ڈالی، اور اپنی دودھ پیتی بچی کی زندگی کی پرواہ بھی نہ کی۔

(اِکمال تہذیب الکمال: ۹/ ۲۹-الفاروق الحدیثۃ للطباعۃ والنشر -)

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے ایک مسکین نے کچھ کھانا طلب کیا، اس وقت ان کے سامنے انگور تھے، حضرت عائشہؓ نے حاضرین میں سے کسی سے کہا کہ اس میں سے ایک دانہ لے کر اس کو دے دو، تو فقیر اس پر تعجب سے حضرت عائشہ کو دیکھنے لگا، اس پر انہوں نے فرمایا: تو تعجب کر رہا ہے؛ حالاں کہ اللہ تعالیٰ تو ذرے کے برابر حسنات کو بھی قبول کر لیتا ہے۔ (الاستذکار: ۸/ ۶۰۲-دار الکتب العلمیۃ، بیروت) لہٰذا معمولی چیز دینے کو بھی معمولی نہ سمجھو، اور ان فقراء اور محتاجوں کا جو آپ کا صدقہ قبول کرتے ہیں احسان مانو کہ وہ ہمارے مالوں کی زکوۃ اور صدقات قبول کرتے ہیں۔

ولایت کو اللہ تعالیٰ نے بندوں میں مخفی رکھا ہے:-

نہ دینا ہو تو نہ دو، مگر ان کو حقیر نہ سمجھو اور ان کو حقارت کی نگاہ سے ہرگز ہرگز نہ دیکھو۔ معلوم نہیں، جس کو ہم حقیر سمجھ رہے ہیں اللہ نے اس کو ولی بنایا ہو، وہ اللہ کا برگزیدہ اور محبوب بندہ ہو اور

ہم اس کو حقیر سمجھ کر اپنی عاقبت خراب کر رہے ہوں۔ ولایت کے پَر نہیں ہوتے کہ ہم ان پَروں کو دیکھ کر فیصلہ کر دیں کہ یہ ولی ہے اور یہ ولی نہیں، ولایت کو بھی اللہ پاک نے اپنے بندوں کے اندر پوشیدہ کر رکھا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ولایت اور قرب کو حق تعالیٰ نے بندوں میں مخفی رکھا ہے، لہٰذا کسی بندے کو خواہ کیسا ہی ہو، حقیر نہ جانو۔ کیا خبر! شاید یہی بندہ علمِ الٰہی میں ولی ہو اور اس کی ولایت کسی وقت بھی توبۂ صادق اور اتباعِ سنت کی صورت میں ظاہر ہو جائے۔ تاریخ میں ایسے بہت سارے واقعات موجود ہیں۔ خود آپ نے بھی بہت سے بندوں کو دیکھا ہوگا، ان کی پہلی زندگی کیسی گذری اور پھر اللہ نے ہدایت عطا فرمائی اور زندگی بالکل بدل گئی، لہٰذا کوئی آپ کے دروازے پر آ جائے، چاہے وہ کیسا ہی بدحال ہو، آپ اس کو کچھ دے کر واپس لوٹاؤ تو آپ کی سعادت مندی، اور اگر نہ دینا ہو تو ادب وتہذیب اور نرمی کے ساتھ معذرت کر دو، اس کو سخت جملے اور بُرا بھلا مت کہو۔ نہ معلوم کس مجبوری کی وجہ سے وہ آپ کے دروازے پر آیا ہے، اس لیے اس کا دل مت توڑو۔

اللہ پاک یہ صفات ہم سب کے اندر پیدا فرما دیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

مسلمانوں کی صفات قرآن کے آئینے میں

(۴)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لانبي بعده. أمابعد: فأعوذبالله من الشيطن الرجيم،بسم الله الرحمن الرحيم:﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾صدق الله العظيم.

آٹھویں صفت:﴿صائمین﴾اور﴿صئمت﴾:-

بزرگان محترم! اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین اور مؤمنات کی دس صفات بیان فرمائی ہیں،ان میں سے الحمدللہ گذشتہ مجالس میں سات صفات بیان کر چکا ہوں۔آٹھویں صفت ﴿وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰئِمٰتِ﴾ ہے،ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتوں کی ایک صفت ﴿صائمین﴾ اور ﴿صٰئمٰت﴾ ہے،یعنی روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں۔

روزہ ایک اہم عبادت ہے اور اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔الحمدللہ،اللہ کے فضل وکرم

سے عالم اسلام کے مسلمان اس عبادت کو بڑے ذوق وشوق سے ادا کرتے ہیں، اللہ ہمارے روزوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

روزے کی تفصیلات الحمدللہ بار بار آپ کے سامنے بیان ہوچکی ہیں، اس لیے اس وقت اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ روزہ بہت اہم عبادت ہے، اللہ پاک کو بہت محبوب ہے، اس پر کیا اجر ملے گا؟ وہ تو اس وقت پتہ چلے گا جب اللہ پاک سے ملاقات ہوگی۔

روزے کا ثواب:-

آپ نے اس وقت نماز ادا کی، یہی نماز اگر گھر میں ادا کریں تو ایک نماز کا ثواب ہوگا، مسجد میں باجماعت ادا کی تو ۲۷/ گنا ثواب، اور یہی مسجدِ نبوی علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام میں ادا کریں تو ۵۰/ ہزار نماز کا ثواب ہوگا، اور اسی نماز کو بیت اللہ شریف میں یعنی مسجد حرام میں ادا کریں تو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہوگا۔ لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتے ہیں: الصوم لي وأنا أجزى به۔ روزہ میرے لیے ہے اور اس کا بدلہ میں خود دوں گا۔ (مشکوۃ شریف: ۱/ ۱۷۳- بخاری ومسلم-)

ہر ہاتھ کی جود وعطا اپنی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے:-

ہر ہاتھ کی جود وعطا متفرق ہوتی ہے۔ آپ کے پاس کوئی سائل آ گیا تو آپ پاؤنڈ، دو پاؤنڈ، پانچ پاؤنڈ دیں گے، اور اگر کوئی مالدار شخص ہو تو وہ دس پاؤنڈ دے گا، اور اگر کوئی زیادہ مالدار ہوگا تو ۲۰/ دے گا، ۵۰/ دے گا، ۱۰۰/ دے گا، اور بہت آگے بڑھا تو ہزار، دو ہزار دے دے گا، اس کے بعد اس کی بھی حد آ گئی، اپنی حد کے اندر رہ کر دیتا ہے۔ تو ہر ایک کے پاس جتنا مال ہے، جیسی حیثیت ہے، جیسا دل ہے اس کے اعتبار سے اس کی جود وعطا اور بخشش ہے، اور اگر

کوئی بادشاہِ وقت ہے تو وہ اپنی حیثیت سے دیتا ہے۔ دنیا کے بعض بادشاہ جب دینے پر آتے ہیں تو جھولیاں بھر دیتے ہیں۔

ہارون رشید کا واقعہ:-

ہارون رشید ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے، انہوں نے ایک ضعیف بابا کو دیکھا، وہ کھڈا (گڑھا) کھود کر درخت لگا رہے تھے، تو پوچھا: بابا! کیا کر رہے ہو؟ تو بابا نے کہا: آم کا درخت لگا رہا ہوں، ہارون رشید کو تعجب ہوا اور کہا: بابا جی! کیا اس کا پھل کھاؤ گے؟ بابا جی جتنے ہوتے ہیں وہ زمانہ دیکھے ہوئے ہوتے ہیں، بابا جی نے کہا: اگلوں نے بویا ہم نے کھایا، اب میں بو رہا ہوں بعد والے کھائیں گے۔ بادشاہ بہت خوش ہو گیا اور وزیر کو کہا: ایک ہزار اشرفیاں ان کو انعام دے دو۔ ایک ہزار اشرفیاں ان کو انعام مل گئیں۔ اب بابا نے کہا: جہاں پناہ! اگلوں نے درخت بویا ہم نے کھایا اور میں ابھی درخت بو رہا ہوں، اس کا پھل تو مجھے مل گیا۔ ہارون رشید بہت خوش ہوئے اور کہا: ان کو ایک ہزار اشرفیاں اور دے دو۔ دو ہزار اشرفیاں مل گئیں۔ اب بڑے میاں نے کہا: جہاں پناہ! معاف فرمائیں، لوگ درخت بوتے ہیں اور سال میں ایک مرتبہ پھل کھاتے ہیں، میں تو ابھی درخت بو رہا ہوں اور بوتے بوتے دو مرتبہ پھل کھا چکا ہوں، بادشاہ نے کہا: واہ واہ! سبحان اللہ! ان کو ایک ہزار اشرفیاں اور دے دو۔ وزیر نے کہا: بادشاہ سلامت! آگے چلیے، یہ بڑے میاں سارا خزانہ ہی صاف کر لے گا۔

احکم الحاکمین کتنا دے گا؟

تو لوگو! دنیا کے بادشاہ اگر کسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں تو ہزاروں لاکھوں دیتے ہیں تو وہ احکم الحاکمین، ارحم الراحمین جو سارے خزانوں کا مالک ہے، ﴿وَلِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ

﴿وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ سارے آسمانوں اور زمینوں کے خزانوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جب وہ روزے داروں کو دینے پر آئے گا تو کیا دے گا؟ دنیا میں اس کو کوئی بتا نہیں سکتا۔

علماء نے لکھا ہے کہ تین عمل ایسے ہیں جن کا اجر بے حساب ہے، ان میں سے ایک روزہ ہے، ایک صبر؛ جس کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾۔ اور تیسرا عمل ذرا مشکل ہے: آپ کو کسی نے ایذاء اور تکلیف دی، چاہے جسمانی ہو یا زبانی، یا خصوصاً رشتہ داروں سے تکلیف پہنچی اور آپ نے معاف کردیا اور صلح کرلی، تو اس کا اجر بھی بہت بڑھا ہوا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا: ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ جس شخص نے معاف کردیا اور صلح کرلی تو اللہ تعالیٰ کی ذمے اس کا اجر ہے۔

روزے کا میں خود بدلہ ہوں:-

حدیث میں جو الفاظ ہیں ان کو دو طریقے سے پڑھا گیا ہے، ایک تو وہی جس کا ترجمہ اوپر عرض کیا: الصوم لي وأنا اَجزِيْ به، اور اسی روایت کو دوسرے طریقے سے بھی روایت کیا گیا ہے: الصوم لي وأنا اُجزیٰ به، اس کا ترجمہ یہ ہے: روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی ذات مل جائے اس سے بڑھ کر کیا بدلہ ہو سکتا ہے۔ تو خیر روزے کی فضیلت بہت بڑی ہے۔

باب الریان سے روزہ داروں کا داخل ہونا:-

ایک حدیث میں ہے کہ جنت کا ایک باب (بڑا دروازہ) ہے: باب يقال له الريان، لايدخلها إلا الصائمون، فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریّان

ہے،اس میں سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے،اور جب سب روزہ دار داخل ہو جائیں گے تو اسے بند کر دیا جائے گا،کوئی اور اس سے داخل نہ ہوگا۔اور جو اس دروازے سے داخل ہوگا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔(مشکوۃ شریف:۱/ ۱۷۳-بخاری ومسلم۔)

تو اس آیت میں روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتوں کی بھی فضیلت آ گئی۔

نویں صفت﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ﴾:-

نویں صفت یہ ہے:﴿وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ﴾اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی نفسانی خواہشات کو حرام طریقے سے پوری کرنا جائز نہیں ہے۔﴿اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ﴾ مگر اپنی بیویوں سے یا شرعی لونڈیوں اور باندیوں سے۔اب اس دور میں شرعی لونڈیاں نہیں ہیں تو اپنی خواہش پوری کرنے کی صرف ایک صورت ہے،اور وہ یہ ہے کہ اپنے نکاح میں مسلمان بیوی ہو،اس کے ساتھ یہ تعلق جائز ہے اور اس کے علاوہ جائز نہیں ہے۔﴿فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾،لہٰذا جو شخص اپنی بیوی سے اپنی خواہش پوری کرے گا تو اس پر کوئی خوف نہیں،کوئی ملامت نہیں۔﴿فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾اس کے علاوہ اگر کوئی حد تجاوزی کرے گا تو وہ حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوگا اور گنہگار ہوگا۔

زبان اور شرمگاہ کی حفاظت پر جنت کی ضمانت:-

بدکاری،زناکاری اور اس کے علاوہ جتنی فحاشی کی چیزیں ہیں وہ سب اس میں داخل ہیں، اور وہ سب شرعاً جائز نہیں ہیں۔حضورِ اقدس ﷺ نے اسی کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

ہے:ومن يضمن لي مابين لحييه ومابين رجليه أضمن له الجنة،جوشخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے، اس چیز کی جو دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان، اور جو ۲ررانوں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ کی، ان دو چیزوں کے صحیح استعمال کی ضمانت دے، ان دونوں کو غلط جگہ استعمال نہ کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔(مشکوۃ شریف:۲ /۴۱۱-بخاری ومسلم-) اللہ ہماری، ہماری ماں بہنوں کی، ہماری بیٹیوں کی، ہمارے بیٹوں کی، ہمارے نو جوانوں کی، اللہ سب کی حفاظت فرمائے۔ اسلامی حدود اور قوانین کے اندر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک سے زیادہ نکاح کرو:-

اگر کسی کو زیادہ طاقت ہو تو اسلام نے ایک سے زیادہ چار چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ آج دنیا میں عورتوں کی کثرت بھی ہے، تو اگر خواہش زیادہ ہے تو دو نکاح کرے، تین نکاح کرے، چار نکاح کرے اور سب کے حقوق کا خیال رکھے۔ ابھی میں ایک جگہ بیان کر رہا تھا، بنگلہ دیش کے ایک بزرگ آئے ہوئے تھے، بیان کے بعد انہوں نے فرمایا: تم نے ماشاء اللہ بہت اچھا بیان کیا، کام کی باتیں کہیں۔

دوسری شادی کرنا بُرا نہیں ہے:-

انہوں نے پھر فرمایا: جو مالدار لوگ ہیں، ان کو اس طرف بھی توجہ دلاؤ کہ شریعت نے چار نکاح کی اجازت دی ہے تو ایک پر اکتفا کیوں کرتے ہو؟ چار کرو۔ یہ کیوں بیان نہیں کرتے؟ یہ بھی بتاؤ۔ آج ہم دوسری شادی کو بُرا سمجھتے ہیں کہ بڑا خواہش پرست ہے، نہیں نہیں! یہ غلط بات ہے۔ قرآن نے، شریعت نے چار کی اجازت دی ہے۔ اگر چہ یہاں برطانیہ کا قانون اجازت نہیں دیتا، مگر شریعت کی طرف سے پوری اجازت ہے۔

مالدار لوگ اس طرف توجہ کریں:-

اور پھر انھوں نے فرمایا کہ اس وقت بنگلہ دیش میں ایک کروڑ لڑکیاں بیس سے پچیس سال کی کنواری ہیں۔ پاکستان کی رپورٹ میں میں نے تقریباً دس سال پہلے پڑھا تھا کہ تیس لاکھ لڑکیاں کنواری ہیں، حالانکہ کتنا چھوٹا ملک ہے، اس لیے مالدار لوگ جو ماشاء اللہ تین چار عورتوں کے حقوق ادا کر سکتے ہیں، اگر وہ اس پر عمل کریں اور پورے انصاف کے ساتھ سب کے ساتھ برابری بھی کریں تو کتنی عورتوں کی عزت اور عفت کی حفاظت ہو جائے گی اور کتنی عورتوں کا نکاح ہو جائے گا۔ عورتوں کو بھی اس میں اپنے دل میں وسعت پیدا کرنی چاہیے۔ اگر اللہ نے اس کے شوہر کو صاحبِ مال بنایا ہے اور ماشاء اللہ وہ آرام سے دوسری اور تیسری اور چوتھی بیوی کا نفقہ، سکنی اور حقوقِ زوجیت ادا کر سکتا ہے تو اس میں آڑ نہ بننا چاہیے، خوشی خوشی اس پر راضی رہنا چاہیے۔ ہر ایک اپنی تقدیر کا کھاتا ہے، وہ آئے گی تو اللہ رب العزت نے اس کی تقدیر میں جو لکھا ہے وہ اس کو ملے گا، نکاح کرنے سے آپ کے مقدر میں کم نہیں ہو جائے گا۔ اس لیے عورتوں کا ذہن بنانا بھی ضروری ہے، وہ اس پر خوش رہیں، اپنے شوہر سے ناراض نہ ہو جائیں اور دوسرا نکاح کرنے پر اس کو پریشان نہ کریں۔ اللہ پاک ہم سب مرد عورتوں کو اسلامی قانون پر دل و جان سے راضی رہنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

زندہ یا مردہ کی کھلی ران دیکھنا جائز نہیں:-

تو نویں صفت یہ بیان فرمائی کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں۔ ابوداود شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مرد کے لیے اور کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی زندہ یا مردہ کی کھلی ران دیکھے۔ (سنن ابی داود: ۳/۱۹۶- المکتبۃ العصریۃ، بیروت-) جب ران کی طرف دیکھنا جائز نہیں تو اس سے

آگے کیا جائز ہوسکتا ہے؟

ستر کا چھپانا فطرت ہے:-

اور یہ پردہ اور ستر کی حفاظت فطری چیز ہے۔ شریعت نہ بھی ہو تب بھی انسان کی فطرت یہ چاہتی ہے کہ انسان اس پرائیویٹ چیز کو چھپائے رکھے، پردے میں رکھے۔ یہ لوگ ننگے بن گئے ہیں، ان کو دیکھ کر مسلمان بھی اسی طرح بن جائیں اور ان کی طرح مسلمان بھی کپڑے پہننا شروع کردیں یہ ہمیں بالکل زیب نہیں دیتا ہے۔ ہم شریعت کے پابند ہیں، آزاد نہیں ہیں، اور یہ تو خود فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے۔ دیکھو! آپ گھر میں موجود ہیں اور گھر میں کوئی نہیں ہے، بچے بھی نہیں ہیں، بیوی اگر ہے تو اس کے ہونے سے کچھ بھی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ مرد کو اپنی بیوی سے پردہ نہیں ہے اور بیوی کو اپنے شوہر سے پردہ نہیں ہے، مگر اس کے باوجود جب غسل خانے میں جاتا ہے تو داخل ہوکر اندر سے کنڈی لگادیتا ہے۔ کیوں لگا رہا ہے؟ وہاں تو کوئی نہیں ہے! مگر فطرت ہی چاہتی ہے کہ پردے میں رہے، لہٰذا ستر کا چھپانا تو فطری چیز ہے۔ اللہ پاک ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ الحمدللہ ۹/صفات بیان ہوچکیں۔

دسویں صفت ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ :-

دسویں صفت جو ہے، آج خاص اسی کو بیان کرنا ہے۔ دسویں صفت بیان فرمائی: ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی عورتیں۔ قرآن کریم میں آپ دیکھیے، احادیثِ مبارکہ میں دیکھیے تو ہر کام کی لمٹ (limit) ملے گی، ہر عمل کی حد ملے گی۔

لیکن اللہ کا ذکر کرنے کی کوئی لمٹ (limit) نہیں، کوئی حد نہیں۔ نماز کو لے لیجیے! سورج طلوع ہونے کے وقت پڑھیں تو گنہگار، سورج غروب ہونے کے وقت پڑھیں تو گنہگار۔

ہر چیز کے لیے حد اور شرطیں ہیں:-

نماز پڑھنے سے پہلے بدن پاک ہو، کپڑے پاک ہوں، جگہ پاک ہو، قبلے کی طرف رخ ہو، نیت کریں، کتنی شرطیں ہیں! زکوۃ کے لیے شرط ہے کہ اتنا مال ہو تو اس پر زکوۃ فرض ہے، سال گذر گیا ہو۔ حج کے لیے کتنی شرطیں ہیں! احرام باندھے، نیت کرے، حج کے مہینوں میں حج ہوگا، اور اس کے لیے بھی آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ جانا ہے اور نویں ذی الحجہ کو عرفہ جانا ہے، پھر دسویں ذی الحجہ کو دوسرے کام کرنے ہیں، یہ شرائط ہیں۔ مگر اللہ کا ذکر؛ اس کو اللہ پاک نے اتنا آسان کیا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

ذکر کرنے کے لیے کوئی شرط نہیں:-

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے کوئی شرط نہیں، کوئی حد نہیں۔ لیٹے لیٹے، چلتے چلتے، بیٹھے بیٹھے، سوئے سوئے ہر حالت میں ذکر کر سکتے ہیں۔ وضو ہو یا نہ ہو، پاکی کی حالت ہو یا ناپاکی کی حالت ہو، غسل فرض ہے ایسی حالت میں بھی ذکر کر سکتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ذکر اتنا آسان کر دیا ہے، ہر حالت میں ذکر کر سکتے ہیں۔ بس پیشاب پاخانہ کی حالت میں منع ہے اور برہنہ ہونے کی حالت میں، باقی تمام حالتوں میں منع نہیں ہے۔

ہماری نظر میں عقل مند:-

ہم دنیا میں اپنے اعتبار سے لوگوں کو عقل مند کہتے ہیں۔ بھائی! کون عقل مند ہے؟ کہتے ہیں: ان کو بزنس (business) کرنا اچھی طرح آتا ہے، ایک کے دس بناتے ہیں، اس میں بڑا ہوشیار ہے۔ کس طرح تجارت کرنا، کہاں سے مال لانا، کہاں بیچنا، اس میں بہت چالاک ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں: یہ صاحب بڑے ہوشیار ہیں، کیوں؟ یہ بہت ماہر اور تجربہ کار وکیل ہیں،

ان کے پاس جو بھی کیس آتا ہے اس میں یہ ہارتے ہی نہیں، جو بھی کیس آتا ہے اس میں یہ کامیاب ہو جاتے ہیں، تو یہ اپنی وکالت میں بہت ماہر ہیں، بہت عقل منداور بہت ہوشیار ہیں۔ تو دنیا میں ہم اپنی اپنی سمجھ سے لوگوں کو عقلمند ہونے کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں۔ یہ ہمارا معیار اور ہماری کسوٹی ہے۔

قرآن کس کو عقل مند کہتا ہے؟

مگر قرآن کس کو عقل مند کہتا ہے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن جس کو عقل مند کہے وہی عقل مند ہے۔ قرآن کس کو عقل مند کہتا ہے؟ سنیے! ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ﴾ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں دلائل ہیں، نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔ اب اس کے بعد قرآن خود کہتا ہے، عقل مند لوگ یہ ہیں: ﴿اَلَّذِیۡنَ یَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَكَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ فرمایا: عقلمند وہ لوگ ہیں جو کھڑے بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور بیٹھے بیٹھے بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے لیٹے بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کے پیدا ہونے میں غور و فکر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں: اے ہمارے رب! آپ نے یہ آسمان وزمین اور پوری کائنات جو پیدا فرمائی ہے یہ بیکار نہیں بنائی ہے۔ ﴿سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ بیشک آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے، ہم کو جہنم کی آگ سے بچا لیجیے، نجات دے دیجیے! یہ ہیں عقل مند لوگ قرآن کی نظر میں۔

کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو:۔

تو اللہ تعالیٰ نے اگر کسی عمل کو کثرت کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے تو وہ اللہ پاک کا ذکر ہے۔ نماز کے بارے میں نہیں فرمایا کہ کثرت سے نماز پڑھو، اسی طرح اور کسی عمل کے بارے میں نہیں فرمایا، مگر ذکر کے بارے میں کثرت سے کرنے کا حکم فرمایا۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۂ انفال: پ ۱۰) اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ تم فلاح حاصل ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: جب جمعہ کی نماز پڑھ کر فارغ ہو جاؤ تو فرمایا: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ جب جمعہ کی نماز پڑھ چکو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو، رزق حلال حاصل کرو، لیکن وہاں بھی اللہ کے ذکر سے غافل مت ہو جانا، اس کے بعد فوراً بعد ارشاد فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو۔

مجاہدین، حاجیوں اور نمازیوں میں کس کا اجر زیادہ ہے؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ایک مجاہد جہاد میں نکلا ہے، اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر، اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلا ہے، اور پوری ایک جماعت ہے مجاہدین کی، ان مجاہدین میں سب سے زیادہ اجر و ثواب کس کا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مجاہد اجر و ثواب میں سب سے بڑھ کر ہے جو جہاد میں بھی کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔ پھر پوچھا: روزے داروں میں سب سے زیادہ اجر کس کا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزے داروں میں سے سب سے زیادہ اجر اس کا ہے جو سب سے زیادہ ذکر کرنے والا ہو۔ پھر اسی طرح

نماز، زکوۃ، حج اور صدقے کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ان امور میں سب سے زیادہ اجر کس کے لیے ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا ہو۔ تو جتنے اعمال کے بارے میں صحابی پوچھتے گئے ہر ایک کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان سب کے اندر سب سے زیادہ اجر وثواب والا وہ ہے جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ابوحفص! ذکر کرنے والے ساری خیر وبھلائی لے گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ (تفسیر مظہری: ۳/ ۴۸۳-رواہ احمد)

ذکر اللہ سب سے بڑھ کر ہے:-

نماز کے بارے میں تو خود قرآن کریم نے فرمایا: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ بے شک نماز بے حیائی اور منکر باتوں سے روکتی ہے، لیکن اس کے بعد فرمایا: ﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ سب سے بڑا عمل اللہ کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہر مطیع ذاکر ہے:-

علامہ جزری حصنِ حصین میں فرماتے ہیں: ”وليس فضل الذكر منحصرا في التهليل والتسبيح والتكبير، بل كل مطيع لله تعالى في عمل فهو ذاكر“ کہ ذکر صرف تسبیحات پڑھنے کا نام نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص جو اپنے کسی عمل سے اللہ کی اطاعت میں مشغول ہے، تو وہ ذاکر ہے۔

حضور اقدس ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے:-

ابوداود شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: كان رسول الله ﷺ يذكر الله في كل أحيانه -أوكماقال-، اللہ کے رسول ﷺ ہر وقت اللہ کے ذکر میں

مشغول رہتے تھے۔

ساری عبادتوں کی روح اللہ کا ذکر ہے:۔

تو ساری عبادتوں کی روح ذکر اللہ ہے۔ مذکورہ آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔ اب انسان کثرت سے ذکر کرنے والا کب بنے گا؟

اس آیت کا مصداق کون لوگ ہیں:۔

امام مجاہدؒ جو بہت بڑے مفسر ہیں وہ فرماتے ہیں: کوئی بھی شخص کثرت سے ذکر کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جاتا، جب تک کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹے، ہر وقت اللہ کا ذکر نہ کرے۔

(الدر المنثور:۶/ ۶۰۹)

یہ مرتبہ فناءِ قلب سے حاصل ہوگا:۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں: یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب انسان فناءِ قلب حاصل کرے۔ یعنی اس کا قلب فنا ہو چکا ہو، اس کو فنائیت حاصل ہوگئی ہو، اور اس کو مراقبہ حاصل ہو اور اس پر دوام حاصل ہو۔ جب تک یہ تمام خصوصیات انسان کے اندر موجود نہ ہوں اس وقت تک اس کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔

غافلین میں ذکر کی فضیلت:۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں امامِ مالکؒ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ غافلین کے اندر اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ حالتِ جہاد میں جب کہ لوگ میدان سے بھاگ رہے ہوں، ایک آدمی اس میں ڈٹا رہے۔ تو جو درجہ اس مجاہد کا ہے وہ درجہ اس ذاکر کا ہے

جو غافلین میں اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اور غافلین میں ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی درخت ہو، اس کے پتے اور شاخیں سوکھ گئی ہوں، لیکن اس کی ایک ٹہنی ہری بھری ہو۔ اور غافلین میں ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے کالی اور اندھیری کوٹھری کے اندر ایک چراغ جل رہا ہو۔ اور غافلین میں ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اس کا جنت میں مقام دکھا دیتا ہے، اور غافلوں میں اللہ کے ذکر کرنے والے کے گناہ سارے بولنے والوں اور گونگوں کی گنتی کے برابر بخش دیے جاتے ہیں۔
بولنے والوں سے مراد تمام بنی آدم، اور گونگوں سے مراد تمام جانور ہیں۔ (تفسیر مظہری: ۷/ ۳۴۴)

ہم اس آیت کے مصداق کس طرح بن سکتے ہیں؟

سوال یہ ہے کہ ہم ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ کے مصداق کس طرح بن سکتے ہیں؟ ہر شخص کی تمنا ہوتی ہے کہ ہمارا شمار اس کے اندر ہو جائے۔ بظاہر ہمارے لیے تو بہت بڑا مسئلہ ہے اور بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، لیکن قربان جایئے! مفسرین کرام نے بہت آسان کر دیا ہے۔ امام بغویؒ بہت بڑے مفسر ہیں، انہوں نے عطاء بن ابی رباح کا اس آیت کے بارے میں ایک لمبا قول نقل کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ جو شخص پنج وقتہ نماز ادا کرے وہ بھی ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ میں شامل ہے۔ الحمدللہ! ہمارے لیے کتنا آسان ہو گیا، بھائیو! سب اس پر عمل کی نیت کرو۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:-

حضرت شاہ وصی اللہؒ نے فرمایا: ان تمام تفاسیر کے بعد حضرت تھانویؒ نے جو تفسیر لکھی ہے انہوں نے کمال کر دیا ہے۔ بڑی عجیب بات لکھی ہے، فرماتے ہیں: ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ کے مصداق وہ لوگ ہیں جو فرض ادا کرنے کے بعد اذکارِ نافلہ کو بھی ادا

کرے، وہ اس آیت کے اندر داخل ہیں۔

ابھی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی ہوگی، ہمارے محبوب بھائی دادا بھی آج بیٹھے ہوئے ہیں، وہ کہتے ہوں گے کہ مولوی صاحب کیا کہہ کر چلے گئے۔ تو سنیے! اس کا مطلب یہ ہے کہ فرض ہیں، مثلاً: فرض نمازیں، وہ ادا کرے، اور ساتھ میں ان کے علاوہ جو نوافل ہیں، مثلاً: نماز سے پہلے جو سنتیں ہیں، نماز کے بعد جو سنتیں ہیں اور ان کے علاوہ جو نوافل ہیں، تو فرض نماز کے علاوہ ان سنتوں اور نوافل کا بھی اہتمام کرے، تو ان شاء اللہ وہ شخص اس آیت میں شامل ہو جائے گا۔ بتلائیے! آسان ہے کہ نہیں؟ الحمد للہ! اللہ پاک کا کرم اور احسان ہے، ایسی صورتیں علماء نے ہم کو بتلا دیں کہ ان پر عمل کر کے ہم اس آیت کے مصداق بن سکتے ہیں۔

ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال:-

ایک روایت ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مثل الذي يذكر والذي لايذكر مثل الحی والمیت، فرمایا: وہ شخص جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال اور جو شخص اللہ کا ذکر نہیں کرتا اس کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔ یعنی جو اللہ کا ذکر کرنے والا ہے وہ زندہ ہے، اور جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ مردے کی طرح ہے۔ (بخاری شریف: ۹۴۸/۲)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں شامل ہونا کتنا آسان کر دیا!

بہر حال! اللہ پاک نے ہمیں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے، اور اللہ پاک نے اس آیت میں شامل ہونے کے لیے کتنا آسان کر دیا ہے کہ چلتے چلتے بھی ذکر کر سکتے ہیں، بیٹھے بیٹھے بھی ذکر کر سکتے ہیں، لیٹے لیٹے بھی ذکر کر سکتے ہیں، ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی ذکر کر سکتے ہیں۔ چونکہ ہماری عادت نہیں، اور ذکر کرنے کا ذوق وشوق نہیں، اس لیے ہمیں مشکل لگتا ہے اور ذکر کی

طرف توجہ نہیں ہوتی۔

میوزک (music) اور گانے کی کثرت اور عادت:-

بہت سوں کی عادت یہ ہے کہ جہاں ڈرائیونگ شروع کی کیسٹ رکھ دی۔ اب گانے کی کیسٹ بج رہی ہے اور ساتھ میں جھوم بھی رہے ہیں، یہ عجیب ایک فتنہ شروع ہو گیا ہے، جہاں جاؤ گانے کی کیسٹ چل رہی ہے۔ گوروں (انگریزوں) کی دکان میں جاؤ تو وہاں بھی کیسٹ لگی ہوئی ہے اور ایشین مسلمانوں کی دکان میں جاؤ تو وہاں بھی لگی ہوئی ہے۔ شادی ہے تو اس میں بھی میوزک چل رہا ہے، کھانا بھی کھا رہے ہیں اور ساتھ میں میوزک بھی چل رہا ہے، کھانا اور گانا دونوں چاہیے۔ ہر حالت میں میوزک، میوزک، میوزک۔ اب تو ڈر لگتا ہے کہ کہیں نماز کے وقت بھی میوزک شروع نہ ہو جائے (معاذ اللہ)، چونکہ میوزک کا ذوق وشوق ہو گیا ہے لہٰذا ہر وقت اور ہر حالت میں میوزک چلتا ہے۔

ڈرائیونگ کرتے ہوئے اور ہر حال میں اللہ کا ذکر:-

اگر اللہ کا ذکر کرنے کا ذوق وشوق پیدا ہو جائے تو ڈرائیونگ (driving) بھی کرتے رہیں اور زبان سے سبحان اللہ، الحمد للہ بھی جاری رہے، اور ما شاء اللہ عمل کرنے والوں کا یہی معمول ہے۔ حضرت مولانا ابرار احمد دھلیویؒ اس کی مثال دیا کرتے تھے، مشق کرنے کی ضرورت ہے، اگر مشق ہو جائے تو ڈرائیونگ کے ساتھ ذکر اللہ کچھ مشکل نہیں۔ آپ نے ہندوستان اور پاکستان میں دیکھا ہوگا، آج کا دور تو بہت ترقی کا دور ہے، وہاں بھی جنگل میں منگل ہو گیا ہے، وہاں بھی بہت ترقی ہوگئی ہے، حالات بدل گئے ہیں، لیکن پُرانے جتنے لوگ ہیں انہوں نے دیکھا ہے کہ گاؤں میں تالاب ہوتا تھا، اس کے پاس عموماً کنواں ہوتا تھا، ماں بہنیں بیچاری پانی بھرنے

جاتی تھیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ عورتیں گھڑوں میں پانی بھرتی تھیں، وہ گھڑے پیتل کے، تانبے کے، مٹی کے ہوتے تھے، ان گھڑوں میں پانی بھرتی تھیں اور سر پر گھڑے رکھتی تھیں۔ ایک، اس پر دوسرا، اس پر تیسرا، اب تین گھڑے سر پر رکھے، اور اڑوس پڑوس کی جتنی ماں بہنوں نے پانی بھرلیا اور ماں بہنوں نے گھڑے سر پر رکھے اور سب ساتھ مل کر چل رہی ہیں۔ اب ان کو کتنی پریکٹس ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے پکڑ بھی نہیں رہی ہیں، ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور آس پڑوس کی عورتیں ساتھ میں جا رہی ہیں اور دنیا بھر کی اِیران تُوران کی باتیں ہو رہی ہیں، لیکن ان کے دماغ کی توجہ اوپر ہے۔ دیکھو! باتیں بھی چل رہی ہیں، ہاتھ بھی کھلے ہیں، پکڑا بھی نہیں ہے، پانی کے گھڑے بھر کر آ بھی رہی ہیں، مگر پانی کے گھڑوں پر ذرا اثر بھی نہیں آتا، نہ پانی گرتا ہے، نہ گھڑا پھوٹتا ہے۔ یہ سب کس طرح ہو رہا ہے؟ یہ سب پریکٹس سے ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان اگر ڈرائیونگ کرتے کرتے، چلتے چلتے، پھرتے پھرتے اللہ عزوجل کا ذکر کرنے کا عادی بن جائے تو کوئی مشکل نہیں ہے، پریکٹس اور ذوق وشوق کی ضرورت ہے، عادت بنانے کی ضرورت ہے۔ اگر عادت بن گئی تو ڈرائیونگ بھی ہو رہی ہے اور زبان سے اللہ کا ذکر بھی ہو رہا ہے۔ بس توجہ اور ذوق وشوق اور عادت کی ضرورت ہے۔ جیسے آج کل ڈرائیونگ کرتے ہوئے موبائل فون سے بات چیت بھی کر رہے ہیں اور ڈرائیونگ بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا ذکر کرنے کی توفیق نصیب فرما دے۔

ان دس صفات والوں پر مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ:-

اللہ تعالیٰ نے یہ دس صفات بیان فرمائیں۔ اب جو مرد اور عورتیں اپنے اندر ان دس صفات کو پیدا کریں گے اور ان دس صفات کے حامل ہوں گے، اللہ پاک ایسے لوگوں سے وعدہ فرماتے ہیں: ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے

مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے، اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائیں گے اور اجرِ عظیم عنایت فرمائیں گے۔

کائنات کی ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے:-

اور ذکر تو ایک ایسی چیز ہے کہ صرف ہمارے اوپر موقوف نہیں ہے، اگر ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں، چند تسبیحیں پڑھ لیتے ہیں تو ہم اس پر فخر نہ کریں کہ بس ہم ہی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، بلکہ اللہ کا ذکر ایسی چیز ہے کہ کائنات کی ہر چیز، کائنات کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ فرمایا: کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ کی حمد وثنا اور تسبیح نہ کرتی ہو۔ ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ (پ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل)

ہم ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تو......:-

بھائی! ہم کیا سمجھیں، جانور کیا تسبیح کرتا ہے، مینڈک کیا تسبیح کرتا ہے، چڑیا کیا تسبیح کرتی ہے، مور کیا تسبیح کرتا ہے، پہاڑ کیا تسبیح کرتا ہے، شیر کیا تسبیح کرتا ہے، ہم اس کی تسبیح اور حمد وثنا کو کیا سمجھیں؟ ہم ان کی باتوں کو کیا سمجھیں؟ ہم تو آپس میں ایک دوسرے کی زبان اور لینگویج (language) بھی نہیں سمجھتے۔ ہمارے بادشاہ گل صاحب پشتو میں گفتگو کرتے ہیں، ہمارے کچھ بھی پلّے نہیں پڑتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، کوئی بھائی پنجابی بولنے والا ہے، ہمیں کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ جس کو انگریزی نہ آتی ہو اس کے سامنے کوئی انگریزی میں بات شروع کردے تو وہ اس کا منہ دیکھتا رہتا ہے۔ انگریزی والے کو اردو بات سمجھ میں نہیں آتی۔ جس کو گجراتی نہ آتی ہو اس کو

گجراتی سمجھ میں نہیں آتی۔ جب ہم ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھتے ہیں تو جانوروں کی اور اللہ کی کائنات کے اندر جتنی مخلوق ہے ہم ان کی بات کیا سمجھیں گے؟ مگر قرآن کہتا ہے: ﴿وَإِنْ مِّنْ شَیْءٍ إِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾ کہ کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ پاک کی تسبیح اور حمد وثنا بیان نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔ لہٰذا ہمارے نہ سمجھنے سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ وہ تسبیح نہیں کرتے۔ قرآن نے کہہ دیا، بس! اس پر ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں بہت سے جانوروں کے بارے میں لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی جانور بولتا ہے تو وہ اکثر وبیشتر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تسبیح وتقدیس بیان کرتا ہے یا وعظ ونصیحت۔

چناں چہ مور کہتا ہے: "کما تدین تدان" جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ حدّی کہتا ہے: "کل شيء هالك إلا الله تعالى" ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ عز وجل کی ذات کے۔ خطاف (ابابیل کی طرح ایک پرندہ ہے) کہتا ہے: "قدموا خیرا تجدوه" جو بھلائی کروگے اس کو پاؤگے۔ شاما کہتا ہے: "سبحان الله الخلاق الدائم" اللہ تعالیٰ پاک ذات ہے جو پیدا کرنے والا اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ہدہد کہتا ہے: "استغفروا الله أيها المذنبون" اے گنہگارو! اللہ سے مغفرت طلب کرو۔ زرزور (جو چڑیا سے بڑا ایک پرندہ ہے) کہتا ہے: "اَللّٰهُمَّ إني أسئلك قوت يوم بيوم يا رازاق" اے بہت زیادہ روزی دینے والے! میں تجھ سے روزانہ صرف ایک دن کی روزی کا سوال کرتا ہوں۔

اسی طرح تیتر کہتا ہے: "الرحمن على العرش استوى" اللہ تعالیٰ عرش کے مالک

ہیں۔ گدھ (کرگس) کہتا ہے کہ "يا ابن آدم!عش ماعشت فإن آخرك الموت" اے آدم کے بیٹے! جتنا جینا ہے جی لے آخر موت ہی ہے۔ باز کہتا ہے: "في البعد من الناس أنس" لوگوں سے دور رہنے میں راحت ہے۔ سنگخورہ کہتا ہے: "من سكت سلم" جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔ طوطا کہتا ہے: "ويل لمن الدنيا همُّه" جس نے دنیا کا غم و فکر کیا وہ ہلاک ہوا۔ مرغ کہتا ہے: "أذكروا الله يأيها الغافلون" اے غفلت میں سونے والو! اللہ کا ذکر کرو۔ قمری بولتی ہے: "سبحان ربي الأعلى"، طیطوی کہتا ہے: "لكل حي موت ولكل جديد بال" ہر جاندار کو مرنا ہے، ہر نئے کو پُرانا ہونا ہے۔ نیز فاختہ کہتی ہے: "ليت ذا الخلق لم يخلقوا" اے کاش! مخلوق پیدا ہی نہ کی جاتی۔

(روح المعانی: ۱۰/ ۱۶۷، ۱۶۸- دار الکتب العلمیۃ، بیروت-)

اللہ پاک کسی کو سنوا دے تو وہ سن لیتے ہیں:-

خیر! عام حالات میں تو یہی ہے کہ ہم نہیں سمجھتے، لیکن اگر اللہ پاک کسی کو سنوا دے تو سن بھی لیتے ہیں، اور کسی کو سمجھا دے تو سمجھ بھی لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہی صفت حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی دی تھی۔ حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں تو آپ کو معلوم ہے کہ اللہ پاک نے ان کو زبور عطا فرمائی تھی، (زبور اللہ پاک کی مقدس کتاب ہے) اور اللہ پاک نے حضرت داود علیہ السلام کو ایسی شیریں آواز اور خوش الحانی عطا فرمائی تھی (لحن داودی مشہور ہے) کہ جب وہ اللہ کا ذکر کرنے بیٹھتے تھے، اللہ پاک کی تسبیح اور حمد کرنے بیٹھتے تھے تو ان کی تسبیح کے ساتھ ساتھ چرند و پرند اور پہاڑ بھی تسبیح کرنے لگتے تھے۔

چرند و پرند، پہاڑ حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کرتے تھے:-

قرآن کریم نے فرمایا: ﴿وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ﴾ کہ ہم

نے مسخر کر دیا تھا داود علیہ السلام کے لیے پہاڑ کو اور پرندوں کو کہ وہ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے، اور یہ ہم ہی کرنے والے ہیں۔ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ﴾ پہاڑ اور پرندے سب ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے۔ اور قرآن میں ایک جگہ فرمایا: ﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً﴾ ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ ان کے ساتھ صبح و شام اللہ کی تسبیح اور حمد بیان کرتے تھے، اور جب وہ تسبیح کرتے تھے تو پرندے سارے آ کر گھیر لیتے تھے اور وہ بھی اللہ کی حمد و ثنا اور تسبیح میں مشغول ہو جاتے تھے۔

حضرت داود علیہ السلام کا معجزہ:-

حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ پاک نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا، حضرت داود علیہ السلام ان کی تسبیح کو سمجھتے بھی تھے۔ اللہ پاک نے حضرت داود علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ پہاڑ کیا تسبیح کر رہا ہے، جانور کیا تسبیح کر رہا ہے، پرندہ کیا تسبیح کر رہا ہے، وہ ان کی تسبیح کو سمجھتے بھی تھے۔

حضرت داود علیہ السلام کا ایک واقعہ:-

امام غزالیؒ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داود علیہ السلام اپنے عبادت خانے میں بیٹھے ہوئے زبور کی تلاوت کر رہے تھے، تبھی انہوں نے مٹی میں ایک کیڑا دیکھا، تو سوچا کہ اللہ نے اس کو کیوں پیدا کیا ہے؟ تو اللہ نے اس کیڑے کو بولنے کی قدرت دی، وہ کہنے لگا: اے اللہ کے نبی! مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں دن میں روزانہ ۱۰۰۰/ مرتبہ "سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر" پڑھوں، اور رات میں یہ حکم دیا کہ ۱۰۰۰/ مرتبہ "اللّٰهُمَّ صل على محمد النبي الأمي وعلى آله وصحبه وسلم" پڑھوں۔ اب آپ اپنا معمول بتلائیے، تاکہ میں آپ سے استفادہ کروں۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام اس

کیڑے کو حقیر جاننے پر شرمندہ ہوئے، اور اللہ کی طرف رجوع کیا، اور توبہ کی۔

مینڈک اور ایک کیڑے کی تسبیح:۔

اسی طرح امام بغویؒ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے، اور اسی روایت کو علامہ دمیریؒ نے حیاۃ الحیوان میں بھی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داود علیہ السلام رات کو بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کر رہے تھے، علامہ دمیریؒ نے لکھا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ آج میں اللہ پاک کی ایسی حمد وثنا کروں گا کہ کسی مخلوق نے ایسی حمد وثنا نہ کی ہوگی۔ آپ حمد وثنا کر رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کے گھر کے قریب تالاب میں سے ایک چھوٹے سے مینڈک نے منہ نکالا اور اس نے اللہ پاک کی حمد وثنا شروع کردی۔ حضرت داود علیہ السلام اس کی حمد وثنا سننے لگے، وہ چھوٹا سا مینڈک کیا کہہ رہا تھا: "سبحان المعبود فی لجج البحار" پاک ہے وہ ذات جس کی عبادت، تسبیح اور حمد وثنا سمندر اور دریا کی گہرائیوں میں کی جاتی ہے۔ (تفسیر بغوی: ۵/ ۱۱۳)

اور ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داود علیہ السلام نے سوچا کہ آج میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تسبیح بیان کروں گا کہ اس سے پہلے کسی مخلوق نے ایسی تسبیح بیان نہ کی ہوگی، تو ایک مینڈک نے ان کے گھر کے قریب کی نہر سے آواز دے کر کہا: اے داود! تم اللہ کی تسبیح سے فخر کرتے ہو؛ حالاں کہ مجھے ۷۰ رسال ہوگئے ہیں اور میری زبان اللہ کے ذکر سے غافل نہ رہی، اور دس راتیں ایسی ہوگئی ہیں کہ میں نے دو کلموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔ حضرت داود نے پوچھا: وہ دو کلمے کیا ہیں؟ اس نے کہا: "یا مسبحا بکل لسان ومذکورا بکل مکان" پاک ہے وہ ذات جس کی تسبیح ہر زبان میں اور ہر مکان، ہر جگہ کی جاتی ہے۔ حضرت داود نے کہا: اس سے زیادہ بلیغ تسبیح میرے لیے ممکن نہیں تھی۔ (حیاۃ الحیوان: ۲/ ۱۱۸- دار الکتب العلمیۃ-)

شیر کی تسبیح:-

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اکرم ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ شیر اپنی چھنگاڑ میں کیا کہتا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں تو کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیا کہتا ہے، اللہ پاک اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں وہ کیا کہتا ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ کہتا ہے کہ یا اللہ! مجھے کسی اچھے اور نیک انسان پر مسلط نہ کرنا، صالح شخص پر مجھے مسلط نہ کرنا۔ اللہ اکبر! یہ اس کی تسبیح ہے۔

(حیاۃ الحیوان: ۱/ ۱۳-دار الکتب العلمیۃ-)

شیر جنگل میں واپس چلا گیا، حضرت ابن عمرؓ کا ایک واقعہ:-

علامہ دمیریؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی جگہ سفر کر رہے تھے، دیکھا کہ ایک جگہ لوگ خوفزدہ ہیں، ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں۔ پوچھا: کیا ہوا؟ کیوں خوفزدہ ہو؟ لوگوں نے بتایا کہ ہمارے یہاں جنگل سے ایک شیر آ گیا ہے اور فلاں جگہ ہے، اس کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے اونٹ سے اترے اور اس شیر ببر کے پاس پہنچے اور اس کا کان پکڑا، اور اس کو راستے سے کنارے کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے غلط نہیں کہا کہ جس شخص اور جس مخلوق کے دل میں اللہ کا ڈر نہیں ہوتا ہے تو پھر اللہ شیروں کا ڈر پیدا کر دیتا ہے۔ (حیاۃ الحیوان: ۱/ ۱۱-دار الکتب العلمیۃ-)

تو جو لوگ نیک اور صالح ہوتے ہیں تو شیر خود یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ مجھے صالح اور نیک لوگوں پر مسلط نہ فرما۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی سمجھتے تھے:-

حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ پاک نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ﴾ اور داود علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے قائم مقام سلیمان علیہ السلام ہوئے، اور انہوں نے اظہارِ تشکر کے لیے کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی تعلیم دی گئی ہے اور ہم کو (سامانِ سلطنت کے متعلق) ہر قسم کی ضروری چیزیں دی گئی ہیں، واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا صاف فضل ہے۔

چیونٹی کی دانائی:-

آپ نے قرآن مجید میں ایک سورت پڑھی ہے، اس کا نام ہے: سورۂ نمل۔ نمل کے معنی ہیں: چیونٹی۔ گجراتی زبان میں اسے کیڑی کہتے ہیں، یہ چھوٹی سی چیونٹی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنا لشکر لے کر جا رہے تھے، چیونٹی بھی ادھر ادھر رینگتی ہوں گی بیچاری، چیونٹیوں کی سردار نے سب کو خبردار کیا اور اعلان کیا: اے چیونٹیو! دیکھو سلیمان کا لشکر آرہا ہے، تم اپنے بلوں میں چلی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تم کو کچل ڈالے اور وہ جان بوجھ کر تم کو نہیں کچلیں گے، لیکن ان کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔ فرمایا: ﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا: اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تم کو بے خبری میں کچل نہ ڈالے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی یہ گفتگو بہت پسند آئی، اپنے لشکر کو روک لیا۔ سلیمان علیہ السلام کو تو آئی ہی، لیکن رب کو بھی پسند آگئی کہ رب نے اس کو قرآن میں جگہ دے دی اور ایک سورت کا نام ہی سورۂ نمل کر دیا۔ سلیمان علیہ السلام نے اس سے بات چیت کی، کیا بات ہے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کا جواب:-

علامہ قلیوبی (متوفی: ۱۰۶۹ھ) نے اپنی کتاب نوادر میں نقل فرمایا ہے کہ سلیمان نے اس چیونٹی سے فرمایا: "هل لك من حاجة؟" تیری بات مجھے بہت پسند آئی، پھر فرمایا: کیا میں تمہاری کوئی ضرورت پوری کر سکتا ہوں؟ میں تجھے کچھ دے سکتا ہوں؟ اب سنو! چیونٹی کیا جواب دیتی ہے، وہ کہتی ہے: "أنت عاجز والطلب من العاجز غير جائز"، اے سلیمان! یہ سب کچھ اللہ نے تم کو دیا ہے، تم بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، تم عاجز ہو اور عاجز آدمی سے مانگنا جائز نہیں ہے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: "لا بد أن تطلبني مني حاجة"، فرمایا: بے شک میں عاجز ہوں، لیکن اللہ پاک ہی کا دیا ہوا بہت کچھ ہے، لہٰذا کچھ نہ کچھ مجھ سے مانگ لے، کچھ نہ کچھ ہدیہ میری طرف سے قبول کر لے، کچھ نہ کچھ مجھ سے لے لے۔ تو چیونٹی نے کہا: جب آپ کا اصرار ہے تو آپ مجھے دو چیزیں عنایت فرمائیں: "زدني رزقي وعمري" میرا رزق زیادہ کر دو اور میری عمر زیادہ کر دو۔ اور یہ سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ میں بھی نہیں ہے۔ (نوادر القلیوبی: ۱۳۰)

ہر مخلوق کی روزی کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے:-

آپ نے پہلے سنا ہوگا، قرآن نے کیا کہا: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ کہ زمین پر چلنے والے جتنے بھی انسان ہیں، پرند چرند، جتنے بھی ہیں ان کی روزی کا معاملہ اللہ پاک نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمائش کی تھی کہ اے اللہ! میں آپ کی مخلوق کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، اللہ پاک نے فرمایا: تمہارے بس کی بات نہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے

پھر فرمائش کی، جب آپ نے بہت اصرار کیا تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: اچھا! ایک وقت کی دعوت کر دو۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے مخلوقِ خدا کی دعوتِ طعام:-

حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کیسی تھی؟ انسان کیا، جنات بھی آپ کے تابع تھے، ہوا بھی ان کے تابع تھی۔ اللہ کی مخلوق کو دعوت کرنے کے لیے بڑا زبردست دسترخوان بچھایا اور کھانے کی تیاری شروع کی، کئی دن اس کے اندر لگ گئے، کئی قسم کے کھانے تیار فرمائے، جب آپ کے اعتبار سے ساری تیاری پوری ہوگئی تو اللہ پاک سے عرض کیا: اے اللہ! میں تیار ہوں، آپ اپنی مخلوق بھیج دیجیے! دعوت کا کھانا کھانے کے لیے ساری مخلوق جمع ہوگئی۔ سلیمان علیہ السلام نے کہا: سب سے پہلے کس کو کھلاؤں؟ آپ نے کہا: چلو! سب سے پہلے دریا کی مخلوق کو کھلاتا ہوں، مچھلیوں کو کھلاتا ہوں، چناں چہ ایک بڑی وھیل مچھلی آگئی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو کھانا دینا شروع کیا، آپ کھانا دیتے گئے اور وہ کھاتی گئی، یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام مخلوق کے لیے جتنا کھانا تیار کیا تھا وہ سب کھا گئی۔ اس کے بعد کہنے لگی: سلیمان! اور دو، سلیمان! اور دو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ساری مخلوق کا کھانا تو اکیلی چٹ کر گئی، اور ابھی اور مانگ رہی ہے؟ مچھلی نے کہا: اے سلیمان! میرا رب ایسے دو لقمے مجھے روزانہ کھلاتا ہے۔ سبحان اللہ! اللہ اکبر! اللہ پاک کی حکومت بہت بڑی ہے، بے شک وہی اپنے خزانوں سے تمام مخلوق کو روزی پہنچاتا ہے، یقین چاہیے۔

موت وحیات کا پورا اختیار اللہ عزوجل کے قبضے میں ہے:-

تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس چیونٹی نے کہا: ”زدني رزقي وعمري“، مگر یہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کسی انسان یا کسی چیونٹی کی عمر بڑھا نہیں سکتے، یہ معاملہ اللہ پاک کے اختیار میں ہے۔ آپ کی موت کا جب وقت آیا تو آپ اپنی عمر نہیں بڑھا سکے۔ قرآن مجید میں یہ واقعہ مذکور ہے، سورۂ سبا میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس بنایا، جناتوں سے کام لیا، جنات بڑے بڑے پتھر توڑ کر بیت المقدس بنا رہے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی نگرانی فرماتے تھے۔ جب مسجد بننے کے قریب آ گئی، سب کام ختم ہونے کے قریب آ گیا تو ملک الموت آپ کے پاس آ گئے اور عرض کیا: ہم آپ کی روح قبض کرنے آئے ہیں، آپ کی موت کا وقت آ گیا ہے، ہم اللہ کی طرف سے آئے ہیں، اللہ کے پاس سے آپ کا بُلاوا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اجازت لو کہ میں اللہ پاک کا گھر بنا رہا ہوں، اپنا ذاتی کام نہیں ہے۔ مسجد کا کام پورا ہونے میں تھوڑا کام باقی ہے اور یہ جنات کام میں لگے ہوئے ہیں، اگر اللہ کے پاس چلا جاؤں گا تو کام رہ جائے گا، یہ جنات سب بھاگ جائیں گے اور کام ادھورا رہ جائے گا، لہٰذا تھوڑا وقت مجھے دے دو تا کہ کام پورا ہو جائے اور اللہ کا گھر مکمل ہو جائے۔ فرشتے نے جا کر اللہ پاک کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیغام سنایا۔ اللہ پاک نے فرمایا: نہیں! ہمارا کام تو ہم پورا کر لیں گے، آپ کی موت کا وقت آ چکا ہے، اب اس فیصلے میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ یہ قرآن کا واقعہ سنا رہا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا واقعہ:-

اب سلیمان علیہ السلام چوں کہ پورے کام کے انچارج تھے، اور جنات جو بڑے سرکش ہوتے ہیں وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے کام کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے

دستور کے مطابق اپنے ہیکل میں (محراب میں) داخل ہو گئے جو شیشے کا بنا ہوا تھا، باہر سے اندر کی چیز نظر آتی تھی، اور اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لیے ایک عصا کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے۔ جنات یہ سمجھے کہ آپ ہماری نگرانی کر رہے ہیں اس لیے آپ کے ڈر سے برابر کام کرتے رہے، اسی حالت میں آپ کی روح قبض ہو گئی، مگر آپ اپنے عصا کے سہارے اپنی جگہ کھڑے رہ گئے اور باہر سے اس طرح نظر آتے تھے کہ آپ زندہ ہیں اور عبادت میں مشغول ہیں اور نگرانی کر رہے ہیں۔ جنات کے اندر مجال نہ تھی کہ پاس آ کر دیکھ سکتے، آپ کو زندہ سمجھ کر کام میں مشغول رہے یہاں تک کہ ایک سال گذر گیا اور بیت المقدس کی تعمیر کا کام پورا ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے گھن کے کیڑے کو جس کو دیمک کہتے ہیں ان کی لکڑی میں پیدا کیا، اس نے آپ کے عصا کو اندر سے کھانا شروع کر دیا جس سے آپ کا عصا اندر سے کھوکھلا ہو گیا، اس کی وجہ سے عصا ٹوٹ گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام گر گئے، اب جنوں کو پتہ چلا۔

قرآن مجید میں ہے: ﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾ پس جب ہم نے سلیمان علیہ السلام پر موت کا حکم جاری کر دیا تو جنوں کو کسی نے آپ کی موت کی خبر نہ دی تھی مگر دیمک کے کیڑے نے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا کو کھا رہا تھا، پس جب اس عصا کے گر جانے سے سلیمان علیہ السلام گر پڑے تب جنات کو اپنے دعوائے غیب دانی کی حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اتنی مدت (ایک سال) تک اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

تو دیکھیے! حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا جب وقت آیا تو آپ کو موت آ گئی، اس لیے

چیونٹی نے جو مطالبہ کیا "زدني رزقي وعمري"، اگر دینا چاہتے ہو تو میرے رزق اور عمر میں اضافہ کر دیجیے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میرے ہاتھ میں نہیں ہے، کچھ ایسی چیز مانگ جو میں دے سکوں، تو چیونٹی نے کہا: "إن قضاء الحوائج من الله" میری ساری ضرورتوں اور حاجتوں کا پورا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، ان کے سوا کوئی نہیں۔

یہ مسئلہ چیونٹی سے سیکھیے!

استعانت لغیر اللہ یعنی اللہ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنا جائز نہیں، اگر کسی کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، کسی کی کھوپڑی میں نہیں بیٹھی ہے تو وہ چیونٹی سے یہ سبق سیکھے کہ وہ بھی جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہے۔ دیکھیے! چیونٹی کیسا کلام کر رہی ہے اور کیسی باتیں کر رہی ہے، اور حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے کلام کو سمجھ رہے ہیں اور اس سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ (کتاب النوادر مصری: ۹۱)

چیونٹی کی دعا:-

حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط ہوا، آپ دعا کرنے کے لیے جنگل میں نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی اللہ پاک سے دعا کر رہی ہے: "اے اللہ! ہم آپ کی ایک مخلوق ہیں، اور آپ کی بارش کے ہم محتاج ہیں، اور اگر آپ ہم پر بارش نہیں برسائیں گے تو ہم ہلاک ہو جائیں گے"۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کی دعا سن کر فرمایا: واپس چلو! کیوں کہ تمہارے علاوہ ایک مخلوق کی دعا کی برکت سے اللہ تمہیں سیراب کر دے گا۔ (الدعاء للطبرانی: ۳۰۰- دار الکتب العلمیۃ-)

حضورِ اکرم ﷺ پتھر کے سلام کو سمجھتے تھے:-

تو قرآن کہتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد و ثنا کرتی ہے، ہم اس کی تسبیح

اور حمد وثنا کو سمجھتے نہیں ہیں۔ حضورِ پاک ﷺ فرماتے ہیں: مجھ کو نبوت ملنے سے پہلے جب میں کسی جگہ سے گذرتا تھا تو بہت سے پتھر مجھے سلام کرتے تھے، میں ان پتھروں کو پہچانتا بھی ہوں، تو وہ پتھر حضورِ اکرم ﷺ کو سلام کرتے تھے اور حضورِ اکرم ﷺ ان کے سلام کو سمجھتے بھی تھے اور جواب بھی دیتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۴/ ۱۷۸۲- دار الکتب العلمیۃ بیروت-)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ مکہ سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت بھی ہمارے سامنے آتا اس سے السلام علیك یا رسول الله کی آواز آتی تھی۔ (ترمذی شریف: ۲/ ۵۲۹- مطبوعہ: الطاف اینڈ سنز، کراچی-)

اسطوانۂ حنانہ کا واقعہ:-

بس اب ایک واقعہ سنا کر بات ختم کر دیتا ہوں، وہ بھی حضور ﷺ کا واقعہ ہے۔ حضرت داود علیہ السلام کا واقعہ سنایا، حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ سنایا تو ہمارے محبوب ﷺ کا واقعہ بھی سناؤں کہ آپ ﷺ تسبیح کو کیسے سنتے تھے، پہاڑوں کی تسبیح کیسے سنتے تھے۔ یہ بہت مشہور واقعہ ہے، یہ امامِ بخاریؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ چناں چہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد نبوی میں جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے تو کھجور کے اس تنے پر جو ستون کے طور پر مسجد میں کھڑا تھا؛ کمر لگا لیتے، پھر جب منبر تیار ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ اس پر خطبہ پڑھنے لگے تو وہ ستون جس سے کمر لگا کر آپ ﷺ خطبہ پڑھا کرتے تھے چلایا (فراقِ غم نبی میں) اور قریب تھا کہ وہ فراق کی اذیت کی شدت سے پھٹ جائے، رسول اللہ ﷺ منبر سے اترے اور ستون کو ہاتھوں سے پکڑا، اور پھر سینے سے لگایا، پھر اس ستون نے بچوں کی طرح رونا اور نالہ کرنا شروع کر دیا۔ ہاں! ان بچوں کی طرح جن کو تسلی دے کر خاموش کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس ستون کو سکون حاصل ہوا۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ ستون اس لیے رویا کہ جو بیان کرتا تھا وہ سنا کرتا تھا، اس کو اس نے نہ سنا، وہ

آپ ﷺ کے خطاب سے محروم ہو گیا۔ (صحیح البخاری:۱/۵۰۶)

آپ مدینہ منورہ تشریف لے جائیں تو آپ وہاں دیکھیں گے، ایک ستون اسطوانۂ حنانہ ہے، حنانہ کے معنی رونے والا، وہ کھمبا جو رویا تھا، رونے والا ستون۔ تو وہ حضور ﷺ کی جدائی پر رونے لگا، اور رونے کی آواز صرف حضور اقدس ﷺ نے نہیں سنی بلکہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سنی۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں: ؎

استن حنانہ از ہجر رسول ۞ نالہ می زدہم چوں ارباب عقول

اسطوانۂ حنانہ رو رہا تھا، اور اس طرح رو رہا تھا جس طرح ایک سمجھ دار انسان روتا ہے۔

در تحیر ماندہ اصحاب رسول ۞ کز چہ می نالد ستوں با عرض وطول

اس کے رونے کی آواز سے اصحاب رسول ﷺ بھی حیرت میں رہ گئے کہ یہ ستون کس طرح رو رہا ہے، حالانکہ یہ تو ایک لکڑی ہے۔

حضور اقدس ﷺ اس کے پاس گئے، اس کے اوپر ہاتھ رکھا اور اس کو اپنے سینے سے لگا یا، جس طرح ایک بچہ روتا ہے تو ماں اپنے سینے سے اس کو لگاتی ہے، باپ اس کو سینے سے لگاتا ہے تو جس طرح وہ بچہ ہچکیاں لیتے لیتے خاموش ہو جاتا ہے اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ نے اس کے اوپر اپنا دست مبارک رکھا تو وہ آہستہ آہستہ خاموش ہو گیا۔ پھر حضور ﷺ نے اس سے فرمایا، جس کو علامہ رومیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے: ؎

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستوں ۞ گفت جانم از فراقت گشت خوں

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے، کیوں روتا ہے؟ اس نے کہا: میرے رونے کی کوئی وجہ نہیں، آپ کی جدائی پر رو رہا ہوں۔ آپ مجھ سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، اب آپ کا منبر بن گیا، آپ نے مجھے چھوڑ دیا تو آپ کی جدائی پر روتا ہوں۔ اندازہ لگائیے! اس ستون کو

حضورِ اقدس ﷺ سے کیسی محبت ہوگی۔

از فراقِ تو مرا چوں سوخت جاں ۞ چوں نالم بے تو اے جان جہاں

آپ کی جدائی سے میری جان اندر اندر جل رہی ہے اور میرا دل اندر سے غمزدہ ہے، تو میں آپ کے فراق پر کیوں نہ روؤں؟ یا رسول اللہ! آپ ہی تو جانِ کائنات ہیں۔

مسندت من بودم از من تاختی ۞ بر سرِ منبر تو مسند ساختی

میں آپ کا مسند تھا، آپ مجھ سے الگ ہو گئے اور آپ نے میری جگہ دوسرا منبر پسند فرما لیا، بس یہ جدائی میرے لیے نا قابل برداشت ہو رہی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اچھا، بتا کیا چاہتا ہے تو؟ اگر تو چاہے تو میں تجھے بو دوں، اور قیامت تک تو سرسبز و شاداب رہے، اور جتنے لوگ حج و عمرہ کرنے کے لیے آئیں اور جتنے علمائے کرام، اولیائے عظام، صلحاء دنیا میں آئیں گے وہ سب تیرا پھل کھائیں گے، اور اگر تیری یہ مرضی ہو تو تجھے جنت میں بو دوں۔ وہ درخت بڑا عقلمند اور سمجھ دار تھا، اس نے کہا: دنیا میں تو ختم ہو جائیں گے، آپ جنت میں بو دو تا کہ جنت والے میرا پھل کھائیں۔ تو جنت میں دنیا کی جو چیزیں جائیں گی ان میں سے ایک مذکورہ ستون بھی ہوگا، یہ بھی جنت میں جائے گا۔ (الخصائص الکبریٰ: ۲/ ۱۲۶)

گفت آں خواہم کہ دائم شد بقاش ۞ بشنو اے غافل کم از چوبے مباش

اسطوانۂ حنانہ نے کہا: میں وہ چاہتا ہوں جو ہمیشہ رہنے والی نعمت ہو۔ اب مولانا رومؒ اس واقعے سے نتیجہ نکالتے ہیں اور نصیحت فرماتے ہیں کہ اے غافلو! سن لو، تم کو اس لکڑی سے سبق لینا چاہیے کہ تم انسان ہو کر اس دنیائے فانی پر گرویدہ اور آخرت سے روگرداں ہو رہے ہو، اور وہ بے جان ستون جو دیکھنے میں بے جان ہے مگر کیسا سمجھ دار ہے کہ وہ آخرت کی دائمی نعمت کو دنیا کی فانی نعمت پر ترجیح دے رہا ہے۔

آں ستوں را دفن کرد اندر زمیں ❁ تا چو مردم حشر گردد یوم دیں

پھر اس اسطوانۂ حنانہ کو زمین میں دفن کر دیا گیا تاکہ انسانوں کی طرح قیامت کے دن اس کا حشر ہو۔ (معارف مثنوی:۱/ ۳۴۰،۳۴۱)

خلاصہ: پنج وقتہ نماز اور سنن ونوافل کا اہتمام کرو:-

تو میرے دوستو! کائنات کی ہر چیز اللہ کی حمد اور تسبیح کرتی ہے لیکن ہم اس کی حمد اور تسبیح کو نہیں سمجھتے ہیں۔ بہر حال! اس آیت کریمہ میں فرمایا:﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ پاک نے ان کے لیے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے:﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾۔ اگر ہم کثرت سے ذکر نہیں کر سکتے تو آسانی کے لیے یہ عمل کیا کریں کہ پنج وقتہ نماز ادا کریں، جماعتوں کا اہتمام کریں اور سنن ونوافل ادا کیا کریں، تو بھی اس میں داخل ہو جائیں گے۔

ذکر کا آسان نصاب:-

بہر حال! جتنا ہو سکے نمازوں کے اہتمام کے ساتھ ذکر اللہ کی عادت ڈالیں۔ ذکر بہت مفید ہے، اگر زیادہ نہ ہو سکے تو تیسرا کلمہ "سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر" پڑھا کریں، بہت بابرکت اور بہت ہی اجر وثواب والا کلمہ ہے۔ اور دس مرتبہ کلمۂ طیبہ "لا إله إلا الله محمد رسول الله" اور دس مرتبہ درود شریف اور دس مرتبہ استغفار۔ بہت آسان ہے، صبح وشام اگر ہم اتنا بھی پڑھ لیا کریں تو ان شاء اللہ بہت نفع ہوگا، دل میں بھی سکون ہوگا۔ قرآن مجید میں فرمایا:﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ دل کا سکون اللہ

تعالیٰ کی یاد میں ہے، اللہ کی فرمانبرداری میں ہے، اللہ پاک کا حکم پورا کرنے میں ہے، اس لیے اگر ہم بہت مصروف ہوں، زیادہ وقت نہ نکال سکتے ہوں تو کم از کم پانچ دس منٹ ذکر کی عادت ڈالیں۔

محترم سامعین، مخلص دوستو! آپ حضرات کو ایک بہت ہی مختصر عمل بتلانا چاہتا ہوں، ہر شخص بآسانی کرسکتا ہے۔ توجہ فرمائیں! جو آج کل لوگوں کی زبان زد ہے، ہر شخص کہتا ہے کہ میں بہت مصروف ہوں، یہ مختصر عمل کریں۔ جو بہت لیزی (lazy) اور سست و کاہل ہو اور بہت بیزی (busy) مصروف ہو اس کے لیے بھی بہت ایزی (easy) اور آسان ہے۔

حضرت شیخ العرب والعجم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے فضائل ذکر میں حدیث کے حوالے سے بیان فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان ان کا اہتمام کرلے جنت میں داخل ہوگا۔ اور وہ بہت معمولی چیزیں ہیں، مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ ایک یہ کہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ پڑھ لیا کریں تو روزانہ ایک سو پچاس مرتبہ ہوجائے گا، اور ہر نیکی کا ثواب دس گُنا ہوتا ہے، اس حساب سے روزانہ پندرہ سو نیکیاں حساب میں شمار کی جائیں گی۔ اور دوسری چیز یہ کہ سوتے وقت اللہ اکبر ۳۴/ مرتبہ اور الحمد للہ، سبحان اللہ ۳۳/ مرتبہ پڑھ لیا کریں تو سو کلمے ہوجائیں گے، اور ثواب کے اعتبار سے ایک ہزار نیکیاں ہوجائیں گی۔ اب دونوں عمل مل کر کل میزان اور ٹوٹل دو ہزار پانچ سو نیکیاں ہوگئیں۔ بھلا عمل تولنے کے وقت ڈھائی ہزار گناہ اور برائیاں کس کی ہوں گی جو اِن ڈھائی ہزار نیکیوں پر غالب آجائیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس کی روزانہ ڈھائی ہزار نیکیاں ہوں، مگر اس زمانے میں ہماری روزانہ کی بداعمالیاں اس سے بھی کئی درجہ زائد

ہیں، لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی شفقت سے برائیوں پر نیکیوں کے غالب آنے کا نسخہ ارشاد فرما دیا، عمل کرنا نہ کرنا بیمار کا کام ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا بات ہے، یہ دونوں عمل اس قدر آسان ہیں اور ان کے کرنے والے بہت کم ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونے کا وقت ہوتا ہے تو شیطان ان کے پڑھنے سے پہلے ہی سلا دیتا ہے، اور نماز کا وقت ہوتا ہے تو وہ کوئی ایسی بات یاد دلاتا ہے کہ یہ تسبیح پڑھنے سے پہلے ہی اٹھ کر چلا جاتا ہے۔ (فضائل ذکر: ۱۳۳)

بہرحال! ذکر کی عادت ڈالیں، ان شاء اللہ قلب کو سکون نصیب ہوگا۔

اکبر الہ آبادی نے خوب کہا تھا: ؎

ڈھونڈتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینانِ دل ❁ لیکن داغِ حسرت کے سوا کچھ ملتا نہیں
ڈور کو سلجھاتے ہیں پر سرا ملتا نہیں ❁ فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں

تو اللہ پاک نے دل کا سکون اپنی یاد میں رکھا ہے۔ یہ جو دس صفات بیان ہوئیں اللہ پاک ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو منور فرما دے۔

وما علینا إلا البلاغ، وفقنا اللہ لما یحبہ ویرضاہ

اسلامی تاریخ کی ابتداء اور ہمارے لیے درسِ عبرت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والعاقبة للمتقین ، والصلوة والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی اٰله وأصحابه وأزواجه وأهل بیته أجمعین. أمابعد:فأعوذ باللّٰه من الشیطن الرجیم ، بسم اللّٰه الرحمن الرحیم: ﴿یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾وقال تعالیٰ:﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِیۡ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ﴾صدق اللّٰه العظیم.

ہمارے اسلامی کیلنڈر کا تعلق قمری حساب سے ہے:-

بزرگانِ محترم، مخلص دوستو اور معزّز ماں بہنو! میں نے وعدہ کیا تھا کہ ان شاء اللہ آپ حضرات کے سامنے ہمارے اسلامی کیلنڈر کے متعلق کچھ عرض کروں گا، اس لیے آج کی مجلس میں اسی کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔

ہمارا اسلامی نیا سال قمری حساب سے شروع ہوتا ہے، اور ہماری اسلامی تاریخ اور مہینوں کا شمار بھی قمری حساب سے ہوتا ہے۔ جو پہلی آیت میں نے تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے، ان (سب مجموعے میں) اہل دانش (عقلمندوں) کے لیے استدلال کا موقع ہے۔ اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے: بے شک مہینوں کی گنتی اور شمار جو کتابِ الٰہی یعنی احکامِ شرعیہ میں اللہ کے نزدیک معتبر ہے بارہ مہینے (قمری) ہیں، ان میں سے چار خاص مہینے ادب کے ہیں۔ (سورۂ توبہ)

اللہ پاک نیا سال مبارک فرمائے:-

ہم اور آپ اسلامی کیلنڈر کے حساب سے نئے سال میں داخل ہوئے ہیں۔ ۱۴۲۲ھ سے ۱۴۲۳ھ میں داخل ہوئے۔ ہمارا اسلامی نیا سال محرم الحرام سے شروع ہو کر ذوالحجہ پر ختم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ رب العالمین ہماری پچھلے سال کی کوتاہیوں، لغزشوں اور تمام صغیرہ کبیرہ گناہوں کو معاف فرمائے، امت کے گناہوں کو بھی معاف فرمائے اور نئے سال کو ہم سب کے حق میں اور پوری امت اور پورے عالم کے مسلمانوں کے حق میں مبارک فرمائے، خیر و برکت، امن وسلامتی اور اس کی رضامندی والے کاموں میں مشغول ہونے کی توفیق نصیب فرمائے، اور ہم سب کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

دوستو! ہمارے اسلامی سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ اسلامی مہینوں کے نام بھی یاد ہونے چاہیے: محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولی، جمادی الآخرۃ، رجب، شعبان، رمضان المبارک، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ۔ اور یہ بارہ مہینے دنیا کی ابتدا سے ہیں، جیسا کہ اوپر والی دوسری آیت میں اس کا ذکر ہے۔ اور ان میں سے چار مہینے خاص ادب واحترام کے ہیں: ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ ان مہینوں کا بڑا احترام کرتے تھے، آپس میں جنگ وجدال بھی ان مہینوں میں بند کر دیتے تھے۔

اسلامی تاریخ کی ابتدا:-

دوستو! ہماری اسلامی تاریخ کی ابتدا ہجرت سے ہوئی ہے، اور مشہور یہ ہے کہ ہجری تاریخ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی ہے۔ امام شعبیؒ اور امام محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ کے سرکاری خطوط

اور سرکاری اہم اہم فرامین ہمارے پاس پہنچتے ہیں، لیکن ان پر تاریخ نہیں ہوتی، اور تاریخ نہ ہونے کی وجہ سے یہ متعین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سا خط مقدم ہے اور کون سا مؤخر؟ یہ سب خطوط بڑے اہم اور دستاویز ہوتے ہیں، لہٰذا کوئی تاریخی نظام ہونا چاہیے کہ جس کی وجہ سے خطوط کی اور سرکاری فرامین کی ایک مستحکم نظام کے ساتھ حفاظت کی جاسکے، اور اس پر عمل کرنے میں سہولت رہے۔

چناں چہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۷ھ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسلامی تاریخ متعین کرنے کے بارے میں مشورے کے لیے جمع فرمایا، اجلۂ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور مشورہ شروع ہوا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے پانچ پہلو بہت ہی اہم ہیں: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، یعنی جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی مبین کا سلسلہ شروع ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت۔ (۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات۔ (۵) واقعۂ معراج۔

ان پانچ پہلوؤں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے بعض حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ ہماری اسلامی تاریخ کی ابتدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ولادتِ باسعادت سے ہونی چاہیے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا: اس میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے۔ نصاریٰ کی اپنی ایک تاریخ جاری تھی جسے ہم آج انگریزی تاریخ کہتے ہیں، نصاریٰ کی تاریخ کی ابتدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے ہے۔

بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ابتدا کا مشورہ دیا، بعض نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ابتدا کریں۔ مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات حادثۂ کبریٰ اور مصیبت عظمیٰ ہے، اس لیے وفات سے ابتدا مناسب نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس کی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ بقول مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ جب اسلامی تاریخ کی ابتدا ہوئی اور اسلامی کیلنڈر بنانے لگے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی میلاد کو بنیاد بنا کر اپنی تاریخ کو عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے شروع کیا، لیکن اسلام نے اس طرح سنِ میلاد نہیں لیا، حتی کہ خلوت آپ کو محبوب رہی اور نبوت سے پہلے آپ نے خلوت کی تو نہ اس سے سنِ خلوت لیا، اور نہ سنِ حراء لیا، اور نہ ہی اسلامی تاریخ کی بنیاد نبوت ورسالت کو بنایا گیا، اور نہ ہی معراجِ مصطفیٰ کو جو اسلام میں بہت عظیم الشان واقعہ تھا، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ شانہ سے خاص قرب حاصل ہوا، نہ ولادت کو۔ کیوں کہ یہ ساری چیزیں غیر اختیاری اور غیر انتقالی تھیں جو دوسروں میں منتقل نہیں ہوسکتی۔ نہ قیامت تک کسی کو نبوت مل سکتی ہے، نہ معراج منتقل ہوسکتی ہے۔ اور ایسی اختیاری چیز کو منتخب کیا جس پر سب عمل کرسکیں، وہ ہجرت تھی۔ اب فتح مکہ کے بعد ہجرت بھی ختم ہوگئی، مگر ایک ہجرت قیامت تک رہے گی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، والمھاجر من ھجر مانھی اللہ عنہ۔ (بخاری شریف: رقم الحدیث: ۶۴۸۴) سب سے بڑی ہجرت یہ ہے کہ مسلمان ہر وہ کام، ہر وہ کلام چھوڑ دے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اس اعتبار سے ہجرت کی بہت سی اقسام ہوجاتی ہیں۔ ایک قسم: ہجرت دار الفساد سے دار الامن کی طرف، ایک قسم: ہجرت معصیت سے طاعت کی طرف، ایک قسم: ہجرت خطا سے صحیح اور درستگی کی طرف۔ علماء نے لکھا ہے کہ آج پندرہویں صدی میں بھی ہجرت ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ - واللہ اعلم۔

بہر حال! امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلامی تاریخ کی ابتدا ہجرت

سے ہونی چاہیے، اس لیے کہ ہجرت سے مسلمانوں کی اجتماعیت اور اسلام کی شان وشوکت ظاہر ہوئی، ہجرت ہی سے حق اور باطل کے درمیان فرق ہوا، اور ہجرت ہی سے اسلام کی عزت اور غلبہ کی ابتدا ہوئی، ہجرت ہی سے اسلام کو سربلندی حاصل ہوئی اور کفر کی کمر ٹوٹی، اسلام معزز ہوا اور کفر ذلیل وخوار ہوا، ہجرت ہی کی برکت سے بیت اللہ مسلمانوں کے پاس آیا اور وہاں سے کفر و شرک کا نام ونشان ختم ہوا، ہجرت ہی کی برکت تھی کہ حضورِ اکرم ﷺ اور کفارِ مکہ کے درمیان صلح حدیبیہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا، جس کو قرآن مجید میں اللہ پاک نے فتح مبین فرمایا، اور صلح حدیبیہ کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے اس وقت کی سُپر پاور حکومت قیصر وکسریٰ اور دنیا کے دیگر بادشاہوں کے نام اسلام کی دعوت کے خطوط روانہ فرمائے اور کفر کو للکارا، اور صاف الفاظ میں اسلام کی دعوت پیش فرمائی۔

ہجرت ہی کی برکت تھی کہ مکہ مکرمہ جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے تیرہ سال تک مظلومانہ زندگی گذاری اور خود حضورِ اقدس ﷺ کو مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا، اللہ رب العزت نے اسے مرکزِ اسلام بنادیا، اور مکہ مکرمہ پر حضور ﷺ کو غلبہ حاصل ہوا، اور مکہ مکرمہ سے ہمیشہ کے لیے کفر وشرک کا خاتمہ ہوا۔ ہجرت ہی کی برکت تھی کہ اسلام مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ سے نکلا اور پورے جزیرۂ عرب میں پہنچا۔ اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہجرت سے ہماری اسلامی تاریخ کی ابتدا ہونی چاہیے۔ حاضرین نے اس رائے سے اتفاق کیا اور سب نے اس رائے کو پسند فرمایا، اور اس مبارک مجلس میں باتفاقِ رائے اس کا فیصلہ ہوگیا۔ یہ ہے اسلامی تاریخ کی ابتدا۔

بقول مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ: اسلامی تاریخ کا آغاز حضرت رسول اکرم ﷺ کے واقعۂ ہجرت سے ہوتا ہے۔ عام طور پر تاریخ اور صدیوں کا آغاز کسی بڑی شخصیت کی پیدائش سے یا وفات سے یا قیامِ سلطنت سے یا عظیم فتوحات سے ہوا ہے، اور اس

سے ایک مستقل تقویم (جنتری) وجود میں آئی ،لیکن اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے اپنے دین کا نام بھی اپنے پیغمبر کے نام پر نہیں رکھا۔ اسلام کسی شخصیت کا نام نہیں ہے، اسلام ایک فیصلہ اور طرزِ زندگی کا نام ہے، یعنی رب العالمین کے احکام کے سامنے سر جھکا دینا۔ اسلامی تاریخ کا آغاز کسی بڑی شخصیت یہاں تک کہ نبیٔ کریم ﷺ کی محبوب و محترم شخصیت سے بھی نہیں ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی صدی شروع ہوئی تو ایک پیغام لے کر آئی۔ وہ محض ایک شخصیت یا جماعت کی یاد تازہ نہیں کرتی بلکہ ایک پیغام اور ایک (message) یاد دلاتی ہے۔ یعنی یہ پیغام کہ آپ ﷺ نے ایک عظیم مقصد کے لیے اپنے وطن کو خیر باد کہا، ایک نئے شہر میں بود و باش اختیار کی، اپنی یا اپنے چند دوستوں اور ساتھیوں کی جان بچانے کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ خداوند ذوالجلال کے پیغام کو محفوظ کرنے اور اس کو ساری دنیا تک پہنچانے کا موقع فراہم کرنے کے لیے کیا تھا۔ اسلامی سال شروع ہوتا ہے تو ہم کو ایک سبق دیتا ہے کہ کسی عظیم مقصد کے لیے عزیز سے عزیز کو چھوڑا جا سکتا ہے اور اتنا بڑا اقدام کیا جا سکتا ہے۔

محرم الحرام سے سن ہجری کی ابتدا کی وجہ:-

اب اس کے بعد قیاس اور عقل کا تقاضا یہ تھا کہ سن ہجری کی ابتدا ماہِ ربیع الاول سے ہوتی اور نیا اسلامی سال ربیع الاول سے شروع ہوتا، اس لیے کہ آپ ﷺ نے اسی مبارک مہینے میں ہجرت فرمائی تھی اور اسی ماہِ مبارک میں حضورِ اقدس ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔ مشہور قول کے مطابق ۱۲/ربیع الاول تھی، لیکن بجائے ربیع الاول کے محرم سے اس لیے ابتدا کی گئی کہ آپ ﷺ محرم الحرام ہی سے ہجرت کا ارادہ فرما چکے تھے۔

مدینہ منورہ میں انصارِ مدینہ موسمِ حج میں حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے حضورِ اقدس ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی، جس کو بیعت عقبۂ ثانیہ

کہا جاتا ہے، جس میں ۷۳/مرد اور ۲/عورتیں تھیں۔ سیرت کی کتابوں میں ان کے مبارک نام بھی محفوظ ہیں۔ ان حضرات نے حضورِ اقدس ﷺ کو مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے اور وہاں تشریف لانے کی دعوت پیش فرمائی تھی۔ حضورِ اکرم ﷺ نے ان کی واپسی کے چند روز کے بعد ہی مدینہ منورہ ہجرت کا ارادہ فرمایا تھا، اور پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی، اس لیے سن ہجری کی ابتدا محرم الحرام سے کی گئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ سن ہجری کی ابتدا محرم الحرام سے ہونی چاہیے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگ حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر عموماً محرم الحرام میں واپس آتے ہیں، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ محرم سے ہمارے نئے سال کا آغاز ہو۔ چناں چہ الحمدللہ اس وقت سے ہمارے اسلامی تاریخ کی ابتدا ہوئی اور دنیا میں ایک نئی تاریخ اور ایک نئے دور کا آغاز ہوا، اور وہ دور اسلامی دور ہے۔ وہ دور ہے کہ جس کی برکت سے پورا عالم اسلام نور سے جگمگا یا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کے نور اور ایمان کی روشنی اور ہدایت کو لے کر دنیا کے چپے چپے میں پہنچے اور پوری دنیا الحمدللہ اسلام کے نور سے منور ہوگئی، اسلام کی روشنی دنیا میں پھیل گئی۔ اس طرح الحمدللہ اسلامی تاریخ کی بنیاد پڑی اور دنیا میں ایک نئی اسلامی تاریخ کی ابتدا ہوئی اور اہل اسلام نے اس کو اختیار کیا۔

اسلامی تاریخ کی قدر کرنی چاہیے، جاری اور استعمال کرنا چاہیے:-

اب ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے اور اس سے محبت کرنی چاہیے اور اس کو یاد رکھنا چاہیے اور اس کو اپنے استعمال میں لانا چاہیے۔ انگریزی تاریخ آج ہم کو خوب یاد رہتی ہے مگر اسلامی تاریخ کا ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا کہ آج کونسی تاریخ ہے اور کونسا مہینہ ہے۔ یہ بہت نا قدری ہے، ہم خود بھی اسلامی تاریخ کو یاد رکھنے اور اپنے استعمال میں لانے کی کوشش کریں اور اپنے بچوں کو بھی

اسلامی مہینے اور اسلامی تاریخ یاد کرائیں۔ ہم اپنی گھڑیوں میں اسلامی تاریخ ڈال لیں، انگریزی تاریخ ہر جگہ مل جاتی ہے، لہٰذا اسلامی تاریخ یاد رکھنے کے لیے اپنی گھڑی میں اسلامی تاریخ ڈال دیں، اور اپنے کاموں میں اسلامی تاریخ لکھیں۔ اپنی ڈائری ہو، کسی کو خط لکھیں تو اس میں بھی اسلامی تاریخ لکھیں اور انگریزی تاریخ لکھنا ضروری ہو تو پہلے اسلامی تاریخ لکھ کر انگریزی تاریخ لکھ دیں۔ یہ بھی ہم پر ایک حق ہے، اور اسلامی معاشرہ اور کلچر سے محبت کی ایک علامت ہے اور دین وشریعت میں اس کی اہمیت بھی ہے۔

احکامِ شرعیہ کا مدار قمری مہینوں پر ہے:-

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ احکامِ شرعیہ میں قمری مہینوں یعنی اسلامی تاریخ اور مہینے کا اعتبار ہوتا ہے، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ میں اسلامی مہینے کو دیکھا جاتا ہے، رمضان المبارک کا آغاز پہلی رمضان سے ہوتا ہے، چاند دیکھ کر یا شرعی طریقے سے ثابت ہونے پر ہم اپنے رمضان المبارک کی ابتدا کرتے ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا تعلق بھی اسلامی تاریخ سے ہے، قربانی کے لیے بکرا ایک سال کا ہونا چاہیے، اس میں بھی اسلامی سال کا اعتبار ہوتا ہے۔ بچہ اگر علامتِ بلوغ سے بالغ نہ ہوا تو اسلامی تاریخ کے اعتبار سے جب پندرہ برس کا ہو جائے تو وہ بالغ شمار ہوتا ہے اور سب اسلامی احکام اس پر لازم ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ امام بننا چاہے تو بن سکتا ہے۔ خدانخواستہ عورت کو طلاق ہو جائے اور اس کو مہینوں سے عدت گذارنا ہو یا اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے اور اسے عدت کے چار ماہ دس دن گذارنا ہو تو اس میں بھی اسلامی تاریخ کو دیکھا جاتا ہے۔ زکوۃ میں اسلامی سال کا اعتبار ہوتا ہے، جب اسلامی اعتبار سے ایک سال پورا ہو جائے تو زکوۃ ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ بزرگو! جب احکامِ شرعیہ میں اسلامی تاریخ اور اسلامی مہینوں کا اعتبار ہوتا ہے تو ہمیں

اپنے پرائیویٹ کاموں میں بھی اسلامی تاریخ کو استعمال کرنا چاہیے۔

اگر امت اسلامی تاریخ کو بھلادے تو سب گنہگار رہوں گے:-

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: تاریخ وسال کا حساب چاند وسورج دونوں سے جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کے لیے چاند کے حساب کو پسند فرمایا اور احکامِ شرعیہ اس پر دائر فرمائے، اس لیے قمری حساب (اسلامی تاریخ) کا محفوظ رکھنا فرضِ کفایہ ہے، اگر ساری امت قمری حساب (اسلامی تاریخ) ترک کر کے اس کو بھلادے تو سب گنہگار رہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے، لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضرور ہے، اس لیے بلا ضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں۔

(معارف القرآن: ۴/ ۳۷۳)

لہٰذا اسلامی تاریخ کے استعمال کو جاری رکھنا چاہیے، اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اپنے گھروں میں اسلامی تاریخ کا کیلنڈر لگائیں، اپنی گھڑی میں ڈالیں، اپنے ٹیبل اور میز پر اسلامی تاریخ نمایاں طور پر لکھیں۔ اللہ پاک ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، اور آج تک اس سلسلے میں جتنی کوتاہی ہوئی ہے اسے معاف فرمائے، امت کو معاف فرمائے۔ آمین۔

ماہِ محرم الحرام کی پکار مولانا احتشام الحق صاحبؒ کی زبان میں:-

حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب مسلمانوں کا نیا سال شروع ہوتا ہے اور ماہِ محرم الحرام آتا ہے تو مسلمانوں کو پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے مسلمانو! اپنے پیارے رسول ﷺ، اپنے اسلاف، بزرگوں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگی کو سامنے رکھو۔ حضورِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت کی یاد تازہ کرو، آپ ﷺ اور صحابہؓ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے

اپنا گھر بار، تجارت، کاروبار، جائیداد ومکان یہاں تک کہ محبوب وطن مکہ مکرمہ جیسی مبارک جگہ کو بھی چھوڑ دیا، اور ہر چیز کو اللہ کے نام پر قربان کر دیا، دین اسلام کی خاطر ہر چیز چھوڑ دی۔

ہجرت سے اسلامی تاریخ شروع کرنے میں بڑا راز ہے:-

اس لیے دوستو! یہ چیزیں ہمیں یاد رکھنی ہیں۔ زندہ قومیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو یاد رکھتی ہیں اور ان کو زندہ رکھتی ہیں، اور حقیقت میں غیور قوم وہی ہے جو اپنے آباء واجداد کی تاریخ کو یاد رکھے اور ان کے کارناموں کو زندہ رکھے، ان کو فراموش نہ کردے۔ جو قومیں اپنے بزرگوں کے کارناموں کو اور ان کی قربانیوں کو یاد رکھتی ہیں اور ان راہوں پر چلنے کی کوشش کرتی ہیں وہی قومیں کچھ کر کے دکھاتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور دور اندیش شخصیت نے ویسے ہی ہجرت سے اسلامی تاریخ کی ابتدا کا مشورہ نہیں دیا، اس میں بڑا راز ہے۔ مسلم امت کے اندر احساس پیدا کرنا ہے اور ان کو غیرت دلانا ہے کہ تم بھی اپنے اندر ہجرت کا مزاج پیدا کرو، اپنے اندر اسلام اور دین اور اللہ پاک کے لیے قربانیاں دینے کا جذبہ پیدا کرو۔ ویسے بھی اسلام کا پہلا مہینہ محرم الحرام حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعۂ شہادت کا مہینہ ہے، اور اسلام کا آخری مہینہ ذوالحجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی قربانی کا مہینہ ہے۔

میرے دوستو! میرا یہ جملہ یاد ہوگا: دو عظیم قربانیاں: ایک ذبحِ عظیم، دوسری شہادتِ عظیم۔ یہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ بھی اسلامی دس تاریخ کو ہوئی اور اسماعیل علیہ السلام کی قربانی بھی دس ذی الحجہ کو ہوئی۔ دونوں کی یاد مناتے ہیں، ایک ذبح عظیم، ایک شہادت عظیم۔ ادھر دیکھو تو بھی نبی کا لعل ہے، اُدھر دیکھو تو بھی نبی کا لعل ہے۔ ایک کعبہ بنانے والا تو دوسرا کعبہ بچانے والا۔ ایک نے قربانی کی ابتدا کی، دوسرے نے انتہا کردی۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

عجیب وغریب سادہ رنگیں ہے داستانِ حرم ۞ نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسماعیل

احقر نے مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، استاذی حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کے بیان وتحریر کا خلاصہ آسان زبان میں آپ حضرات کے سامنے پیش کیا ہے۔ تفصیل دیکھنا ہوتو حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ کا بیان سن ہجری کا آغاز، اسی طرح حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ کی سیرتِ مصطفیٰ ﷺ (ج:۱) کا مطالعہ فرمالیں۔

ہجرت کرنا آسان عمل نہیں ہے:-

بزرگو اور دوستو! حضورِ اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مکی زندگی بہت ہی کٹھن گذری ہے۔ عجیب عجیب تکالیف ان حضرات کو پہنچائی گئیں، حضورِ پاک ﷺ نے ان تکالیف کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ مکہ میں رہتے ہوئے اپنے دین کی حفاظت کرنا دشوار تھا، ایمان کا خطرہ تھا، چناں چہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے ایمان اور دین کی حفاظت کے لیے مکہ مکرمہ سے دومرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور اس کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا، اور پھر خود آپ نے اللہ پاک کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے رفیقِ سفر اور یارِ غار تھے:-

دوستو! ہجرت کرنا کوئی نانی دادی کا کھیل نہیں ہے، بہت کٹھن اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اسی وجہ سے نبیٔ کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: إن الهجرة تهدم ما كان قبلها. (مشکوۃ شریف:۱/ ۱۵- المکتبۃ الاسلامیۃ-) ہجرت پچھلے تمام گناہوں کو ختم کردیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کوئی آسان عمل نہیں ہے، اپنا گھر، اپنا مکان، اپنی زمین، اپنی جائیداد اور اپنے والدین اور بیوی بچے اور اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر چلے جانا کوئی آسان نہیں ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ جس وقت ہجرت کی رات مکہ مکرمہ سے تشریف لے جارہے تھے اس وقت حضورِ پاک ﷺ پر مکہ

مکرمہ چھوڑنے کا کس قدر اثر تھا، اس کا کچھ اندازہ اس سے ہوسکتا ہے۔

ہجرت کے وقت حضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات:۔

حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے باہر نکل رہے تھے تو ٹیلے پر سے ایک نظر مکہ مکرمہ پر ڈالی اور ارشاد فرمایا: والله إنك لخير أرض الله وأحب أرض إلى الله ، ولولا إني أُخرِجتُ منك ماخرجت، خدا کی قسم! بے شک تو اللہ تعالیٰ کی سب سے بہترین زمین ہے، اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے، اگر میں نکالا نہ جاتا نہ نکلتا۔

(ترمذی شریف: ۲/ ۵۹۷-مکتبۃ البشریٰ-)

اور حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ما أطيبك من بلد وأحب إليَّ ولولا أن قومي أخرجوني ماسكنت غيرك-تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو بڑا ہی محبوب ہے، اگر میری قوم مجھ کو نہ نکالتی تو میں دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔ (ترمذی شریف: ۲/ ۵۹۷-مکتبۃ البشریٰ-)

ان دونوں حدیثوں سے اندازہ لگائیے کہ ہجرت کرنا کتنا مشکل ہے، اور طبیعت پر اس کا کتنا اثر ہوتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی کیا اثر ہوا ہوگا!

سو اونٹ کا انعام اور سراقہ بن مالک کا واقعہ:۔

جب حضورِ اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوگئے اور کفار اپنے ناپاک ارادے میں ناکام رہے، تو انہوں نے اعلان کیا کہ جو شخص حضور ﷺ کو (معاذ اللہ) یا حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو (معاذ اللہ) قتل کردے یا گرفتار کر کے لائے تو ہر ایک کے بدلے علیحدہ علیحدہ سو سو اونٹ اس کو انعام میں دیے جائیں گے، مگر اللہ رب العزت نے اس کو بھی ناکام کیا۔ سراقہ بن مالک نے آپ ﷺ کا پیچھا کیا، کسی طرح سے اس کو پتہ چل گیا تھا تو اپنا گھوڑا تیز دوڑاتا ہوا آپ ﷺ کے قریب

پہنچ گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سراقہ کو دیکھا تو گھبرا کر عرض کیا: یارسول اللہ! اب ہم پکڑے گئے، یہ شخص ہماری تلاش میں آرہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ تم غمگین نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا فرمائی: ”اَللّٰهُمَّ أصرعه“ اے اللہ! اس کو پچھاڑ دے، اور ایک روایت میں ہے: ”اَللّٰهُمَّ اكفنا بما شئت“ اے اللہ! جس طرح آپ چاہیں ہم کو کفایت فرما۔ چناں چہ اسی وقت سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں تک پتھریلی زمین میں دھنس گیا، سراقہ سمجھ گیا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ہوا ہے، اس نے عرض کیا: آپ میرے لیے دعا کیجیے، میں عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کچھ تعرض نہیں کروں گا، اور جو شخص آپ کو تلاش کرتا ہوا ملے گا اس کو واپس کردوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اسی وقت زمین نے اس کے گھوڑے کو چھوڑ دیا، پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کشادہ دلی کے ساتھ اس کو معاف کردیا۔ (مشکوۃ شریف: ۲/ ۵۳۰)

ہجرت کے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجاہدے:-

صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی ہجرت کا حکم فرمادیا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت فرمارہے تھے، ہجرت کے وقت بہت سے حضرات کے پاس نہ کھانے کا انتظام ہے نہ پانی کا اور نہ سواری کا، بس اللہ کے بھروسے پیدل ہی ہجرت شروع کردی۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا تقریباً ساڑھے چار کلومیٹر کا سفر ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیسے کیسے مجاہدے کیے ہوں گے اور کیسی کیسی مشقتیں برداشت کی ہوں گی۔ اللہ اکبر!

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا ساتھی (حضرت خباب) ہجرت کررہے تھے، کھانے پینے کا کوئی سامان ہمارے پاس نہیں تھا، درختوں کے پتے چبا چبا کر اپنا راستہ طے کررہے تھے، بھوک پیاس کی شدت کی وجہ سے ہماری آنکھوں کے سامنے اندھیرا آجاتا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی ہیں، انہوں نے ہجرت کی تو کفار

نے روکا اور اونٹ کو نیزہ مارا جس کی وجہ سے آپ گر گئیں، اور اس وقت آپ حمل سے تھیں، آپ کا حمل ضائع ہو گیا اور آپ کو شدید چوٹ لگی، اور یہی ان کے انتقال کا ظاہری سبب بنا- إنا لله وإنا إليه راجعون --حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ نے حیاۃ الصحابہ میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہجرت فرما رہے تھے، کفارِ مکہ نے ان کو روکا، بالآخر حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال و دولت ان کو دے دیا، اس کے بعد ان کا راستہ چھوڑا۔ جو کچھ جمع پونجی تھی سب دے دی مگر ہجرت ترک نہیں کی۔ اللہ کے راستے کی ہجرت کی خاطر دنیا کا یہ نقصان برداشت کر لیا۔

غرض صحابہ رضی اللہ عنہم اپنا سارا سامان، گھر بار، کاروبار اور تجارت سب چھوڑ چھاڑ کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے ہیں۔ قرآن کریم نے ایک مقام پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو فقراء کہا ہے: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا﴾ ان حاجت مند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً وظلماً) جدا کر دیے گئے، وہ اللہ کے فضل (جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں۔ یعنی انہوں نے دنیوی غرض کی وجہ سے ہجرت نہیں کی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بخار کی حالت:-

مدینہ منورہ پہنچ کر شروع شروع میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو آب و ہوا موافق نہیں آئی، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بیمار ہو گئے، شدید قسم کا بخار ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی بیمار ہوئے اور شدید بخار میں مبتلا ہوئے اور بخار میں مکہ مکرمہ کو یاد کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شدتِ بخار میں یہ اشعار پڑھتے تھے: ؎

كل امرئ مصبح في أهله ۞ والموت أدنى من شراك نعله

ہر آدمی کو صبح کے وقت اس کے گھر بار میں خیریت سے زندہ رہنے کی دعا دی جاتی ہے، حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

مدینہ منورہ کا بخار:-

اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ پہلے وبائی شہر تھا، اس میں لوگوں کو کثرت سے بخار آتا تھا، جو بہت سخت گردن توڑ ہوتا تھا، اور اکثر افراد اس میں مبتلا رہتے تھے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کی آب وہوا سے متأثر اور بخار میں مبتلا ہو گئے۔ ان میں حضرت ابوبکر، حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بھی بخار آ گیا تھا، اور اس قدر شدید بخار تھا کہ ان کے سر کے بال تک اڑ گئے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بخار آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئیں، اس وقت ان کی عمر مبارک سات آٹھ سال کی تھی اور پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مذکورہ شعر پڑھ رہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شعر سنا تو اپنے دل میں کہا کہ ابا جان عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، اور ان کو پتہ بھی نہیں ہے کہ کیا فرما رہے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ کو یاد کر کے رونا:-

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بہت یاد آتا تھا۔ بخار اتر جانے کے بعد مکہ مکرمہ کی یاد میں بلند آواز سے یہ دو شعر پڑھا کرتے تھے: اس کے بعد فرمایا:

ألاليت شعرى هل أبيتن ليلة ۞ بواد وحولي أذخر وجليل

کاش مجھے پتہ چل جاتا کہ کیا کوئی رات اس وادی میں گذاروں گا کہ میرے اردگرد اذخر

اور جلیل گھاس ہوگی۔

اذخر مکہ مکرمہ کے جنگلوں کی ایک مشہور خوشبودار گھاس کا نام ہے، یہ مکہ مکرمہ میں بہت ہوتی تھی، اس کے پتے چوڑے ہوتے ہیں۔ اور جلیل بھی ایک گھاس کا نام ہے، یہ بھی مکہ مکرمہ میں ہوتی ہے، اس کا رنگ پیلا ہوتا ہے۔ صرف مکہ مکرمہ میں ہوتی ہے، کسی اور جگہ نہیں ہوتی۔ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کی ان وادیوں کو یاد فرما رہے ہیں جہاں یہ گھاس ہوتی ہے اور آپ وہاں تشریف لے جاتے ہوں گے، اس کو یاد کر کے روتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا: ؎

هل أردن يوما مياه مجنة ۞ وهل يبدون لي شامة وطفيل

کیا میں کسی دن مجنہ مقام کے پانیوں کے پاس جاؤں گا؟ اور وہاں کا پانی پینا نصیب ہوگا؟ اور کیا میرے لیے شامہ اور طفیل پہاڑ ظاہر ہوں گے؟ اور یہ دونوں پہاڑ جن کے درمیان میں چلا کرتا تھا، اب ان کو دیکھنا نصیب ہوگا؟

تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے چشموں، پہاڑوں اور گھاس اور وہاں کی وادیوں کو یاد کیا کرتے اور مکہ کے مشرکوں، وہاں کے سرداروں اور سرغنوں کے لیے بددعا کرتے کہ اے اللہ! شیبہ، ربیعہ، عتبہ اور امیہ پر لعنت فرما کہ جنہوں نے ہم کو ستایا اور گھر سے بے گھر کیا اور وباء والی زمین میں آنے پر مجبور کیا۔

مدینہ منورہ کے لیے حضور اکرم ﷺ کی دعا:-

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بخار کا اور ان کے مکہ مکرمہ کے اشتیاق کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے بارگاہِ ذوالجلال میں دعا فرمائی:

"أَللّٰهُمَّ حبب إلينا المدينة كحبنا مكة أوأشد، أَللّٰهُمَّ بارك لنا في صاعنا وفي مدنا وصححها لنا وانقل حماها إلى الجحفة" اے اللہ! مدینہ منورہ ہمیں

محبوب بنا دیجیے جیسا کہ مکہ مکرمہ سے ہم کو محبت ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہمیں مدینہ کی محبت دے دیجیے۔ اے اللہ! ہمارے صاع اور ہمارے مُد میں برکت عطا فرما، اور مدینہ منورہ کی آب وہوا کو درست کر دے اور اس کے بخار کو حجفہ بھیج دے، اور یہاں کی آب وہوا کو ہمارے موافق بنا دے۔ (بخاری شریف: ۱/ ۲۵۳)

حضورِ اکرم ﷺ کی دعا کی برکت:-

حضورِ اکرم ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور مدینہ منورہ کی ہوا نہایت عمدہ ہوگئی، اور اللہ پاک نے مدینہ منورہ کی مٹی میں شفا رکھ دی۔ مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں: ؎

خوشتر از ہردو جہاں آں جا بود ۞ کہ سراپا تو سر و سودا بود

سب سے بہترین زمین وہ ہے جہاں میرے سر کا سودا آپ کی ذات پاک کے ساتھ ہو جائے، جہاں میرا سر آپ کے لیے فروخت ہو جائے وہ زمین مجھے سب سے پیاری ہے۔ مدینہ منورہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے سر کا سودا کیا ہے، اور آپ ﷺ کے طفیل میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی، اسی لیے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت بهافإنی أشفع لمن يموت بها (سنن ترمذی: ۲/ ۵۹۵ - مکتبۃ البشری-) جس کو استطاعت ہو کہ مدینہ طیبہ میں مرے وہ مدینہ آکر مر جائے، کیوں کہ جو مدینہ منورہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ دوسری حدیث شریف میں ہے کہ مدینہ منورہ میں مرنے والوں کی شفاعت پہلے ہوگی، جب مدینہ منورہ والوں کی شفاعت ہو جائے گی پھر مکہ والوں کی باری آئے گی۔ وحی کے نزول کا زمانہ تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل نہیں فرمائی کہ ہمارے گھر والوں کو آپ نے بعد میں رکھا، ہمارے پڑوسیوں کو آپ نے محروم کر دیا، ایسا نزول وحی نہیں ہوا، (یعنی

مکہ والوں پر مدینہ والوں کو مقدم کر دیا، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی بات نہیں فرمائی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سکوت ہے، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی اس بات سے راضی ہے جس سے اس کا رسول راضی ہے۔

اب مدینہ منورہ کی ہوا میں عجیب وغریب جاذبیت پیدا فرمادی ہے، وہاں کی بھینی بھینی ہوا کے اثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دل پر شبنم کے پُر بہار قطرے گر رہے ہوں۔ مدینہ منورہ کی گلیوں اور در و دیوار میں عجیب وغریب بہار ہے۔ حضور ﷺ کی دعا کے بعد مدینہ منورہ - زادہا اللہ عزاً وشرفاً - حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسا ہی محبوب ہو گیا جیسے مکہ مکرمہ ان کو محبوب تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بن گیا۔ اور مدینہ منورہ کے پھلوں میں صاع اور مُد میں جو اُس زمانے کے پیمانوں کے نام ہیں جن سے ناپ کر وہ حضرات خرید و فروخت کرتے تھے، ان میں بہت ہی زیادہ برکت ہو گئی، اور جحفہ جہاں یہودی آباد تھے، جس کا دوسرا نام مہیعہ تھا، وہاں بخار منتقل ہو گیا۔ مدینہ منورہ حضورِ پاک ﷺ کی دعا کی برکت سے آباد ہو گیا، اب وہوا بھی عمدہ ہو گئی اور آج تک آباد ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک آباد رہے گا، اللہ پاک دجالی فتنوں سے بھی مدینہ منورہ کو محفوظ رکھیں گے۔ اور جحفہ کو ایسی بددعا لگی کہ وہ اجڑ گیا اور آج تک اجڑا ہوا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا خواب:-

حضورِ اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ بال بکھرے ہوئے ایک سیاہ فام عورت مدینہ منورہ سے جحفہ (مہیعہ) میں داخل ہوئی، آپ ﷺ نے اس کی تعبیر بیان فرمائی کہ مدینہ منورہ کی وبا وہاں منتقل ہو گی۔ مدینۃ الرسول ﷺ میں آج کسی کو بخار آجائے تو وہ وبائی بخار نہیں، آب وہوا کی خرابی کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے طبعی اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حرمین شریفین کی محبت:-

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ - زادہا اللہ عزاً وشرفاً - کی محبت عطا فرمائے اور بار بار حرمین شریفین کی باادب مقبول زیارت نصیب فرمائے۔ حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ ہمارے مشفق استاذ بہت یاد آتے ہیں - اللہ پاک ان کو اعلیٰ علیین میں بلند سے بلند مقام عطا فرمائے - اللہ پاک نے ان سے بہت کام لیا، ان کے بیان میں اللہ نے عجیب تاثیر رکھی تھی، اللہ پاک ہی کو معلوم ہے، کتنے لوگوں کو ان کے ذریعے ہدایت اور راہِ حق ملی ہوگی، اور کتنے لوگوں کے عقائد کی اصلاح ہوئی ہوگی۔ سینکڑوں کی تعداد میں ان کے تلامذہ ہیں، یہ سب ان کے لیے ان شاء اللہ صدقۂ جاریہ ہیں۔ تو ہمارے استاذ مولانا احمد اللہ صاحبؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

بمشکل ملا ہے دیارِ مدینہ ❁ نہ چھیڑو مدینے سے جانے کی باتیں
محمد اور ان کے گھرانے کی باتیں ❁ ہیں ایماں کو کامل بنانے کی باتیں
اب تو رہ رہ کے دل میں یہ آتا ہے غم ❁ کیوں مدینے سے جلدی چلے آئے ہم

انصارِ مدینہ کی بے مثال خدمت اور ایثار:-

میرے دوستو اور بزرگو! صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہجرت کر کے بڑی قربانیاں پیش کی ہیں، اور قربان جائیے انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم پر کہ انہوں نے حضرات مہاجرین رضی اللہ عنہم کی جان توڑ خدمت کی اور اپنی جان و مال سے ایسی محبت اور ایثار مہاجرین پر نچھاور کیا کہ اس کی مثال قیامت تک نہیں مل سکتی۔ اپنی کھیتی باڑی، باغات اور تجارت پر محنت و مزدوری کرتے تھے اور اپنے مہاجر بھائیوں کی خدمت کرتے تھے۔ ہم ان کی تعریف کیا کریں جب کہ رب ذوالجلال والاکرام نے قرآن کریم کے پاروں میں قیامت تک ان کی تعریف و توصیف ثبت فرما دی۔ قرآن مجید میں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا، لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾۔ (سورۂ انفال)

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے مہاجرین اور انصار دونوں کی تعریف فرمائی، ارشاد فرمایا: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں انہوں نے جہاد بھی کیا اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کو رہنے بسنے کے لیے جگہ دی اور انہوں نے مہاجرین کی مدد بھی کی یہی لوگ حقیقی ایمان والے ہیں اور ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔

انصار مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں:-

اور ایک جگہ سورۂ حشر میں انصارِ مدینہ کے متعلق ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ، وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ مالِ فئ میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو دارالاسلام یعنی مدینہ میں اور ایمان میں ان مہاجرین کے آنے سے قبل قرار پکڑے ہوئے ہیں، ان کی حالت یہ ہے کہ یہ لوگ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئے ہیں اور ان کا کمالِ خلق یہ ہے کہ مہاجرین کو مالِ غنیمت وغیرہ میں سے جو کچھ حصہ ملتا ہے اس سے یہ انصار بوجہ محبت کے اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو فاقہ ہی ہو، (یعنی خود بسا اوقات فاقے سے بیٹھے رہتے ہیں اور مہاجرین کو کھلاتے ہیں) یہ سب پاکیزہ خصلتیں اس بنیاد پر ہیں کہ ان حضرات کے قلوب حرص اور حبِ مال سے بالکل پاک اور صاف ہیں، اور بے شک جو بھی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور کامیاب ہیں۔

لسانِ رسالت سے انصار کے لیے دعا:-

حضورِ اکرم ﷺ نے بھی بہت سی احادیث میں انصارِ مدینہ کی تعریف فرمائی اور فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کو نہیں چھوڑا۔ ایک مرتبہ تو انصارِ مدینہ کے لیے عجیب دعا فرمائی، لسان نبوت ورسالت سے دعا سنیے: عن زيد بن أرقم رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: أَللّٰهُمَّ اغفر للأنصار وأبناء الأنصار وأبناء أبناء الأنصار.

(رواہ مسلم: ۴/ ۱۹۴۸- دار الکتب العلمیۃ-)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما، اسی طرح انصار کے بیٹوں کی مغفرت فرما، اور انصار کے بیٹوں کے بیٹوں کی یعنی ان کے پوتوں کی بھی مغفرت فرما، اور ان کو بخش دے۔

غور فرمایئے! پہلے درجے والے تو صحابہ رضی اللہ عنہم ہوئے اور دوسرے درجے والے تابعین اور تیسرے درجے والے تبع تابعین ہوئے۔ پس آں حضرت ﷺ نے انصار کے تینوں فرقوں کے حق میں دعا فرمائی جو خیر القرون کے مصداق ہیں، اور یہ بھی بعید نہیں کہ بیٹوں اور پوتوں سے ان کی قیامت تک کی نسلیں مراد ہوں جن میں بیٹوں کے ساتھ بیٹیاں بھی شامل ہوں، کیوں کہ ابناء کا لفظ اولاد کے معنی پر بھی محمول ہوسکتا ہے۔ (مظاہر حق جدید: ۵/ ۸۳۵)

ہجرت اور نصرت سے دین پورے عالم میں پھیلا ہے:-

علماءِ کرام نے لکھا ہے کہ مہاجرین کی مکہ مکرمہ سے ہجرت اور انصارِ مدینہ کی نصرت یعنی ہجرت اور نصرت سے دین پورے عالم میں پھیلا ہے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی اسلامی تاریخ کی ابتدا ہجرت سے شروع کر کے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو درس دیا کہ اسلام کے لیے قربانی دو، تاکہ اسلام کو فروغ ملے اور اسلام دنیا میں چمکے۔ اللہ تعالیٰ

ہمیں دین اسلام کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کی توفیق نصیب فرمادے۔آمین۔

دن اور رات کا نظام اللہ کی قدرت کے تحت ہے:-

محترم بزرگو اور دوستو! اب اس سال ۱۴۲۲ھ ختم ہوا، اب ہماری زندگی میں یہ سن کبھی نہیں آئے گا، اور اب ہم ۱۴۲۳ھ میں الحمدللہ داخل ہو گئے ہیں۔دن آتے ہیں گذر جاتے ہیں، راتیں آتی ہیں گذر جاتی ہیں، ان اوقات میں سیکنڈ منٹوں میں، منٹ گھنٹوں میں اور گھنٹے دن رات میں تبدیل ہو جاتے ہیں، پھر ان دنوں کے تسلسل سے یہ دن ہفتوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور پھر یہ ہفتے (week) مہینوں میں بدل جاتے ہیں اور مہینے سال میں اور سال صدیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، اور ان تبدیلیوں سے دن رات، ہفتے مہینے اور صدی وجود میں آتی ہے، یہی زمانہ ہے اور اسی کا نام وقت ہے۔

دن رات کی تبدیلی سورج و چاند کی گردش سے وجود میں آتی ہے۔قرآن مجید میں مختلف مقامات پر چاند سورج کی گردش کے فوائد بیان کیے ہیں اور بیان فرمایا ہے کہ اللہ ہی دن رات کا نظام چلا رہا ہے۔رات اور دن اپنے اپنے وقت پر اس ظاہری اسباب والی دنیا میں ہمیں موجود ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، سورج اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے تو دن وجود میں آجاتا ہے، سورج اپنے وقت پر غروب ہوتا ہے تو رات آجاتی ہے، مگر میرے دوستو! ہمارا یقین اور ایمان یہ ہے کہ سورج کا طلوع و غروب، دن اور رات کا چکر یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہو رہا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ دن اور رات کے چکر کے لیے سورج اور چاند کا محتاج نہیں ہے، وہ بغیر چاند اور سورج کے بھی دن رات بنا سکتا ہے، رات اور دن اللہ ہی نے بنائے، دن کو روشن اور رات کو تاریک بنایا۔

قرآن کریم میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا ہے:﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ

اللهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ، اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ. قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ، اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾، ان آیات کا ترجمہ اور خلاصہ یہ ہے کہ اے پیغمبر ﷺ! آپ ان سے دریافت کیجیے کہ بھلا یہ بتلاؤ، اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے روشنی لے آئے، تو کیا تم سنتے نہیں؟ (یعنی آفتاب کی گردش اس طور پر ہو کہ زمین پر اس کی روشنی نہ پڑ سکے تو پھر زمین کو روشن کرنے اور تم کو روشنی دکھلانے والا اور کون سا معبود ہے جو تم کو روشنی سے مستفید کر دے، تو تم ان دلائل قدرت کو توجہ کے ساتھ سن کر سمجھتے نہیں؟)

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: آپ ان سے یہ بھی دریافت کیجیے کہ بھلا یہ بتلاؤ، اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت تک دن رہنے دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہارے لیے رات لے آئے کہ تم اس میں راحت وآرام پاؤ، تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ (یعنی رات کے بجائے ہمیشہ کے لیے قیامت تک دن ہی رکھے اور آفتاب کو وسطِ آسمان پر مافوق الارض کے مدار پر گردش دے تو ایسی حالت میں وہ کون سا معبود ہے جو تم پر آرام اور سکون حاصل کرنے کے لیے رات لے آئے، تو کیا تم دیکھتے نہیں؟)

ایک تفسیری نکتہ:-

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے ایک عجیب نکتہ یہاں لکھا ہے، ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے رات کے ساتھ اس کا ایک فائدہ ذکر فرمایا، ﴿بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ﴾ یعنی رات میں انسان کو سکون ملتا ہے اور اس کے مقابل دن کے ذکر میں ﴿بِضِيَآءٍ﴾ کے ساتھ کوئی فائدہ ذکر نہیں فرمایا،

اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ دن کی روشنی اپنی ذات میں افضل ہے اور ظلمت سے روشنی کا بہتر ہونا معلوم ومعروف ہے۔ روشنی کے بے شمار فوائد اتنے معروف ہیں کہ ان کے بیان کی ضرورت نہیں ہے، بخلاف رات کے کہ اس کے اندر ظلمت اور اندھیری ہے جو اپنی ذات میں کوئی فضیلت نہیں رکھتی، بلکہ اس کی فضیلت لوگوں کے سکون وآرام سے ہے، اسی لیے اس کو بیان فرمانے کے بعد ﴿اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ فرمایا۔ دن کے فضائل وبرکات اور اس کے فوائد وثمرات بے شمار ہیں جو احاطۂ بصر میں نہیں آسکتے البتہ سنے جاسکتے ہیں اس لیے یہاں ﴿اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴾ فرمایا۔

(معارف القرآن:٦/ ٦٦٠)

رات اور دن اللہ تعالیٰ کی آیت ہیں:-

مجھے صرف یہاں دو چیزیں بیان کرنا مقصود ہیں: ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی نے دن رات بنائے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا دنیا کا بڑے سے بڑا سائنس داں یا ماہرِ فلکیات یا آج کے ٹیکنالوجی دور میں چاند پر کمند ڈالنے والے اور سیٹیلائٹ سے پوری دنیا کا نظارہ کرنے والے اور جن کی سائنسی ترقیات نے دنیا کو حیرت زدہ کردیا ہے، قیامت تک کوئی دن رات نہیں بنا سکتا، یہ قرآن کریم کا چیلنج ہے۔ قرآن مجید میں رات دن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیت (علامتِ توحید وقدرت) فرمایا ہے۔ جیسے سورۂ یٰس میں فرمایا۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا﴾ ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا، رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا بنادیا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنایا، تاکہ دن کو اپنے رب کی روزی تلاش کرو اور تاکہ برسوں کا حساب معلوم کرو، اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل

کے ساتھ بیان کیا۔

اس آیت میں اللہ جل جلالہ نے رات اور دن کو اپنی نشانی اور علامت وآیت فرمایا۔ آیت ونشانی جس کو انگریزی میں سائن (sign) کہتے ہیں، آپ یہاں سے اسکاٹ لینڈ (Scotland) کا سفر کرتے ہیں، سائن بورڈ (sign-board) کو دیکھتے ہوئے اسکاٹ لینڈ پہنچ جاتے ہیں، اسی طرح اللہ پاک کی آیت میں غور وفکر کرنے سے اللہ تک پہنچ سکتے ہیں اور اللہ کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

آیتِ خداوندی کا مفہوم:-

احقر کے استاذِ مکرم حضرت العلامۃ مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ آیتِ خداوندی کو بہت آسان اور عام فہم انداز میں اس طرح فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی آیت اس کو کہتے ہیں کہ دنیا والے سب مل کر ساری طاقت لگا کر بھی اس جیسا نہ بنا سکیں۔

قرآن میں وعظ ونصیحت کے چار عنوان:-

قرآن حکیم نے وعظ ونصیحت، دعوت وتبلیغ اور درس وعبرت کے عموماً چار عنوان اختیار کیے ہیں جن کے ذریعے سے انسانیت کو رشد وہدایت کا راستہ فراہم کیا گیا ہے: (۱) تذکیر بآلاء اللہ (۲) تذکیر بایام اللہ (۳) تذکیر بآیات اللہ (۴) تذکیر بما بعد الموت۔

تذکیر بآیات اللہ کا مفہوم:-

تذکیر بآیات اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ عالمِ کون ومکان کی نشانیاں دکھلا کر خالقِ کائنات کی ہستی اور اس کی وحدانیت کا اعتراف کروایا جائے کہ روشن ستارے، ٹھنڈا چاند، دہکتا ہوا سورج، بے ستون آسمان، کشادہ زمین، فلک بوس پہاڑ، رواں دواں دریا، ہواؤں کی ریل پیل، دن رات کا آنا جانا، طلوع وغروب کا منظم نظام، یہ سب کیا ایسے ہی چل رہا ہے؟ جب کہ معمولی سی

حرکت بھی بغیر کسی سبب کے نہیں ہوتی، تو پھر یہ زمین وخلا اور آسمان کا باقاعدہ نظام کسی ہستی کے بغیر کیوں کر قائم ودائم رہ سکتا ہے؟ اس سارے کائنات کے نظام اور اس کی جزئیات وتفصیلات پر عقل وتدبر سے کام لیا جائے تو تم خود اور تمہارا ضمیر پکار اٹھے گا کہ بے شک جس ذات نے ایسے کامل اور مستحکم انتظامات کیے ہیں وہی ذات واحد، قادرِ مطلق اور حکیم کل اور سب کا پروردگار ہے۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ (ہدایت کے چراغ: ۱۴، ۱۵)

دعوتِ فکر:۔

سورۂ یوسف میں فرمایا: اور زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ لوگ بے توجہی سے گذر جاتے ہیں اور ان کی طرف سے منہ پھیرے رہتے ہیں۔

غرض متعدد مقامات پر اللہ پاک نے اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۂ قصص کی جو آیات اوپر بیان کیں ان آیتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام مشرکین اور کفار وملحدین کو دعوتِ فکر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ قدرت کا یہ عالم ہے کہ ان کے دن کو کوئی رات نہیں کرسکتا اور نہ ہی ان کی رات کو کوئی دن نہیں بنا سکتا ہے، وہ اپنی قدرت میں منفرد ہے، اسی طرح وہ اپنی الوہیت میں منفرد اور یکتا ہے، پھر بھی ایمان نہ لانا انتہا درجے کی ہٹ دھرمی اور توحید سے دشمنی ہے۔

گردشِ لیل ونہار میں دو فائدے ہیں، مادی وروحانی:۔

محترم دوستو اور بزرگو! ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ گردشِ لیل ونہار میں ہمارے لیے کیا فائدے ہیں اور اس میں ہمارے لیے کیا درسِ عبرت ہے؟ جب قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں غور وفکر کرتے ہیں تو ہمیں گردشِ لیل ونہار کے دو فائدے نظر آتے ہیں: ایک فائدہ تو ظاہری و مادی اور عام ہے، اور ایک فائدہ روحانی ومعنوی ہے۔ ظاہری ومادی فائدہ جو مؤمن وکافر اور ساری مخلوقات کے لیے عام ہے۔

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ اور وہ منعمِ حقیقی ایسا ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل یعنی اپنے لیے روزی تلاش کرو، تاکہ ان نعمتوں پر تم اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

اس آیت میں ایک فائدہ یہ بیان فرمایا کہ دن میں تم رزقِ خداوندی کو تلاش کرو اور رات میں آرام وراحت حاصل کرو۔ اور سورۂ بنی اسرائیل میں اس فائدے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ﴿وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ﴾ دن سورج کی گردش سے ظاہر ہوتا ہے اور رات چاند کی گردش سے، لہٰذا دن سے شمسی نظام اور رات سے قمری نظام جو شرعی نظام ہے وہ بنتا ہے۔

چاند کی چاندنی اور سورج کی حرارت:-

اور یہ بھی بہت مشہور ہے کہ رات کو چاند کی چاندنی سے پھلوں میں رس آتا ہے اور سمندر میں پانی کی طغیانی کا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے۔ رات دن کے تغیر سے موسم تبدیل ہوتے ہیں اور دن میں سورج کی تمازت وحرارت سے کھیتیاں اور پھل پکتے ہیں۔

حضرت صوفی عبدالحمید سواتی صاحب نے اپنی تفسیر معالم العرفان میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ آج کل ہم ایٹمی دور سے گذر رہے ہیں، سائنس بہت ترقی کر چکا ہے، ابتدا میں لکڑی سے ایندھن کا کام لیا جاتا تھا، اور جوں جوں آبادی بڑھتی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ ایندھن کی ضروریات میں بھی اضافہ ہوا تو ایندھن کا کام کوئلے سے لیا جانے لگا۔ پھر گیس اور پٹرول دریافت ہوئے مگر ان تمام چیزوں کے ذخائر محدود ہیں۔ بجلی پیدا ہو چکی ہے اور اس سے نہایت ہی مفید کام لیے جا رہے ہیں، مگر اس کی پیداوار کا انحصار تیل یا پانی پر ہے، اور یہ چیزیں بھی لامحدود نہیں لہٰذا سائنس داں آئندہ کی ایندھن کی ضروریات کا جائزہ لیتے رہے، اب اس کے لیے سورج

کی حرارت (solar energy) کو عام استعمال میں لانے کے تجربات ہو رہے ہیں، کسی حد تک کامیابی بھی ہو رہی ہے، اور امید کی جاتی ہے کہ اس ۲۱/ویں صدی میں شمسی توانائی کا استعمال عام ہو جائے اور عام گھریلو استعمال کے علاوہ اس سے بڑے بڑے کارخانے، بجلی گھر اور گاڑیاں بھی چلنے لگیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے سورج میں اس قدر حرارت اور روشنی رکھ دی ہے۔

(معالم العرفان: ۱۳/ ۱۴۱)

یہ بات جو مولانا صوفی عبد الحمید صاحب نے فرمائی آپ نے بھی سماعت فرمائی۔ آپ نے سنا ہوگا کہ انڈیا میں باتھ روم میں گرم پانی کا جو گیزر ہوتا ہے وہ عام طور پر لائٹ اور بجلی سے چلتا ہے مگر اب وہاں ایسے آلات ملتے ہیں کہ مکانوں کے روف پر ایک آلہ اور ایک ٹنکی لگائی جاتی ہے، سورج کی حرارت سے وہ پانی گرم ہوتا ہے اور باتھ روم تک پہنچتا ہے، ممکن ہے یہ چیز پاکستان اور دیگر ممالک میں بھی ہو۔

بہرحال یہ چند موٹے موٹے فائدے ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ بھی کرتا ہے اور فیض یاب بھی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سورج کے سینکڑوں فوائد ہیں جن کی طرف ہمارے ذہنوں کی رسائی بھی نہیں ہے۔ الغرض اس گردش میں ہمارے لیے بہت ہی درسِ عبرت ہے، غور اور فکر کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں اسی کی دعوت دیتے ہوئے ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ﴾ اللہ تعالیٰ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے، اس میں اہل دانش (عقلمند) کے لیے استدلال کا موقع ہے۔ اور سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا ہے کہ رات اور دن بدلنے میں اور آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں عبرت و نصیحت ہے ڈرنے والوں کے لیے۔ دوستو اور بزرگو! غور کیجیے! ان آیتوں میں اللہ پاک گردشِ لیل و نہار کا روحانی و معنوی فائدہ بیان فرما رہے ہیں۔

عقلمندی ہماری نظر میں:-

بہر حال ان آیات میں اہل دانش یعنی عقل مندوں کے لیے دلائل ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ عقلمند کون ہے؟ تو اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ جو شخص کاروبار اور تجارت میں بڑا ہوشیار ہو، ایک کے دس بنانے والا ہو، چالاک ہو، اس کو ہم عقلمند کہیں گے۔ اگر پانچ بھائیوں میں چھوٹا بھائی ہو، عمر میں سب سے چھوٹا ہو، مگر تجارت میں بڑا ماہر ہو، ایک کی جگہ دو دکان بنالی ہو، بہت سی جائیداد بنالی ہو، ہم اس کو عقلمند کہیں گے۔ یہ نہیں دیکھیں گے کہ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہے، مگر اس کی ہوشیاری کی وجہ سے اس کو عقلمند کہتے ہیں۔ کوئی وکیل ہو، ہر کیس جیت جاتا ہو، ہم اس کو عقلمند کہتے ہیں۔ کوئی ماہر ڈاکٹر ہو، آپریشن کرنے میں بڑا تجربہ کار ہو تو اس کو ہم سمجھ دار اور عقلمند کہتے ہیں۔ مگر قرآن مجید نے کس کو عقلمند کہا؟ ایک بات سمجھیے! قرآن پاک کا کوئی لفظ ہو اور معنی ہم اپنے خیال سے کریں تو بقول حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحبؒ کے قرآن کا لفظ لے کر اس کے معنی ہم اپنی طرف سے بنالیں تو یہ قرآن کریم پر ظلم ہوگا، معنی بھی قرآن مجید سے لینا ہوگا۔

عقلمند قرآن مجید کی نظر میں:-

تو قرآن مجید میں ﴿لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ جگہ جگہ آیا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کی نظر میں کون ﴿اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ہے؟ تو قرآن مجید میں ایک مقام پر اس کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ. اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور

یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لیے، جن کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی، اور آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں غور کرتے ہیں، (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا، (جن کی ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اس مخلوق سے خالق کے وجود پر اور اللہ رب العزت کی توحید پر استدلال کیا جائے) اس گردشِ لیل ونہار میں دلائل عبرت ونصیحت ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقلمند ہیں۔

صبح وشام کا سبق، سونے اور اٹھنے میں عبرت:-

ہمارے حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے: صبح ہوتی ہے تو ایک پیغام لاتی ہے، ایک سبق دیتی ہے، اور شام ہوتی ہے تو وہ ایک سبق دیتی ہے۔ اور فرمایا کرتے: اے سونے والے، ایک اٹھنے کو یاد کرلے، اور اے اٹھنے والے! ایک سونے کو یاد کرلے۔ سونے والے اٹھنے کو یاد کر، یعنی اس شخص کو یاد کر جو اپنی قبر سے اٹھ کر میدانِ حشر میں جارہا ہے۔ ایک حدیث میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور بندوں کو جو سونے جارہے ہیں ان کو ایک دعا کے ذریعے بعث بعد الموت کی طرف متوجہ فرمایا۔ ایک چھوٹی سی دعا ہے: "اللّٰهُمَّ قني عذابك يوم تبعث عبادك" اے اللہ! جس دن آپ اپنے بندوں کو قبر سے اٹھائیں گے اس دن اپنے عذاب سے مجھے بچا۔ تو آج تم سونے جارہے ہو، تم اس کے ساتھ اس اٹھنے کو یاد کرو جب تم اپنی قبر سے اٹھوگے۔ اور اے اٹھنے والے ایک سونے کو یاد کر، یعنی جو سونا حشر تک ہے، جو اپنی قبروں میں سو رہے ہیں، تو بھی اس سونے کو یاد کر۔ آج تو اپنی نیند سے اٹھ گیا ہے، ایک وہ سونا بھی ہوگا کہ حشر تک تو نہیں اٹھے گا۔

اجل تیرا کردے گی بالکل صفایا:-

میرے مخلص دوستو اور بھائیو! حضرت مولانا سید حامد میاںؒ کے خلیفہ ومجاز حضرت الحاج محمود عارف صاحبؒ کا عارفانہ مضمون نظر سے گذرا، مضمون بہت تفصیلی ہے، اس کا خلاصہ کچھ حاشیے کے ساتھ آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔

دیکھو! میں نے شروع میں ذکر کیا تھا کہ ہم اب ۱۴۲۲ھ سے ۱۴۲۳ھ میں داخل ہوگئے، یہ سال گذر گیا، دن آتے ہیں اور گذر جاتے ہیں، راتیں آتی ہیں اور گذر جاتی ہیں، انہیں کے چکر سے اور آنے جانے سے ہفتے، مہینے، سال اور صدیاں ظہور میں آتی ہیں، اسی گردشِ لیل و نہار میں ہمارا وقت گذرتا ہے۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ اس شب وروز کی دوڑ میں ہم کن کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک وقت وہ تھا جب ہم اس دنیا میں موجود نہ تھے، ایک وقتِ مقرر پر خواب گاہِ عدم سے اس دنیا میں آئے، پہلے بچپن کی بہاریں تھیں، پھر جوانی دیوانی بھی اپنی جولانیوں کو لیے ہوئے چلی گئی، اور بڑھاپا آگیا جو زندگی کی آخری منزل ہے، اس سے آگے موت کی وادی تک کسی بھی سرائے کا نشان نہیں ملتا، پھر ایک وقت معین پر موت آئے گی جو زندگی کی غمی خوشی سب کو بہا کر لے جائے گی۔

قرآن کریم نے کتنے مختصر لفظوں میں ان تغیرات وحوادثات پر ہمیں مطلع فرمایا: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ تم کیسے انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کا حالانکہ تم محض بے جان تھے، سو تم کو اللہ تعالی نے زندگی بخشی پھر تمہیں دوبارہ موت دے گا اور پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس لیے میرے دوستو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو زندگی عطا فرمائی ہے اس کی قدر کرو۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے ۞ عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

ایک دن ہم بھی اس دنیا سے کوچ کریں گے اور وہ کوچ اور سفر اتنا طویل اور لمبا ہوگا کہ اس سفر سے واپسی نہیں۔ دوستو! جب اس سفر کا وقت آئے گا تو ایک منٹ کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ مختصر المعانی میں ایک عربی شاعر کا قول نقل کیا ہے:

أشاب الصغير وأفنى الكبير ۞ كر الغداة ومر العشى

ترجمہ: صبح وشام کے بار بار لوٹنے نے بچے کو جوان اور بوڑھے کو ہلاک کر دیا ہے۔

خواجہ مجذوبؒ نے ان تغیرات کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

تجھے پہلے بچپن نے برسوں کھلایا ۞ جوانی نے پھر تجھ کو مجنوں بنایا

بڑھاپے نے پھر آ کے کیا کیا ستایا ۞ اجل تیرا کر دے گی بالکل صفایا

انسان کی فطرت یہ ہے کہ اسے کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے، تو اس وقت اس کو اس کی قدر و منزلت معلوم نہیں ہوتی، یا اس کی قدر و منزلت معلوم کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتا، مگر جونہی وہ نعمت اس کے ہاتھوں سے دوسرے کے پاس چلی جاتی ہے تو اس کے بعد ہم للچائی ہوئی نظروں سے اس کو دیکھتے ہیں۔

بس وقت کی قدر و منزلت کے بارے میں ہمارا بعینہ یہی حال ہے، جب تک یہ دولت اور گراں قدر سرمایہ ہمارے پاس ہوتا ہے تو ہمیں اس کی کوئی قدر معلوم نہیں ہوتی، اس سے ناواقف رہتے ہیں، مگر جب اس نعمت کے زائل ہونے کا وقت قریب آتا ہے تو ہمیں اس کی قیمت معلوم ہونے لگتی ہے۔

ایک دن بلکہ ایک سانس کی قیمت:-

بھلا سکندر سے کوئی پوچھے، پوری دنیا کو فتح کرنے کے بعد جب موت نے اس کو فتح

کرلیا تو اس کے نزدیک ایک دن کی قیمت زیادہ تھی یا پوری دنیا کی؟ بڑے بڑے شاہانِ سپر پاور (super power) جنہوں نے دنیا والوں کو اپنا مطیع ومنقاد بنانے کی کوشش کی، مگر جب موت ان کے سر پر آئی تو دوسروں کو اپنے سامنے جھکانے والے خود موت کے سامنے جھک گئے۔ دوسروں کو دبانے والے خود موت سے دب گئے، دوسروں کو خاموش کرنے والے موت کے سامنے خاموش ہوگئے، ان کی زبانوں پر مہرِ سکوت لگ گئی، جن کے اشاروں پر دنیا میں بڑی بڑی چیزوں کے فیصلے ہوتے تھے آج موت کے سامنے بے بس پڑے ہوئے ہیں، لیٹے ہیں تو خود بیٹھنے کی طاقت نہیں۔ اس لیے بزرگو! زندگی کے ایک ایک سانس کی قدر پہچانو۔

مولانا جلال الدین رومیؒ اپنی آہ وفغاں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں: ؎

دادۂ عمرے کہ ہر روزے ازاں ❁ کس نداند قیمت آں در جہاں

خرچ کردم عمر خود را دم بدم ❁ در دمیدم جملہ را در زیر وبم

ان اشعار کی تشریح عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ کی زبانی سنیے! مولانا رومیؒ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! آپ نے ہمیں ایسی زندگی بخشی جس کے ایک روز کی قیمت دنیا میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ زندگی کتنی قیمتی ہے، اس کی ایک سانس میں انسان کافر سے مؤمن، فاسق سے ولی، جہنمی سے جنتی بن سکتا ہے، اور اگر اس کی قیمت نہ پہچانی اور زندگی کو ضائع کردیا تو موت کے وقت حسرت ہوگی کہ آہ! جس سانس سے ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرکے دائمی جنت حاصل کرسکتے تھے اس کو ہم نے دنیا کی عارضی لذتوں میں ضائع کردیا اور موت کے وقت وہ مہلت ختم ہوگئی۔ جب موت کا وقت آجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی کو ایک گھڑی کی مہلت نہیں دیتا، اگر بادشاہ اپنی ساری سلطنت حضرت عزرائیل علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دے کہ مجھے ایک

لمحے کی مہلت دے دو تا کہ توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کو راضی کرلوں تو مہلت نہیں ملے گی۔ لہٰذا گردشِ لیل ونہار سے پورا فائدہ اٹھا کر ابدی کامیابی حاصل کرو، اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو کہ اے خدا! ایسی قیمتی زندگی کو میں نے زیر وبم یعنی لہو ولعب میں پھونک ڈالا۔

ایک واقعہ: ایک گلاس پانی کی قیمت:-

ہارون رشید کے ایک درباری واعظ تھے جن کا نام ابن سماک تھا۔ ایک مرتبہ دربار سجا ہوا تھا کہ بادشاہ نے پانی مانگا، ایک خادم پانی کا گلاس لے کر آیا، ہارون رشید نے وہ گلاس ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ نوش کریں، ابن سماک اپنی جگہ سے اٹھے اور کہنے لگے: بادشاہ سلامت! ٹھہر جایئے، ابن سماک نے کہا: امیر المؤمنین! اگر آپ کو یہ پانی نہ ملے اور آپ جنگل و بیابان میں پیاس کے مارے بے چین ہو جائیں تو آپ اس ایک گلاس پانی کے حصول کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟ ہارون رشید نے کہا: اپنی آدھی سلطنت اس کی تلاش میں نذر کردوں گا۔ ابن سماک نے کہا: اچھا! اب نوش کرلیجیے۔ جب ہارون رشید پانی پی چکے تو پھر ابن سماک نے کہا: اے امیر المؤمنین! اب بتلایئے، یہ پانی آپ جو پی چکے ہیں، اگر یہ پانی آپ کے اندر ہی اندر رہ جائے اور باہر نہ نکلے، تو اس کے لیے آپ کیا کر سکتے ہیں؟ ہارون رشید نے کہا: اس کو نکالنے میں اپنی آدھی سلطنت صرف کردوں گا۔ ابن سماک نے کہا: کیا آپ اس سلطنت پر اتراتے ہیں جس کی قیمت صرف ایک پانی کا گلاس ہے؟ یہ سن کر ہارون رشید اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

یقین جانیے! ہماری زندگی کے لمحات اس قدر قیمتی ہیں کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کے ہم پلہ نہیں ہوسکتی، یہ اُس بازار کی گراں مایہ قیمتی چیز ہے کہ جہاں پہنچ کر تمام سکّے، پاؤنڈ اور ڈالروں کی چمک دمک ماند پڑ جاتی ہے، اس لیے وہاں پہنچنے سے پہلے وہاں کے سکّے (اعمالِ صالحہ) ڈھال لو۔

فکر عقبیٰ کی کر آج ہی بے خبر ۞ کل نہ کر کل کہ کل کا بھروسہ نہیں

کل نہ آئی اور کبھی نہ آئے گی کل ۞ کل تو کیا ایک پل کا بھروسہ نہیں

زمانے کا استعمال اچھے کاموں میں کرو......:-

بزرگو اور مخلص دوستو! بزرگوں کا مقولہ ہے کہ زمانہ بے رحم استاذ ہے، اگر ہم دنیا کی اس عظیم دولت کو صحیح اور اچھے کاموں میں استعمال نہ کریں، اسے فضول اور بے کار کاموں میں صرف کرتے رہے تو پھر یہ زمانہ اور یہ وقت خود استاذ بن جاتا ہے اور انسان کو اس طرح اپنے قالب میں ڈھالتا ہے کہ چیخیں نکل جاتی ہیں، اور ایسے لوگ زمانے کی سختی سے دوچار ہوتے ہیں تو زمانے کو گالیاں دینے لگتے ہیں، حالاں کہ زمانے سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شفیق نہیں اگر اس کی قدر کی جائے، اور جب اس کی بے حرمتی کی جائے تو پھر اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی بے رحم اور شقی القلب نہیں۔

دو نعمتیں جن میں اکثر لوگ خسارے میں ہیں:-

حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی دو نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں: ”نعمتان مغبون فیهما کثیرمن الناس،الصحة والفراغ“ دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ خسارے میں ہیں: ایک نعمت صحت کی اور دوسری نعمت فارغ وقت کی۔ (مشکوۃ: ۲/۴۳۹)

وقت کی قدر کیسے کی جائے؟

اب سوال یہ ہے کہ وقت کی قدر کیسے کی جائے؟ تو کیا محض وقت کی افادیت واہمیت پر تقریر یا لیکچر دینے سے اس کا حق ادا ہو جاتا ہے؟ اور کیا صرف الفاظ رٹ لینے سے وقت کی قدر ہو جاتی ہے؟ جی نہیں! بلکہ اس کی قدر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی کا نصب العین مقرر

کیجیے، اور ایک لائحۂ عمل تیار کیجیے، اور پھر اس کو انجام دینے کے لیے پوری کوشش اور جد و جہد تیز کر دیجیے۔ اب زندگی کا نصب العین کیا مقرر کریں، جس کو انجام دینے سے ہم اپنا قیمتی وقت اس میں لگائیں تو ظاہری بات ہے کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے کامیابی حاصل ہو، کامرانی اس کے قدم چومے، اور اسے قدم قدم پر مسرتیں حاصل ہوں اور اسے چین وسکون حاصل ہو۔

دو متضاد راستے، ایک ملحد کا اور ایک کافر کا:-

لیکن اس معاملے میں دنیا میں دو متضاد اور دو الگ الگ راستے نظر آتے ہیں: ایک ملحد کا اور ایک کافر کا راستہ۔ جس کی نظر اور جس کا عقیدہ صرف دنیا کی زندگی تک محدود ہے اور جس کا نظریہ یہ ہے کہ بس اس جہاں میں جو عیش وعشرت اور فائدہ اٹھانا ہو اٹھا لو، وہ اس فانی دنیا ہی کو اپنا مطمح نظر سمجھتا ہے، اور اس دنیا کی عیش وعشرت کو اور دنیا کی لذتوں اور راحتوں کو اپنا نصب العین بناتا ہے، لہٰذا اس کی تمام کوششیں صرف اس دنیا تک محدود رہتی ہیں، اور اس کے سوچنے اور اس کے عمل اور اس کی تمام محنتوں اور کوششوں کا مرکز دنیا اور صرف دنیا ہوتا ہے، وہ اپنا بہترین اور قیمتی وقت دنیا طلبی، نفس پرستی، عیش ومستی میں صرف کر دیتا ہے، اور اس کی کامیابی کا اعلیٰ ترین معیار یہ ہوتا ہے کہ خوب دنیا اکٹھی کی جائے اور دنیا میں سب سے زیادہ اس کی عزت کی جائے اور اس دنیا میں اس کو ایک مقام حاصل ہو جائے، یہاں کی راحتیں اور لذتیں اس کو مل جائیں، یہی اس کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے اور اسی کے لیے وہ رات دن محنتیں کرتا ہے۔

ع: بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

دوسرا ایمان والے کا راستہ:-

دوسرا راستہ اہل ایمان اور اہل تقوی کا راستہ ہے۔ ان کے سامنے صرف یہ فانی دنیا نہیں بلکہ ان کے سامنے ایک دوسرا عالم بھی اپنی تابانیوں کے ساتھ موجود ہوتا ہے اور وہ عالم آخرت

ہے۔اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ اپنی اخروی زندگی سے غافل نہیں رہتا ہے،قدم قدم پر اس کو آخرت کی فکر رہتی ہے، وہ اس دنیا کو فانی سمجھتا ہے اور آخرت کو باقی، یہاں کی لذت وراحت ختم ہونے والی سمجھتا ہے اور آخرت کی نعمت کو پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی سمجھتا ہے۔

بنیادی فرق:-

بس یہی بنیادی فرق ہے ایک مسلم اور غیر مسلم کی زندگی میں۔ایمان والے کی زندگی اور بے ایمان کی زندگی میں۔ایمان والا اللہ رب العزت سے غافل نہیں ہوتا،اس کو ہر لمحہ آخرت کی فکر دامن گیر رہتی ہے،اس کے لیے محنتیں اور کوششیں کرتا ہے۔اور جو ایمان کی نعمت سے محروم ہے وہ بس اس دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور رات دن اسی دنیا کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اپنے قیمتی وقت کو صرف اور صرف دنیا کے لیے خرچ کرتا ہے۔اور اللہ پاک کے فضل اور ان کی توفیق سے ایمان والے کا یہ حال نہیں ہوتا، وہ اپنے قیمتی سرمایے کو قیمتی چیز کے حاصل کرنے میں خرچ کرتا ہے، وہ دنیا کی فانی لذتوں اور راحتوں کے لیے اپنے اس قیمتی سرمایے کو ضائع نہیں کرتا۔

مذکورہ دونوں راستوں کے متعلق قرآن کا فیصلہ:-

قرآنِ کریم نے ان دونوں راستوں کی نشاندہی فرمائی ہے اور اس کے بعد انجام کو بھی بیان کیا ہے:﴿مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلٰىهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا.وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓـئِكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا﴾۔جو شخص دنیا کے نفع کی امید رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے فی الحال ہی دے دیں گے، پھر ہم اس کے لیے جہنم تجویز کریں گے،اور وہ اس میں بدحال راندۂ درگاہ ہو کر داخل ہوگا۔اور جو شخص آخرت کے ثواب کی امید رکھے گا اور اس کے لیے جیسی سعی کرنی چاہیے ویسی سعی

کرے گا بشرطیکہ وہ مؤمن بھی ہو، تو ایسے لوگوں کی سعی مقبول ہوگی۔

نماز کے اوقات کی عجیب وغریب حکمت:-

اس لیے میرے ساتھیو اور بزرگو! یہ دنیا کی فانی زندگی ہے، دنیا کی اس گردشِ لیل ونہار میں بہت عبرت ہے، ہم موت کے قریب ہوتے جارہے ہیں، عالم آخرت کی پہلی منزل جس کو ہم قبر کہتے ہیں اس کے قریب ہورہے ہیں۔ اللہ پاک ہم کو اس گردشِ لیل ونہار سے سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، یقیناً اس گردش میں بڑی عبرت ہے، عقلمند اور اہل تقوی اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

ایک نایاب نکتہ:-

قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ نمازوں کے اوقات میں ایک خلجان تھا کہ صبح اور ظہر کی نماز میں ایک طویل فاصلہ ہے اور اس کے بعد چاروں نمازوں میں ایسا طویل فاصلہ نہیں ہے، ان نمازوں کے اوقات میں تسلسل ہے، یہ عدم تناسب ہے، اس میں کیا حکمت ہے؟ (یہ فاصلہ معتدل ممالک کے اعتبار سے ہے، ورنہ ہمارے یہاں برطانیہ میں گرمی کے زمانے میں ظہر وعصر کا فاصلہ بھی بہت طویل ہوتا ہے) تو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس عدم تناسب پر خلجان تھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک رسالہ المصالح العقلیہ تصنیف فرمایا ہے، اس میں ہمارے حضرت تھانویؒ نے دو حکمتیں لکھی ہیں: ان میں سے ایک حکمت اور وجہ مجھے بھی بہت پسند ہے اور ہمارے حضرت مدنیؒ کو بھی بہت پسند تھی، حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ اس میں انسانی زندگی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے، اور انسان کو بہت لطیف انداز میں موت کی یاد اور موت کی تیاری کی دعوتِ فکر دی جارہی ہے۔

صبح کی نماز انسان کی پیدائش کا نمونہ ہے، حدیث میں سو کر اٹھنے کی یہ دعا بتائی گئی ہے: ”الحمد لله الذی أحیانا بعد ماأماتنا وإلیه النشور“ اس کے بعد بچپن اور عنفوانِ شباب کچھ طویل ہوتا ہے، پھر زوال کے بعد ظہر کی نماز رکھی گئی گویا اس میں انسان کی کہولت کی طرف اشارہ ہے، آدمی کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عمر ختم ہو رہی ہے، اور عصر کی نماز گویا اس کا الارم (alarm) ہے کہ بڑھاپا آ گیا، قبر کی فکر کرو اور اس کی تیاری کرو، آپ کی روانگی کا وقت بہت قریب ہے، اور مغرب کی نماز جو غروبِ آفتاب کے بعد ہے وہ انسان کو موت کی خبر دے رہا ہے کہ آفتاب جو بڑی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا تھا اس کی تابانیاں ختم ہو گئیں، زوال کے بعد ہی سے اس کی قوت کم ہونا شروع ہو گئی، حتی کہ اب غروب ہو گیا، بس اسی طرح اے انسان! تیرا بھی ایک وقت آئے گا کہ تیری زندگی کا آفتاب غروب ہو جائے گا اور موت کا پنجہ تجھے اپنے شکنجے میں دبا کر اس عالم فانی سے عالم برزخ میں پہنچا دے گا، تو موت کو یاد رکھنے کے لیے مغرب کی نماز رکھی گئی، اور عشاء کی نماز غروبِ شفق کے بعد پڑھی جاتی ہے، غروبِ آفتاب کے بعد شفقِ احمر غروبِ آفتاب کا اثر ہے، پھر آہستہ آہستہ یہ شفقِ احمر اور شفقِ ابیض بھی غروب ہو کر رات کی تاریکی مکمل طور پر چھا جاتی ہے، اور آفتاب کا اثر بھی ختم ہو جاتا ہے، یہی حال انسانی زندگی اور موت کا ہے کہ جب اللہ پاک کا حکم آیا اور موت کے پنجے نے اپنے اندر ہمیں دبوچ لیا تو اب موت کے بعد کچھ مدت قریب کے رشتہ دار روتے دھوتے ہیں، کچھ ذکرِ خیر ہوتا ہے، اعزہ واقرباء اور دوست واحباب کچھ مدت تک اس کو یاد کرتے ہیں، ایصالِ ثواب اور دعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ یہ سب ختم ہو جاتا ہے، تو گویا مرنے کے بعد کچھ دنوں تک اس کا تذکرہ باقی رہنا اس میں مشابہت ہے شفق کے ساتھ، پھر دنیا اس کو بھلا دیتی ہے، اس کو یاد دلانے کے لیے عشاء کی نماز فرض کی گئی کہ شفق کے غروب ہونے کی طرح تیرا نام ونشان بھی مٹ

جائے گا۔ (صحبتے با اولیاء: ص ۲۱۱)

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی ۞ گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

ہم اپنے پورے سال کا جائزہ لیں:-

دیکھیے! اللہ والے اس گردشِ لیل ونہار سے سبق حاصل کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں کہ بس زندگی غفلت کے اندر گذر رہی ہے۔ اس لیے میرے بھائیو! یہ سال یعنی ۱۴۴۲ھ ختم ہوا، ہم اپنے پورے سال کا جائزہ لیں اور سروے کریں کہ ہم نے گذشتہ سال کون کون سا عمل کیا، حجِ فرض ادا ہوا، نمازوں کا اہتمام ہوا، روزوں کو ادا کیا، قرآن مجید کی تلاوت کی پابندی کی، کتنی مرتبہ قرآن مجید کا ختم کیا؟ غرض جتنے اعمالِ صالحہ اللہ پاک کی توفیق سے ادا ہو گئے ان کے اوپر اللہ پاک کا دل سے شکر ادا کریں، اور جتنے گناہ ہوئے ان پر توبہ واستغفار کریں اور ان گناہوں کو چھوڑنے کا پکّا عزم کریں اور اس آنے والے سال ۱۴۴۳ھ کی پوری قدر کریں۔ اب ہماری زندگی کے کتنے لمحات باقی ہیں، کسے اس کا علم ہے؟ لہٰذا جو لمحات مل جائیں ان کو اچھے کاموں میں صرف کرنے کی نیت کریں۔

محترم دوستو، مخلص بھائیو! یہ سال ۱۴۴۲ھ تو ہمارا گذر گیا، اب ہم ۱۴۴۳ھ میں داخل ہو رہے ہیں، یہ سال ہمارے حق میں خیر وبرکت اور فلاح وکامرانی کا باعث بنے گا۔ اس کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرمایا کرتے تھے: آئندہ کسی سال، کسی مہینہ، کسی ساعت وگھڑی کے متعلق بھی پہلے سے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارے حق میں مبارک ہوگا یا منحوس ہوگا۔ حقیقت میں کوئی سال، کوئی مہینہ اور کوئی ساعت وگھڑی اپنی فطرت میں نہ مبارک ہوتی ہے نہ منحوس، اس کے مبارک ومنحوس ہونے کا فیصلہ انسانوں کی کوششوں کے صحیح رخ پر ہونے اور صحیح طریقے پر انجام پانے پر منحصر وموقوف ہے۔ اس کی مثال مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں

ندویؒ یہ دیا کرتے تھے کہ یہ گلاس اگر خالی ہے تو آپ حضرات اس کے متعلق کوئی حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ گلاس اچھا ہے یا بُرا ہے؟ اس کا انحصار اس کے مظروف پر ہے، اس گلاس میں آپ پانی ڈالتے ہیں یا دودھ ڈالتے ہیں تو اچھا ہے، اور اگر خدانخواستہ اس میں شراب ہوتی تو یہ شراب کا جام ہوتا، اگر اس کے اندر زہر بھرا ہوتا تو یہ زہر کا پیالہ ہوتا۔ یہ گلاس اپنی جگہ پر ایک معصوم ہے، ایک بالکل غیر جانب دار چیز ہے، آپ پر منحصر ہے کہ آپ اس کو کس چیز سے بھرتے ہیں، آپ اس کو زمزم سے بھرتے ہیں تو یہ زمزم کا گلاس ہے۔ اس لیے میرے دوستو اور سننے والی ماں بہنو! آئندہ آنے والے سال کو ہم اپنے لیے کیسا بنانا چاہتے ہیں یہ ہمارے اور آپ کے اعمال و کردار پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں نیک کاموں کی توفیق عطا ہو، اور اس کے لیے ہم کوشش بھی کریں۔

انسانی زندگی میں کام کے اوقات کی مقدار:-

شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ اکبر سے سنا ہے کہ بڑے غبن اور خسارے میں ہے وہ شخص جس عمر کی ۶۰/سال ہوئی، اس میں سے آدھا وقت یعنی ۳۰/سال سونے میں گذر گئے، اور چھٹا حصہ یعنی دس سال دن کو قیلولہ کرنے میں گذر گیا، تو ساٹھ سال میں سے چالیس سال سونے میں گذر رے، صرف بیس سال کام میں لگے۔ (معارف القرآن: ۶/ ۴۸۷)

اب اگر اس ۲۰/سال کی زندگی میں اپنے پیدا کرنے والے رب کو راضی کرلیا تو رب کریم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت کی دائمی نعمتوں سے مالا مال کرے گا، اس لیے اس کی فکر کرو۔

اور: ؎

یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے ❁ جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

اور: ؎

ہے جو آج سرگذشت اپنی ۞ کل اس سے ہی کہانیاں بنیں گی

اللہ پاک گردشِ لیل ونہار سے ہمیں عبرت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اپنی رضامندی والی زندگی نصیب فرمادے، ان کاموں کی توفیق عطا فرمائے جن سے اللہ پاک ہم سے راضی ہوجائے اور ہم سب کو اپنے اپنے وقت پر حسنِ خاتمہ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

نئے اسلامی سال کا استقبال اور سالِ گذشتہ کا احتساب کیسے کریں؟

نوٹ: درجِ ذیل مضمون حضرت مولانا نے ایک اخبار کے لیے لکھا تھا، مجھے بہت پسند آیا، اس لیے جلد ششم میں شامل کر رہا ہوں۔ از: مرتب

لیجیے! کیلنڈر کا ایک اور صفحہ الٹ رہا ہے۔ ۵/نومبر کو ان شاء اللہ ۱۴۳۴ھ کے بجائے ۱۴۳۵ھ شروع ہو جائے گا۔ ذوالحجہ کے آخری دن کا سورج اپنی بھرپور روشنیاں بکھیر کر غروب ہو جائے گا تو یکم محرم الحرام کا چاند اپنی نئی چمک دمک کے ساتھ طلوع ہوگا۔ یہ تبدیلی ایک نئے اسلامی کیلنڈر کو وجود میں لائے گی۔

احتساب-نظام:-

اسلامی نیا سال ہمیں دو باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہے: (۱) گذرے ہوئے سال کا احتساب۔ (۲) آئندہ سال کے پروگرام کی ترتیب۔

ہر انسان کے لیے اپنا محاسبہ بہت ضروری ہے، یہ محاسبہ تمام پہلوؤں سے ہونا چاہیے، دینی اور دنیوی دونوں امور میں ہونا چاہیے۔ آپ دنیا میں کہیں بھی رہ رہے ہوں اور کسی بھی شعبے سے وابستہ ہوں، آپ کو کامیابی اور ناکامی، پیش قدمی اور رفتار کا ویسا ہی جائزہ لینا چاہیے جیسا کہ آج کل تمام بڑے ادارے اپنی سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہیں، گذرے ہوئے سال کی کارکردگی اور تفصیلی جائزے سے آئندہ سال کے لیے لائحۂ عمل اور پروگرام طے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ بھی سچے دل کے ساتھ اپنے گذرے ہوئے سال کا جائزہ لیں۔

اگر آپ تاجر ہیں تو اپنی تجارت کا جائزہ لیں، اگر آپ سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ملازم ہیں تو غور کریں کہ آپ نے گذرے ہوئے سال میں کتنی ترقی کی اور آپ کو کتنی ترقی کرنی چاہیے تھی؟ کہیں آپ کے نقصان اور ترقی نہ کرنے میں آپ کی سستی، غفلت اور کوتاہی کا دخل تو نہیں رہا؟ آپ اپنی ایمانداری، محنت اور بہتر کارکردگی سے جو بہترین منافع یا بہترین پوزیشن حاصل کر سکتے تھے، آپ اس میں کس حد تک کامیاب رہے؟ اور جو اعتماد آپ میں پیدا ہوسکتا تھا آپ نے کس حد تک اسے حاصل کیا؟ مشہور مثل ہے: لمحہ جو گذر گیا تو سمجھیے صدی گذر گئی۔

احساسِ زیاں نہ جاتا رہا:-

انسان کا کسی چیز میں پیچھے رہ جانا بُری بات نہیں، بُری بات یہ ہے کہ انسان بے حسی میں مبتلا ہو جائے۔ وہ ناکام ہو اور اپنی ناکامی کے اسباب پر غور نہ کرے، اس کے قدم پیچھے ہٹیں اور فکر مندی کی کوئی چنگاری اس کے دل ودماغ میں سلگنے نہ پائے، ٹھوکر کھا کر بھی کوئی سبق نہ لے۔ جو شخص اپنے نقصان کا جائزہ لیتا ہے، اپنی کتابِ زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے اپنی کمی کوتاہیوں اور سستی کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہی شخص گر کر اٹھتا ہے اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ جس شخص یا جماعت میں اپنے احتساب اور کمزوریوں کے اعتراف کی صلاحیت نہ ہو وہ کبھی اپنی منزل کو نہیں پا سکتے۔ خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ احتساب لیا جائے:-

جیسے دنیوی اعتبار سے اپنا احتساب ضروری ہے، اس سے کہیں زیادہ اپنے دین وایمان کا اخلاق واعمال وکردار کے اعتبار سے بھی احتساب کرنا نہایت ضروری ہے۔ ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہماری زندگی اللہ پاک کے حکم کے مطابق گزر رہی ہے؟ کیا ہم اپنے کاروبار اور

دوسرے معاملات زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کررہے ہیں؟ ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کررہے ہیں یا ناراض؟ اپنی روزہ مرہ عبادات پر نظر دوڑائیں کہ گذشتہ سال سے کچھ اضافہ ہوا یا نہیں؟ اپنے معاملات اور تجارت وکاروبار کو دیکھیں کہ حلال وحرام اور مستحبات ومکروہات کے جو احکام شریعت میں ہیں ان میں ہم سے کوتاہی تو نہیں ہوئی؟ خصوصاً دیارِ غیر میں بسنے والوں کو اپنے اخلاق وسلوک کا جائزہ لینا چاہیے۔ والدین کے ساتھ، بیوی کے ساتھ، اولاد کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، خاندان کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے ساتھ، مسلم اور غیر مسلم پڑوسیوں اور کاروبار ودفاتر کے رفقاء کے ساتھ ہمارا کیا سلوک ہے؟ ہم ان کے لیے پھول ہیں یا کانٹے؟ وہ ہم سے راحت وسکون محسوس کرتے ہیں یا خوف ودہشت؟ ہم نے انہیں محبت کی سوغات دی ہے یا نفرت وعداوت کا تحفہ؟ غرض ہمیں اپنی زندگی کے ایک ایک عمل کا خود جائزہ اور حساب کرنا چاہیے۔ انسان دوسرے انسانوں سے اپنی کوتاہیاں چھپا سکتا ہے، لیکن اپنے آپ سے نہیں چھپا سکتا۔ اسی لیے ارشادِ نبوی ﷺ ہے: حاسبوا أنفسكم قبل أن تحاسبوا۔ (کنز العمال: ۴۴۲۰۳) اپنے نفس کا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا حساب (محاسبہ) لیا جائے۔

ہو رہی ہے عمر مثل برف کم:۔

میری قارئین سے گذارش ہے کہ ہم سب کو سالِ گذشتہ کا جائزہ لے کر سالِ نو کا پروگرام بنانا چاہیے کہ ہم نے ماضی میں کیا بہتر واچھے کام کیے جنہیں ہم برقرار رکھیں، اور ان بہتر اور اچھے کاموں کے اندر معیار کے اعتبار سے کیا اضافہ کیا جاسکتا ہے، اور اس میں فلاں حد تک اضافہ وترقی کرتا ہے۔ کیا کیا کوتاہیاں اور کمزوریاں ہیں جنہیں اس سال مکمل طور پر دور کیا جاسکتا ہے۔ اگر مکمل طور پر دور نہیں کیا جاسکتا تو انہیں کم سے کم کیا جاسکتا ہے۔ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا، تعلیم کا

معاملہ ہو یا ہنر مندی کا، تجارت ہو یا ملازمت، سماجی تعلقات کی بات ہو یا معاشی حالات کی، ہر جگہ پلاننگ اور پروگرام سازی ضروری ہے۔ اس سے ترقی وکامرانی وکامیابی متعلق ہے۔

چپکے چپکے رفتہ رفتہ دم بدم ❁ ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم

سالِ نو؛ صورِ انتباہ:-

ہم اس ملک میں بھی دیکھتے ہیں، اور اب تو ہمارے آبائی ملکوں میں ۳۱ر دسمبر کو سال مکمل ہوتا ہے۔ رات کو جوں ہی گھڑی کی سوئی ۱۲ر پر پہنچتی ہے تو لوگ سالِ نو کی خوشیاں منانے لگتے ہیں، ہزاروں پاؤنڈ خرچ کر ڈالتے ہیں۔ لیکن ذرا غور کیجیے تو پتہ چلے گا کہ یہ موقع خوشی سے زیادہ غم کا ہے، یہ ساعت جشن و مسرت کی نہیں بلکہ لمحۂ عبرت ہے۔ سال کے گذرنے سے عمر بڑھتی نہیں بلکہ عرصۂ حیات تنگ ہو جاتا ہے، رب العالمین کی دی ہوئی عمر میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ اس لیے سالِ نو کی آمد غفلت شعار طبیعتوں کے لیے صورِ انتباہ، اور سونے والے کے لیے بیداری کا الارم ہے، نہ کہ سرمستی اور عیش کا پیغام۔

یہ وقت ہے کہ ایک مؤمن کی پیشانی رب العالمین کی چوکھٹ پر خم ہو کہ اس نے بہت ہم عمروں کو اٹھالیا، اور مجھے اپنی مہلت سے سرفراز کیا، اس لیے تیرے دربار عالی میں شکر و امتنان کے جذبات پیش کرتا ہوں۔ یہ وقت ہے کہ خدا کے حضور التجا کے ہاتھ اٹھیں کہ اے میرے رب! میرے مستقبل کو میرے ماضی سے بہتر فرما، میری نامرادیوں کو کامیابیوں سے، میری پستیوں کو بلندیوں سے بدل دے۔ خاص کر اس وقت پورے عالم میں خدا سے غفلت شعار اور دنیا کی محبت کی ہم سزا پا رہے ہیں، اس پس منظر میں ہمیں پوری امتِ مسلمہ اور مقدماتِ مقدسہ کی حفاظت کی دعا کرنی چاہیے۔ لیکن افسوس اور ہزار ہا افسوس کہ عبرت پذیری اور موعظت انگیزی کی اس ساعت کو بھی ہم نے عیش کوشی، خود فراموشی اور خدا فراموشی کی ساعت بنالیا ہے۔

ہمارے زوال کی ایک لفظی تاریخ:-

آخر میں قارئین سے بڑی خصوصی گذارش کروں گا کہ ایک دانا نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب سینکڑوں یا ہزاروں بیان کیے جا سکتے ہیں، لیکن ان سب کا خلاصہ و نچوڑ ایک لفظ میں کرنا چاہوں تو وہ سستی و غفلت ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دماغ نفع ونقصان کا سوچ نہیں سکتے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتی؟ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے کان آفرین ونفرین کی صداؤں اور نرم و کرخت آوازوں کو نہیں پہچان سکتے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ قدرت نے اپنی وسیع رحمت سے اکتسابِ خیر اور اجتنابِ شر کی جو قوتیں اور طاقتیں بالعموم ہر فردِ بشر کو عطا فرمائی ہیں، مسلمان ان سے محروم و عاری ہیں؟ کون کہہ سکتا ہے کہ اولوالعزمی اور عالی حوصلگی کا مادہ ان میں بالقوۃ موجود نہیں ہے؟ نہیں! ہرگز ایسا نہیں! مسلمانوں کے زوال اور تنزل، پستی وافلاس اور ذلت کا سبب صرف اور صرف ان کی سستی و غفلت ہے۔

تم تو دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو:-

زہریلے سانپ کی ایک قسم ''أفعیٰ'' ایسی ہے کہ جب کسی جاندار کی اس سے آنکھیں چار ہوتی ہیں تو اس کے مقناطیسی اثر سے اس میں حرکت کی قوت بیکار ہو جاتی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ سانپ میری جانب چلا آرہا ہے اور تھوڑی دیر میں آکر مجھے ڈس لے گا اور مجھے اپنی پیاری زندگی سے دست بردار ہونا پڑے گا، لیکن پھر بھی اس کی مقناطیسی حیوانی کشش سے ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ اِدھر اُدھر ذرا بھی نہیں سرکتا، اور کامل سکوت کے ساتھ اپنے آپ کو نشانۂ ہلاکت بنائے ہوئے کھڑا رہتا ہے۔ یہی حال اس زمانے کے مسلمانوں کا ہے، جو غفلت میں دنیا کی مقناطیسی کشش سے مغلوب ہو گئے ہیں، اسی غفلت و سستی کی بدولت ہماری آنکھوں کے سامنے بیسیوں دولتیں لٹ گئیں، بیسیوں حکومتیں خاک میں مل گئیں، بہت سے تاجدار سرخاکِ مذلت پر

گرے، لیکن جو غفلت چھائی ہوئی تھی اس کے تہہ بہ تہہ بادل اسی طرح آفاق کو گھیرے ہوئے ہیں۔جس طرح دیمک لکڑی کو، اور گھن کا کیڑا غلے کو، اور زنگ لوہے کو کھا جاتا ہے اسی طرح غفلت انسانی قابلیتوں کا ناس کر دیتی ہے، اور قابلیتوں کو ضائع کر دیتی ہے۔جس طرح ٹھہرا ہوا پانی سڑ جاتا ہے اسی طرح بے کار شخص کا دماغ اور دماغی قوتیں متعفن ہو جاتی ہیں۔

قارئین کرام! سالِ گذشتہ ہم سے جو کوتاہیاں اور غفلتیں ہوئیں ان کی رب العالمین سے معافی مانگ لیں، اور سالِ نو کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔قوم کو ترقی کی راہیں بتلانا فضول ہے، تعلیم یا صنعت و حرفت یا تجارت وغیرہ پر توجہ دلانا بیکار ہے، آج ان کو صرف اور صرف ایک سبق دینا چاہیے کہ سستی چھوڑو، کام کرنے کی عادت ڈالو، کاہل بن کر بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

نوٹ: یہ مضمون بندے نے ہندوستان کے ایک عظیم اسکالر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی زید مجدہٗ، نیز صاحب رحمۃ للعالمین حضرت مولانا منصور پوریؒ کی ایک کتاب ”مشاہیر“ میں سے تغییر یسیر اور کچھ حواشی کے ساتھ تیار کیا تھا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔صاحب افادات

عاشوراء کے فضائل ومسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. أما بعد: فأعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم:﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾وقال تعالی في مقام آخر:﴿يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ،اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾صدق اللہ العظیم.

نئے سال کا آغاز:-

بزرگانِ محترم، عزیزانِ مکرم ومعزز دینی ماں بہنو! آج ہم اس مبارک مجلس میں جمع ہوئے ہیں، آج ہمارے اسلامی سال کی پہلی تاریخ ہے۔ ہمارا نیا سال ماہِ محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے، آج پہلی محرم الحرام ہے، اب ہم ۱۴۲۲ھ سے ۱۴۲۳ھ میں داخل ہورہے ہیں، اس لیے سوچا کہ آج کی اس مبارک مجلس میں سال کے اختتام اور نئے سال کے آغاز کے سلسلے میں، اور خاص طور پر یوم عاشوراء یعنی دسویں محرم کے سلسلے میں ہمارے اکابر کی قرآن وحدیث کی روشنی میں جو قیمتی باتیں ہیں ان میں سے کچھ باتیں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں۔

سب سے اول تو میں آپ حضرات کا دل سے شکر گذار ہوں کہ آپ حضرات اپنے قیمتی وقت کی قربانی دے کر قرب وجوار سے اس مجلس میں جمع ہوئے، یہ خادم الحمد للہ سولہ سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا، آپ کی خدمت کررہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔ ظاہر بات ہے کہ آپ میرے لیے نئے نہیں ہیں، اور میں آپ کے لیے نیا نہیں

ہوں۔آپ میرا چہرہ مہرہ دیکھنے نہیں آئے ہیں بلکہ دین کی نسبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت مـیں جمع ہوئے ہیں، ورنہ میں کیا اور میری حقیقت کیا؟ من آنم کہ من دانم مجھے اپنی علمی حدودِ اربعہ معلوم ہے۔اس موقع پر چچا غالب کا ایک شعر یاد آجاتا ہے: ؎

ہوا ہے شاہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا ۞ وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

بہرحال عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ آپ حضرات صرف اللہ پاک کی محبت اور دین کی عالی نسبت پر جمع ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کے مل بیٹھنے کو قبول فرمائے اور ہم سب کی ہدایت و نجات، دنیا و عقبیٰ کے سنورنے کا ذریعہ بنائے۔آمین۔

چار مہینے حرمت والے ہیں:-

آپ حضرات کے سامنے بندے نے دو آیتیں تلاوت کی ہیں۔پہلی آیت میں رب السموات والارض خالق السموات والارض یہ فرماتا ہے:﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ اس آیت کا ترجمہ توجہ سے سماعت فرمائیں، جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ سمجھ میں آجائے گا۔اس آیت کا ترجمہ یہ ہے: بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ نے جس دن سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (اس روز سے) مہینوں کی گنتی اس کے نزدیک کتاب الٰہی میں یعنی لوحِ محفوظ میں بارہ مہینے مقرر ہیں، ان مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔(یعنی خاص ادب کے مہینے ہیں)

اس آیتِ کریمہ کے ترجمے سے آپ کو پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے سال کے شرعی قمری بارہ مہینے بنائے، اور خود باری تعالیٰ نے ان میں سے چار مہینوں کو منتخب کیا۔مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ چار مہینے یہ ہیں: ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام- یہ تین ماہ متواتر ہیں- اور ایک رجب المرجب کا مہینہ۔اس کو آپ لوگ یاد رکھیں گے یا بھول جائیں گے؟ (جی ہاں! ان شاء اللہ، یاد رکھیں گے)

محرم الحرام برکت والا مہینہ ہے:-

اس سے معلوم ہوا کہ سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام بھی خیر و برکت والا مہینہ ہے۔ بعض ناواقف اور جاہل لوگ محرم الحرام کو منحوس سمجھتے ہیں، اس وجہ سے کہ اس مہینے میں حضورِ اکرم ﷺ کے نواسے اور آپ کے خاندان کے ۲۷/افراد کربلا کے میدان میں شہید ہوئے۔ اس وجہ سے وہ اس مہینے میں شادی بیاہ بھی نہیں کرتے، کوئی تجارتی سفر بھی نہیں کرتے، دکان کا افتتاح بھی نہیں کرتے۔ یہ سب باتیں بالکل غلط ہیں، یہ مہینہ تو مبارک مہینہ ہے۔

عاشوراء کے دن عظیم الشان واقعات ہوئے ہیں:-

اس مہینے میں بڑے بڑے عظیم الشان واقعات رونما ہوئے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے نکلے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت قتادہ وغیرہ کی روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ۱۰/رجب المرجب کو کشتی پر سوار ہوئے، ۱۵۰/دن تک یہ کشتی طوفان کے اوپر چلتی رہی، اور ایک مہینے تک جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہری، پھر محرم الحرام میں عاشوراء کے دن کشتی سے نکلے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے، جس میں یہ ہے کہ اللہ نے اس کا رخ بیت اللہ کی طرف کر دیا تو، ۴۰/دن تک اس نے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر اس کا رخ جودی پہاڑ کی طرف کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۸۱ - دارالکتب العلمیۃ -) نیز اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون اور اہل فرعون سے نجات ملی اور فرعون غرق ہوا۔

اسلام میں کوئی دن اور کوئی رات منحوس نہیں:-

اسلام میں کوئی دن اور کوئی رات منحوس نہیں ہے، سب دن اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ البتہ بعض زمانوں اور بعض مکان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بابرکت اور فضیلت والا بنایا ہے،

جیسے: رمضان المبارک کا مہینہ۔

بابرکت ایام اور مہینے:-

ابھی ذی الحجہ کا مہینہ گذرا، یہ بھی بڑا فضیلت والا مہینہ تھا، اس کے شروع کی دس راتوں کی اللہ پاک نے قرآن پاک میں قسم کھائی ہے: ﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ جمعہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے سب دنوں پر فوقیت عطا فرمائی ہے، اس کو سید الایام بنایا ہے۔

جمعہ کی ٹکر کا کوئی دن نہیں:-

حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ جو دار العلوم بری (انگلینڈ) میں شیخ الحدیث تھے اور اللہ پاک نے مدینے پاک کی موت عطا فرمائی، رمضان المبارک کا مہینہ تھا، ۲۸؍ویں رمضان کی رات اور تہجد کا نورانی وقت تھا، اس نورانی وقت میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ وہ فرمایا کرتے تھے: جمعہ کی ٹکر کا کوئی دن نہیں، فضیلت میں اگر جمعہ کے برابر کوئی دن ہوسکتا ہے تو وہ یومِ عرفہ ہے۔

یومِ عرفہ کی فضیلت:-

ایک روایت میں ہے، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "ماروُي الشيطان يوما،هو فيه أصغر ولا أدحر ولا أحقر ولا أغيظ،منه في يوم عرفة.وما ذاك إلا لمارأى من تنزل الرحمة،وتجاوز الله عن الذ نوب العظام، إلا ما أري يوم بدر.قيل وما رأى يوم بدر يا رسول الله؟ قال:أماإنه قدرأى جبريل يزع الملائكة" حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شیطان عرفہ کے دن خدا کی رحمت اور گنہگاروں کی بخشش دیکھ کر انتہائی ذلیل اور پریشان ہوتا ہے، اس کو کسی دن عرفہ کے دن جیسی پریشانی نہیں ہوتی، البتہ بدر کی جنگ میں وہ عرفہ کے دن سے بھی زیادہ پریشان

ہوا تھا، جب اس نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تھا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ کفار سے لڑنے کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ (موطأ مالک: ۱/ ۴۲۲-المکتبۃ الشاملۃ-)

مطلب یہ ہے کہ بدر کے دن تو شیطان بہت پریشان ہوا تھا، جب اس نے فرشتوں کا لشکر دیکھا تھا تو اس کو اس بات سے مایوسی ہوگئی تھی کہ کفار کو فتح نہ ہوگی۔ لیکن بدر کے علاوہ اگر اس کو پریشانی اور ذلت ہوتی ہے تو وہ عرفہ کا دن ہے، کیوں کہ عرفہ کے دن حق تعالیٰ کی طرف سے بے شمار رحمت کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ ہوتا ہے، اور اس قدر بندوں کی مغفرت اور جہنم سے آزادی ہوتی ہے جس کی کوئی حد نہیں، یہ منظر اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس رحمت والے معاملے کو دیکھ کر ذلیل اور پریشان ہوتا ہے۔

ایک اور روایت کا مفہوم ہے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن جب اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے تو شیطان اور اس کا لشکر روتا ہے اور اِدھر اُدھر چلتا پھرتا ہے اور افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ ہمارا تمام کیا کرایا آج خاک میں مل گیا، ہماری تمام محنتیں بیکار ہوگئیں، سال بھر ہم نے جو کچھ کیا تھا خدا کی رحمت اور مغفرت نے آج کے دن سب پر پانی پھیر دیا اور ہم ناکام و نامراد ہوگئے۔ (الترغیب والترہیب: ۲/ ۲۰۲)

اس عقیدے کی اصلاح کرنی چاہیے:-

بہر حال! اسلام میں ایسے مبارک اور فضیلت والے دن اور راتیں اور مہینے ہیں، الحمد للہ! مگر کوئی دن اور کوئی رات نحوست والی نہیں، لہٰذا ہمارے عقیدے کو درست کرنا چاہیے، اور اپنے عقیدے کی اصلاح اور اس سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔

﴿يَوْمُ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ﴾ کی تشریح:-

اگر اسلام میں کوئی دن منحوس ہوتا تو وہ دن ہوتا جس میں اللہ کا عذاب زمین پر آیا۔ قومِ

عاد کے بارے میں قرآن مجید میں سورۂ حاقہ میں ارشاد فرمایا: قومِ عاد پر ان کی نافرمانی اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور نبی کی تکذیب کی وجہ سے سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل تیز آندھی کا عذاب مسلط کر دیا، جس نے ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا، پوری قوم تباہ و برباد ہوگئی۔ ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾، سورۂ قمر میں ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ﴾ ہم نے ان پر ایک تند ہوا بھیجی ایک دوامی نحوست کے دن، وہ ہوا لوگوں کو اس طرح اکھاڑ اکھاڑ کر پھینکتی تھی کہ گویا اُکھڑے ہوئے کھجور کے تنے تھے۔

بیان القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ وہ زمانہ قومِ عاد کے حق میں ہمیشہ کے لیے اس لیے منحوس ہوگیا کہ اس روز جو عذاب آیا وہ عذابِ برزخ سے متصل ہوگیا، پھر عذاب کفار کے لیے کبھی منقطع نہیں ہوا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تفسیر عثمانی میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ نحوست کا دن ان کے حق میں تھا، یہ نہیں کہ ہمیشہ کے لیے وہ دن منحوس سمجھ لیا جائے، جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے۔ اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے منحوس ہوگیا تو مبارک دن کونسا رہے گا؟ قرآن کریم کے مطابق وہ عذاب سات راتیں اور آٹھ دنوں تک برابر رہا، بتلایئے! اب ہفتے کے دنوں میں کونسا دن نحوست سے خالی رہے گا؟

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا پُر حکمت جواب:۔

منبہات میں حافظ ابن حجر نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا: دنوں میں سب سے بہتر دن کونسا ہے، اور مہینوں میں سب سے بہتر مہینہ کونسا ہے؟ اور عمل میں سب سے اچھا عمل کونسا ہے؟ تو رئیس المفسرین ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: بہترین دن یوم جمعہ ہے، بہترین مہینہ رمضان المبارک، اور بہترین عمل پنج گانہ نماز وقت پر ادا کرنا ہے۔ تین دن گذرنے کے بعد اس شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا اور انہوں نے یہ جواب مرحمت فرمایا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر مشرق ومغرب کے تمام علماء، حکماء اور فقہاء سے بھی یہ سوال کیا جاتا تو اس سے بہتر جواب نہ دے سکتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایمان افروز ارشاد:-

آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ بہترین عمل وہ ہے جسے رب قبول کر لے، بہترین مہینہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنے گناہوں کے لیے صدقِ دل سے خالص توبہ کر لے، بہترین دن وہ ہے کہ جب تو اللہ کے پاس جائے تو اس حال میں کہ تیرا دل نورِ ایمان سے منور ہو چکا ہو۔ (المنبہات: ۲۱، ۲۲)

ہمارے حق میں مبارک اور منحوس دن کونسا؟

بندے نے آپ حضرات کی خدمت میں پہلے بھی عرض کیا تھا اور امید ہے کہ بہت سوں کو یاد بھی ہوگا، ہمارے حق میں تو سب سے بہترین اور سب سے مبارک وہ دن ہے جس دن اور جس مہینے میں ہمارا تعلق اللہ عزوجل سے اچھا ہو، نیک کاموں کی توفیق نصیب ہو، نمازوں کا اہتمام ہو، قرآنِ کریم کی تلاوت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوں، خدمتِ خلق میں لگے ہوئے ہوں، اپنے گناہوں پر ندامت ہو، صدقِ دل سے توبہ واستغفار کی توفیق مل گئی ہو۔

اور ہمارے حق میں سب سے منحوس دن وہ ہے جس میں ہم اپنے پروردگار، اپنے کریم خالق ومالک کی نافرمانی کریں، اپنے ماں باپ کی نافرمانی کریں، رشتہ داروں اور اقرباء سے قطع

تعلق کیے ہوئے ہوں، معاصی میں مشغول ہوں، وہ ہمارے حق میں منحوس دن ہے۔ اللّٰھُمَّ احفظنا من شرور أنفسنا ومن الشياطين۔

رمضان اس شخص کے حق میں مبارک ہے جو اس کی قدر کرے:-

رمضان کا مبارک مہینہ نصیب ہو، شبِ قدر نصیب ہو مگر ہم اس مبارک وقت میں غفلت اور نافرمانی میں پڑے ہوئے ہوں تو وہ ہمارے حق میں مبارک نہیں بلکہ وہ ہمارے حق میں بہت بدبختی اور محرومی کا سبب ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ منبر پر تشریف لے جا رہے تھے اور آپ ﷺ نے منبر کے ہر درجے پر اپنا قدم مبارک رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: آمین، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خطبے کے بعد بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے آج منبر پر چڑھتے ہوئے ایسی بات سنی جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جبرئیل علیہ السلام اس وقت میرے پاس آئے تھے اور جب میں نے منبر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبرئیل امین علیہ السلام نے کہا: ہلاک اور برباد ہو جائے وہ شخص جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی، میں نے کہا: آمین، اور جب دوسرے درجے پر قدم رکھا تو کہا: ہلاک و برباد ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے، (سامعین کرام! ایک مرتبہ درود شریف پڑھ لو: اللّٰھُمَّ صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد) میں نے کہا: آمین، اور جب تیسرے درجے پر قدم رکھا تو فرمایا: ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے اس کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پاویں اور وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرادیں، میں نے کہا: آمین۔ (رواہ حاکم، الترغیب والترہیب: ۲/ ۹۲)

غور کیجیے! اس مبارک حدیث میں کتنی سخت وعید ہے اس شخص کے حق میں جو رمضان کا مبارک مہینہ غفلت اور معاصی میں گذارے، لہٰذا رمضان بے شک بڑا مبارک اور رحمتوں، برکتوں اور مغفرت والا مہینہ ہے، مگر یہ سب فضائل کس کے حق میں ہیں؟ اس شخص کے حق میں ہیں جو رمضان المبارک کی صحیح قدر کرے، اور اس مبارک مہینے کو اللہ پاک کی عبادت واطاعت میں گذارے، اور اگر غفلت میں گذارے تو پھر یہ وعید ہے جو ابھی آپ نے سنی۔

عاشوراء کا روزہ:-

بزرگو! میں محرم الحرام کے متعلق ذکر کر رہا تھا کہ عاشورا کے دن بڑے بڑے عظیم الشان واقعات پیش آئے ہیں، اور یہ بڑا مبارک دن ہے۔ ابتداءِ اسلام میں عاشوراء کا روزہ فرض تھا، جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ کردی، مگر استحباب اب بھی باقی ہے۔ شمائل ترمذی میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے: عن عائشة رضی الله عنها قالت: كان عاشوراء يوما يصومه قريش في الجاهلية وكان رسول الله ﷺ يصومه، فلما قدم المدينة صامه وأمر بصيامه، فلما افترض رمضان كان رمضان هو الفريضة وترك عاشوراء فمن شاء صامه ومن شاء تركه۔ (شمائل ترمذی: ۱۸۰) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عاشوراء کا روزہ زمانۂ جاہلیت میں قریش رکھا کرتے تھے اور حضور ﷺ بھی ہجرت سے قبل تطوعاً رکھ لیا کرتے تھے، لیکن ہجرت کے بعد جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو خود بھی اہتمام سے روزہ رکھا اور امت کو بھی وجوباً حکم فرمایا، جب رمضان المبارک کا روزہ مشروع ہوا تو رمضان کا روزہ فرض ہو گیا اور عاشوراء کے روزے کی فرضیت ختم ہو گئی، لیکن اب

بھی اس کا استحباب باقی ہے لہٰذا جس کا دل چاہے روزہ رکھے اور جس کا دل چاہے نہ رکھے۔

اہل کتاب کی موافقت ومخالفت:-

جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود جو اہل کتاب ہیں، وہ بھی اس دن کا یعنی عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ اس دن حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے خلاصی عطا فرمائی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا، جس کے شکر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا، اسی کے شکر میں ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔ یہ سن کر سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم لوگ موسی علیہ السلام کی اتباع کے تم سے زیادہ حق دار ہیں، اس لیے حضور ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور امت کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ ابتداءً حضور ﷺ اہل کتاب کی موافقت فرماتے تھے کہ ان کا مذہب بہر حال آسمانی ہے، مگر بعد میں اہل کتاب کی مخالفت کا قولاً وفعلاً حکم فرمایا، اور اس کا آپ ﷺ نے اہتمام فرمایا جو بہت سی وجوہ سے ضروری تھا۔

عاشوراء کے ساتھ ایک دن کا روزہ ملالو:-

اور حضورِ پاک ﷺ کی صحبت اور تعلیم کی برکت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مزاج بھی یہی ہو گیا تھا۔ چنانچہ اسی سلسلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس میں تو اہل کتاب کی مشابہت ہوتی ہے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو آئندہ سال دسویں کے ساتھ نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔

اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: وقال النبي ﷺ: صوموا عاشوراء وخالفوا فيه اليهود وصوموا قبله وبعده يوما نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم عاشوراء کا روزہ

رکھو، اور مخالفت کرو اس میں یہود کی، اور وہ اس طرح کہ روزہ رکھو اس سے پہلے ایک دن کا یا ایک دن بعد کا۔ مطلب یہ کہ دسویں تاریخ کے روزے کے ساتھ ایک روزہ اور ملا لو، نویں تاریخ یا گیارہویں تاریخ کا، تاکہ یہود کی مخالفت ہو جائے۔

(الترغیب والترہیب لقوام السنة: ۲/ ۴۰۲- دار الحدیث القاہرہ-)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ دو روزے نہیں رکھ سکتے تو ایک بھی نہ رکھیں۔ بالکل نہ رکھنے سے تو ایک رکھنا بہتر ہی ہے۔

عاشوراء کے دن اہل وعیال پر وسعت کی برکت:-

اور عاشورا کے دن ایک کام یہ ہے کہ اس دن اپنی حیثیت کے مطابق اپنے گھر والوں پر کھانے پینے میں وسعت کریں۔ حدیث میں ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: من وسع على عياله في النفقة يوم عاشوراء وسع الله عليه سائر سنته۔(الترغیب والترہیب: ۲/ ۱۱۶) جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ پورے سال اس پر وسعت فرمائے گا اور اس کے گھر میں برکت عطا کرے گا۔(رواه رزين والبيهقي، وقال سفيان: إنا قد جربناه فوجدناه كذلك. وفي المرقاة: قال العراقي: له طرق بعضها صحيح وبعضها على شرط مسلم)

ایک سال کے گناہوں کا کفارہ:-

عاشوراء کے روزے کے متعلق حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: "صيام يوم عاشوراء أحتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله"، جو شخص اخلاص کے ساتھ عاشوراء کا روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ

ہوجائے گا، یعنی ایک سال کے گناہِ صغیرہ معاف ہوجائیں گے۔ (مسلم شریف:۱/۳۶۷)

اہل بیت کرام کی محبت:-

بزرگو اور دوستو! عاشوراء کے دن ہمیں یہ کام کرنے ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا۔ عاشوراء کے دن تاریخ اسلام میں وہ دردناک اور اندوہناک واقعہ بھی پیش آیا ہے جس کے تصور سے ہمارے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ میدانِ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جگر پارۂ حضرت علی وحضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما اور آپ کے ساتھی اہل بیت کرام کو جس بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا ہے، اس کی یاد سے ہمارے دل رونے لگتے ہیں، آنکھیں پُرنم ہوجاتی ہیں، دل غمناک ہوجاتے ہیں۔ چودہ صدی گذرنے کے باوجود یہ واقعہ ہمارے دل ودماغ پر چھایا ہوا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کرام کی محبت ہمارے ایمان کا جزء ہے۔ اللہ پاک ہمارے دلوں میں اور زیادہ محبت پیدا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ان شہداءِ عظام کو اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہماری بھی مغفرت فرمادے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادتِ عظمیٰ اور اس کا مقصد:-

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کیوں ہوئی؟ آپ میدانِ کربلا میں کیوں تشریف لے گئے تھے؟ یہ ایک بہت بڑا سوال ہے۔ اس کا جواب آپ اس طرح سمجھیے!

اسلام میں امامت کی دو قسمیں ہیں: (۱) امامتِ صغریٰ (۲) امامتِ کبریٰ۔ امامتِ صغریٰ یعنی پنج وقتہ نماز میں امامت، اور امامتِ کبریٰ یعنی حکومتِ اسلامیہ کا ذمہ دار ہونا، امیر المؤمنین ہونا۔ دونوں کے لیے اسلام میں کچھ شرائط ہیں، ہم اور آپ پنج وقتہ نماز میں ایسے شخص کو امام بناتے ہیں جو متقی وپرہیزگار ہو، عالم باعمل ہو، نیک طینت ہو، خلیق وباادب ہو، فاجر وفاسق کو

امام بنانا پسند نہیں کرتے، اور فقہاءِ کرام نے بھی لکھا ہے کہ فاسق کو امام بنانا مکروہِ تحریمی ہے۔ ہم نے ہندوستان میں دیکھا ہے، کبھی کبھار امام غیر حاضر ہو تو ڈاڑھی منڈے کے پیچھے ڈاڑھی منڈے بھی نماز پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ اسی طرح امامتِ کبریٰ میں بھی یہ شرط ہے کہ امام متبع شریعت ہو، دین کا پابند ہو۔

"الناس علیٰ دین ملوکھم"، اگر امام اور خلیفہ پابندِ شرع ہو تو ان شاء اللہ قوم بھی پابندِ شرع ہوگی، خلیفہ کے دل میں دین کی عظمت اور محبت ہوگی تو قوم کے دل میں بھی دین کی عظمت اور محبت ہوگی، قوم بھی دین کی پابند ہوگی۔ حضرت حسینؓ نے یہی دیکھا کہ جس کی بیعت کی طرف مجھے بلایا جا رہا ہے وہ اس معیار پر نہیں اترتا، وہ اس امامت کا اہل نہیں ہے، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ نے حق وصداقت کی آواز بلند کی، اور اس حق وصداقت کے لیے اپنی جان تک قربان کردی، اپنے اہل وعیال کو قربان کردیا، مگر جس بات کو حق سمجھا اس پر جمے رہے، صبر کیا اور جس چیز کو غلط سمجھا اس کے سامنے سر نہیں جھکایا۔

سر کٹا سکتے ہیں، لیکن............:-

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس دردناک شہادت کے واقعے میں ہمارے لیے بہت بڑا درسِ عبرت ہے، آپ نے اسلام کے ایک اصول کا ٹوٹنا گوارا نہیں کیا، اور حق گوئی، حق جوئی اور حق پرستی کی ایک عظیم الشان مثال قائم کردی اور دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کردیا کہ حق کی حفاظت کی خاطر ہر چیز کو قربان کیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ اپنی جان بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قلب مبارک میں اپنے نانا جان رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ایسی محبت وعظمت تھی کہ اپنی جان کا نذرانہ اور اپنے پورے خاندان کو شہید کروانا گوارا کیا، مگر دین پر ایک حرف آئے یہ گوارا نہ کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اپنے عمل سے یہ سبق دیا کہ حق دین

اسلام کی خاطر گردن کٹ تو سکتی ہے مگر باطل کے سامنے جھک نہیں سکتی۔

ع: سر کٹا سکتے ہیں لیکن سر جھکا سکتے نہیں

ہم کتنے اسلامی اصول توڑ رہے ہیں:-

آج ہم انہی کے نام لیوا ہیں اور یقیناً ہمارے دلوں میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی محبت ہے۔ آج ہم اپنی زندگی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہم اسلام کے کیسے کیسے بڑے بڑے اصول توڑ رہے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تلوار کی جھنکار میں بھی نماز نہیں چھوڑی، تاریخ کے صفحات گواہ ہیں، عین میدانِ کارزار میں بھی آپؓ نے ظہر کی نماز کا جب وقت ہو گیا تو میدانِ کارزار ہی میں نماز ادا فرمائی، اور آج ہم ہر قسم کے عیش و آرام کے نقشوں میں رہ کر بھی نماز قضا کر دیتے ہیں، ہماری ماں بہنیں نماز چھوڑ دیتی ہیں، اور اسی طرح اسلام کے دوسرے احکام و اصول پر نظر ڈالیں۔ اندازہ لگایئے! ہماری زندگیوں میں سے اسلام کتنا نکلا ہوا ہے، لہٰذا ہماری اس حالت پر ہم ہی کو بہت ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔

زندگی بدلنا ہے:-

اور غور کر کے ہمیں زندگی بدلنا ہے۔ ہمارے ان بیانات کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ یہ دین میری زندگی میں بھی آجائے اور آپ حضرات اور ہماری ماں بہنوں کی زندگیوں میں بھی زندہ ہو جائے، جو کچھ بے اصولی اور گناہ ہو چکے ہیں ان پر صدقِ دل سے توبہ استغفار کریں اور آئندہ زندگی کے لیے اپنا کوئی دینی پروگرام بنا دیں۔ ہم نے آج تک اپنی دنیا بنانے کے لیے تو بڑے بڑے پروگرام بنائے، چناں چہ اب ضرورت اس کی ہے کہ اپنے آپ کو دین اسلام سے وابستہ کر کے اس کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر اخروی زندگی کی کامیابی اور کامرانی کے لیے سامان کیا

جائے ،اور ویسے بھی ہماری زندگی کی شام قریب ہے اوراس کے بعد بہت جلد رات آنے والی ہے، ہماری زندگی کا سورج غروب ہونے والا ہے۔

رات آنے سے پہلے روشنی کا انتظام ہو جاتا ہے:-

آپ نے انڈیا اور پاکستان میں دیکھا ہوگا، جب ہمارے گھروں میں لائٹ نہیں تھی تو ہماری دادی اماں، نانی اماں اور گھر کے لوگ رات آنے سے پہلے پہلے فانوس صاف کر کے جلا دیتی تھیں، دِیا اور چراغ روشن کر دیتی تھیں تا کہ گھر میں اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے روشنی کا سامان ہو جائے۔

بزرگو اور دوستو! قبر میں بھی سخت اندھیرا ہے، قبر میں نور اور لائٹ ہو جائے، میدانِ محشر میں ہمارے پاس نور ہو جائے، پل صراط پر اس نور کی روشنی میں آسانی سے گذر جائیں تو اس کی تیاری ہمیں ان دنوں سے کرنا ہے۔

دینی اصول اپنی زندگی میں زندہ کریں:-

یہی زندگی اُس آنے والی زندگی کو کامیاب بنانے کی سیزن ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت ہمیں اسی طرف متوجہ کرتی ہے کہ ہم دین اور حق وصداقت کو اپنا مشعلِ راہ بنائیں اور دینی اصول کو عملی طور پر اپنی زندگیوں میں داخل کریں۔ نمازوں کی بڑے اہتمام سے پابندی کریں، زکوۃ، حج، قربانی اور جتنے مالی حقوق ہیں ان کو بشاشت کے ساتھ مکمل طریقے پر ادا کریں، اپنی زبان کی اصلاح کریں، صداقت، شجاعت اور سخاوت اختیار کریں، ایثار و ہمدردی کو اپنا شعار بنائیں، اور اللہ پاک کی نافرمانی اور ہر قسم کے گناہوں سے صدقِ دل سے توبہ استغفار کریں، اپنے گھروں میں اسلامی معاشرہ زندہ کریں اور جتنی گناہوں کی چیزیں ہیں ان تمام سے بالکلیہ اجتناب کریں۔

ہمارے جلسے کی کامیابی:-

اگر آج کی اس مجلس میں ہم نے اپنے رب سے یہ وعدہ کرلیا اور سچے دل سے توبہ استغفار کرلیا تو ان شاء اللہ ہمارا یہ اجتماع کامیاب ہے۔ بولو! اس کی نیت کرتے ہو؟ (ہاں! ان شاء اللہ نیت کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور توفیق عطا فرمائے اور آسانی فرمائے۔

منکرات وبدعات سے بچیں:-

اور دوستو! عاشوراء کے دن جتنے منکرات، بدعات وظلمات ہیں ان سے خاص طور پر بچیں۔ الحمد للہ! ہمارے انگلینڈ میں وہ منکرات نہیں ہیں جو انڈیا و پاکستان میں ہیں، جہاں ہیں وہاں ان سے بچنے کی پوری کوشش کریں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی شہادت یقیناً اس دن یاد آئے گی تو "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھیں، ان کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائیں کریں، صدقہ خیرات کریں اور اس کا ثواب ان کی روحوں کو پہنچائیں، قرآنِ پاک کی تلاوت کریں اور اس دن میں خوب خوب نمازوں کا اہتمام کریں، درود شریف کا اہتمام کریں۔ یہ مبارک دن اللہ کی اطاعت اور عبادت میں گذاریں، روزہ رکھیں، اہل وعیال پر وسعت کریں، ان شاء اللہ اس مبارک دن کی برکت سے اللہ پاک دوسرے دنوں میں اعمالِ صالحہ اور دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں گے اور ان شاء اللہ پورے سال خیر وبرکت اور رحمت کا معاملہ فرمائیں گے۔

اللہ رب العزت حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کو شہادتِ عظمیٰ نصیب فرمائے، ان پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے صدقے میں ہمیں کہنے سننے سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے اس اجتماع کو قبول فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا ومصليًا ومسلمًا،أما بعد:

ہمارے مخلص دوست مولانا منور حسین صاحب سورتی زید لطفہ کو اللہ تعالیٰ نے دینی اور علمی ذوق نصیب فرمایا ہے، وہ جہاں امامت وخطابت کے ذریعے عامۃ المسلمین کی فیض رسانی میں مشغول ہیں وہیں امت کی دینی رہنمائی کے جذبے کے تحت چھوٹے چھوٹے مفید رسائل بھی تحریر فرماتے ہیں۔ ان کا ایک کتابچہ فضائل ومسائل قربانی پر مشتمل نظروں سے گذرا جو مجھے بے حد پسند آیا۔

مولانا موصوف سے معلوم ہوا کہ فراغت کے بعد ان کے استاذ حضرت مولانا اسماعیل واڈی والا صاحب مدظلہ (حال شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر، گجرات) کے حکم پر لکھ کر جامعہ ہی ایک محبوب ومقبول استاذ مرحوم ومغفور مولانا علی پٹیل خانپوری صاحبؒ سے تصحیح ونظر ثانی فرمانے کے بعد استاذ محترم کو دکھلایا تو بہت ہی خوش ہوئے اور بہت ہی دعاؤں سے نوازا۔ اس کے بعد گجراتی زبان میں چھپ کر منظر عام پر جب آیا تو علماءِ گجرات ہند نے بہت پسند فرمایا۔

بندے نے بھی اس کتابچے پر طائرانہ نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ واقع میں عوام وخواص کے لیے بہت مفید ہے، مولانا موصوف نے اس چھوٹے سے کتابچے میں ذی الحجہ کے فضائل، قربانی کی تاریخ، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات کا تذکرہ اور قربانی کے ضروری فضائل مع مسائل اور شرعی ذبیحے کے بھی چند ضروری مسائل اس کتابچے میں شامل کر لیے ہیں۔ اس وجہ سے بندہ اس کتابچے کو بزم منور میں شامل کر رہا ہے، امید ہے کہ عوام وخواص وخطباء حضرات کے لیے بہت ہی مفید ثابت ہوگا۔ وما ذلك على الله بعزيز.

طالب دعا: عبد القیوم حقانی

قربانی کے فضائل ومسائل

ماہِ ذی الحجہ کے فضائل:-

اسلامی مہینوں میں ایک مبارک مہینہ ماہِ ذی الحجہ بھی ہے، اس کی فضیلت کا تذکرہ قرآنِ پاک میں سورۂ والفجر کی پہلی آیتوں میں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَالْفَجْرِ. وَلَيَالٍ عَشْرٍ. وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت وطاق کی۔

دس راتوں کی تفسیر میں مفسرین کرام، جیسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت قتادہؒ، حضرت مجاہدؒ، ضحاکؒ اور کلبی کے ارشاد کے مطابق ماہِ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں، اس لیے کہ احادیث مبارکہ میں اس کی کافی فضیلتیں آئی ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ عبادت اور بندگی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ماہِ ذی الحجہ کے پہلے دس دن تمام دنوں سے زیادہ فضیلت والے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ دس راتیں وہی ہیں جن کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں قرآنِ کریم میں کیا گیا ہے: ﴿وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ﴾ (پارہ نمبر: ۹ میں ہے)۔ مذکورہ دس راتیں سال کی تمام راتوں میں افضل ہیں۔

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ﴿وَالْفَجْرِ﴾ سے مراد صبح اور ﴿وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں۔ ان مبارک دنوں میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزے کے برابر ہے، اور ان دس راتوں میں ہر رات کی عبادت شبِ قدر میں عبادت کے برابر ہے۔ (مشکوۃ: ۱/۱۲۸) نیز حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں میں عبادت بنسبت اور دنوں کے بہت زیادہ پسند ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تعجب سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! ان دنوں میں عبادت جہاد سے بھی زیادہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد بھی اتنا محبوب نہیں،

مگر یہ کہ کوئی شخص اللہ کے لیے جہاد میں نکلے اور اپنا مال اور جان سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کردے تو اس کا جہاد اس عمل سے بڑھ جائے گا۔ (بخاری شریف: ۱/ ۱۳۲)

فائدہ: امت محمدیہ –علی صاحبہا الصلوۃ والسلام– پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام و احسان ہے کہ دس دن کی عبادت کو جہاد سے بھی افضل قرار دے دیا۔ ہر شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ جہاد کرنا کتنا کٹھن اور مشکل کام ہے۔ جہاد کرنے والا سر سے پیر تک کفن باندھ کر تلوار کے سائے میں رہتا ہے، مگر ان دس دنوں میں عبادت کرنے والا اس سے بھی افضل بنتا ہے۔

ان فضیلتوں کو جانتے ہوئے بھی اگر ہم ان دنوں میں عبادت نہ کریں تو ہم سے زیادہ محروم کون ہوگا؟ ہر شخص کو اپنی ہمت اور وسعت کے مطابق زیادہ سے زیادہ عبادت کرنا چاہیے، اور زیادہ نہ کرسکیں تو کم از کم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کا روزہ تو ضرور رکھ لیں کہ عرفہ کا ایک دن کا روزہ رکھنے سے اگلے ایک سال اور پچھلے ایک سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (مسلم شریف: ۱/ ۳۶۷)

قربانی کی تاریخ:-

قربانی اس عمل کو کہتے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی رضامندی حاصل کی جائے۔ امام ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ نیک کام جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قرب حاصل کرنے کی نیت اور ارادہ کیا جائے اسے قربانی کہتے ہیں۔ مگر شریعتِ اسلام میں اللہ کی رضا کے لیے ماہِ ذی الحجہ کے مخصوص تین دنوں میں مخصوص قسم کے جانوروں کے ذبح کرنے کو قربانی کہتے ہیں۔

اس ماہِ ذی الحجہ میں مسلمان جو قربانی کرتے ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور یادگار ہے۔ یہ قربانی صرف ہماری ہی خصوصیت نہیں بلکہ پچھلی امتیں بھی کرتی چلی آئی ہیں۔ قرآن

کریم میں ہے: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی مقرر کی تھی کہ جس سے وہ اس جانور پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دیا ہے۔

تاریخ وسیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قربانی سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے چل رہی ہے، جب حضرت آدم وحواء علیہما السلام جنت سے دنیا میں تشریف لائے اور توالد وتناسل (خاندانی سلسلہ) چلا تو (ہر حمل سے تَوْأَمَيْن ایک لڑکی اور ایک لڑکا ساتھ پیدا ہوتے، سوائے حضرت شیث علیہ السلام کے) حضرت آدم علیہ السلام کا ایک بیٹا قابیل ہوا اور اسی کے ساتھ ایک لڑکی اقلیمہ نامی پیدا ہوئی، اسی کے کچھ مدت بعد ایک اور بیٹا ہابیل نامی پیدا ہوا جس کے ساتھ ایک لڑکی یہودا، اور بعض کے قول کے مطابق لبازہ پیدا ہوئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانونِ شریعت کے مطابق قابیل کی شادی یہودا کے ساتھ اور ہابیل کی شادی اقلیمہ کے ساتھ ہونا طے پائی (گویا الگ الگ حمل سے پیدا ہونے والے بچے الگ الگ خاندان کہلائے) اس پر قابیل نے انکار کیا اور کہا کہ میں تو اپنے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی اقلیمہ ہی سے نکاح کروں گا، کیوں کہ وہ خوبصورت ہے، اسے چھوڑ کر یہودا سے جو اتنی زیادہ خوبصورت نہ تھی نکاح نہیں کروں گا۔ حضرت بابا آدم علیہ السلام نے قانونِ الٰہی سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا رہا، تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے قربانی کرو، جس کی قربانی قبول ہوجائے گی میں اس کے ساتھ اقلیمہ کا نکاح کردوں گا۔ پچھلی شریعتوں میں قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا دیتی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ﴾ یہاں تک کہ ہمارے پاس ایسی قربانی لائے کہ جسے آگ کھا جائے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ہابیل ایک دنبہ لایا اور قابیل اپنے کھیت سے غلہ لے کر آیا اور

دونوں نے ایک جگہ رکھا، آسمان سے آگ آئی اور ہابیل کے دنبے کو جلا گئی اور قابیل کا غلہ جیسا تھا ویسا ہی رہ گیا، گویا ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی، قابیل کی قبول نہیں ہوئی، اس پر قابیل کو حسد ہو گیا اور ہابیل کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے، چناں چہ فرماتے ہیں: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ﴾ اور لوگوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا سچا سچا واقعہ سنا دو۔ معلوم ہوا کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں نے قربانی دی۔

دار العلوم دیو بند کے مفتی حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیر آبادی نے اپنی کتاب قربانی کے فضائل میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب توریت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ انبیاء اپنے اپنے زمانے میں قربانی کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ۲۲/ ہزار اور ۱/لاکھ ۲۰/ ہزار بکریاں قربان کرنے کا تذکرہ توریت (کتاب جلد: ۲، باب: ۷، آیت: ۴، ۵) میں موجود ہے۔ اسی طرح دیگر مذاہب میں بھی قربانی کا ثبوت ہے۔

ہم مسلمان لوگ جو قربانی بقر عید کے موقع پر کرتے ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد کے طور پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں کرتے ہیں۔ چناں چہ مختصراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات بھی پیش کرنا چاہتا ہوں، توجہ فرمائیے!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش ملک عراق میں اُر نامی گاؤں میں ہوئی، وہاں پوری قوم بتوں کی پوجا کرتی تھی، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ بتوں کی پوجا ہی نہیں بلکہ بُت بنا بنا کر فروخت بھی کرتا تھا۔ (قصص القرآن: ۱۴۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پہلا امتحان:-

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختلف طریقوں سے

آزمائشیں کی ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام امتحانات اور آزمائشوں میں پورے اترے اور کامیاب ہوئے۔ (پارہ:۱، رکوع:۱۵)

سب سے پہلا امتحان یہ ہوا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور بتوں کی پوجا کرنے سے روکا تو آپ کی پوری قوم آپ کی مخالف اور دشمن بن گئی، اور آپ کو بہت زیادہ ستانے لگی، یہاں تک کہ قوم نے آپ کو خطرناک آگ کے شعلوں میں ڈالنے کا فیصلہ کرلیا اور اس کی تیاری شروع کردی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور فرمایا: اگر آپ کو میرے تعاون کی ضرورت ہو تو میں تیار ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صاف جواب دے دیا کہ مجھے آپ کے تعاون کی ضرورت نہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پھر درخواست کی کہ آپ فرمائیں تو اللہ تعالیٰ سے عرض کروں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ میرے تمام حالات کو بہتر طریقے سے جانتا ہے، آپ کے کہنے کی ضرورت نہیں۔
جب ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم فرمایا: ﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ﴾ ہم نے کہا: اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔

فائدہ: خدا تعالیٰ کے حکم سے وہ آگ جو جلا کر بھسم کردیتی ہے، وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے حق میں خوش گوار، ٹھنڈی اور سلامتی والی پسندیدہ آگ بن گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ میں سات دن رہے، آپ پر آگ کا ٹھنڈا ہو جانا آپ کا معجزہ ہے، جو انسان ہر وقت خدا تعالیٰ کے حکموں کی اطاعت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس بندے کی تابع اور فرماں بردار بن جاتی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں: ؎

آج بھی جو ہو براہیم سا ایماں پیدا ۞ آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

ہونا تو چاہیے تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزے کو دیکھ کر قوم آپ پر ایمان لاتی اور مدد کرتی، مگر ہوا یہ کہ آپ کی قوم اور زیادہ آپ کی مخالف اور دشمن ہو گئی، آپ کے والد نے تنگ آ کر آپ کو دھمکی دی اور کہا کہ اے ابراہیم! کیا تو ہمارے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو اس سے باز نہ آیا تو تجھے پتھروں سے ختم کر دوں گا یا تو مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جا۔

اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا وطن عراق چھوڑ کر ملک شام کی طرف ہجرت کر گئے، اور وطن چھوڑتے وقت یہ فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں، امید ہے کہ وہ مجھے راستہ بتائے گا۔

فائدہ: پروردگار کی طرف جانے کا مطلب یہ تھا کہ کسی ایسے علاقے میں اور ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں پروردگار کے احکام پر چلنا آسان ہو جائے۔

دوسرا امتحان:-

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اور آپ کے سگے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام مع اپنی بیوی کے اپنا پیارا وطن خیر باد کر کے اور تمام رشتہ داروں کو چھوڑ کر بے وطن بے سہارا تشریف لے گئے، تا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر آزادی سے عمل کر سکیں، اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ اے اللہ! مجھے نیک اولاد نصیب فرما۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی دعا قبول فرمائی اور ان الفاظ میں خوشخبری دی: ﴿فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ پس ہم نے ان کو بردبار لڑکے کی خوشخبری دی۔

تیسرا امتحان:-

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات میں سے ایک کٹھن امتحان یہ بھی ہوا کہ

حضرت اسمعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت جب حضرت ابراھیم کی عمر ۸۶ / سال تھی اور بڑی تمناؤں اورامیدوں کے بعد بڑھاپے میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے ایک لاڈلا بیٹا اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آیا کہ آپ اپنے معصوم بیٹے اسماعیل علیہ السلام اوراس کی ماں کوایک ویران جنگل میں چھوڑ آؤ۔ (وہ ویران جنگل جس کو آج ہم مکہ مکرمہ کہتے ہیں) حضرت ابراھیم نے اس حکم کی بھی تعمیل کی اوران دونوں کوویران جگہ میں چھوڑ آئے۔ یہ واقعہ بخاری شریف میں (۱/ ۴۷۴) پر مذکور ہے۔

چوتھا امتحان:-

حضرت ابراھیم علیہ السلام کے امتحانات میں سے ایک عظیم امتحان یہ بھی ہوا کہ آپ کے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے اوراپنے ابّا کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے، اوروالد صاحب کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگے تو پروردگارِ عالم نے خواب میں کہا: اے ابراھیم! اپنے لخت جگر کوراہِ خدا میں قربان کردو۔ تو حضرت ابراھیم علیہ السلام فوراً حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہوگئے اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کو لے کر منیٰ کی جانب چلنے لگے، اور باپ نے اپنے بیٹے سے کہا: ﴿إِنِّيٓ أَرَىٰ فِي ٱلْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ فَٱنظُرْ مَاذَا تَرَىٰ﴾ اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے ذبح کررہا ہوں، تو ہی بتا تیری کیا رائے ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فوراً جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿قَالَ يَٰٓأَبَتِ ٱفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ، سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾ ابا جان! آپ اس کام کو کرگذریے جس کا اللہ آپ کو حکم دے رہا ہے، آپ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

اس کے بعد دونوں باپ بیٹے مکمل تیاری کرکے حکم خداوندی کی تکمیل کے لیے نکلے تو

شیطان سب سے پہلے آپ کی بیوی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا اور بڑے ہمدردانہ لب ولہجے میں کہنے لگا: تمہیں کچھ خبر ہے کہ ابراہیم اسماعیل کو لے کر کہاں گئے ہیں؟ حضرت ہاجرہ نے کہا: جنگل میں لکڑیاں لینے گئے ہیں، شیطان نے کہا: نہیں! وہ تو اسماعیل کو ذبح کرنے کے لیے گئے ہیں، حضرت ہاجرہ نے کہا: کیا کوئی مشفق باپ اپنے پیارے لاڈلے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرسکتا ہے؟ شیطان نے کہا: ہاں! بات کچھ ایسی ہی ہے کہ انہیں اللہ کا حکم ملا ہے، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر فوراً بولیں: تب تو حضرت ابراہیم کو اللہ کا یہ حکم جلد از جلد بجالانا چاہیے۔ شیطان یہ سن کر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے ناکام ہو کر لوٹا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ورغلانے لگا کہ بھلا کہیں اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دے سکتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کوئی توجہ نہیں فرمائی تو پھر شیطان جمرۂ وسطیٰ کے پاس آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر اللہ اکبر پڑھتے ہوئے سات کنکر مارے، پھر تیسری مرتبہ جمرۂ اولیٰ کے پاس آیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ اکبر کہہ کر سات کنکر مارے، اسی وقت سے حج کے موقع پر منیٰ میں شیطان کو کنکر مارنے کا عمل شروع ہوا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی عمل کی یادگار ہے۔

خوشی خوشی جب دونوں باپ اور بیٹے خدا کے حکم کی تعمیل کرنے لگے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بَل لٹادیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ﴾، یعنی دونوں خدا کا حکم پورا کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہوگئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بَل لٹادیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت قوت کے ساتھ اپنے لختِ جگر اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کے حلق پر چھری چلائی، لیکن چھری خدا کے حکم سے چلی ہی نہیں اور اللہ نے چھری کو قوت گویائی عطا فرمائی۔ چھری نے کہا

کہ خلیل کہتا ہے کہ چل اور جلیل کہتا ہے کہ مت چل، میں جلیل کے حکم پر چلتی ہوں، خلیل کے تابع نہیں ہوں۔ پھر غیب سے ندا آئی: ﴿وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ ہم نے ابراہیم کو پکارا کہ تو نے اپنا خواب سچ کر دکھلایا، ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ بہت سخت امتحان تھا۔ ﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ ہم نے اسمٰعیل کے بدلے میں عظیم دنبہ دیا۔

اس کو عظیم اس لیے کہا گیا کہ وہ جنت سے بھیجا گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ ایک جلیل القدر پیغمبر کی قربانی کا فدیہ تھا۔ تیسرا یہ کہ مذکورہ واقعہ سے قیامت تک قربانی کے حکم کو باقی رکھ کر اسے قانونِ الٰہی بنانا تھا۔ اسی لیے محمد ﷺ کی امت پر بھی قربانی واجب ہوئی۔

فضائل قربانی:-

حدیث شریف میں قربانی کی بہت ساری فضیلت بیان کی گئی ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی کے ایام میں اللہ کے نزدیک قربانی سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں ہے، قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے بال، سینگ اور کُھر کے ساتھ آئے گا، اخلاص کے ساتھ قربانی کرنے والوں کی قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے یہاں قبول ہو جاتا ہے۔ (مشکوۃ شریف:۱/۱۱۷) لہٰذا قربانی انتہائی خوش دلی اور نیک جذبے کے ساتھ کرنی چاہیے۔

فائدہ: سینگ، بال اور کُھر کی ہمارے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے، لیکن قربانی کے جانور کی مذکورہ چیزوں کا ثواب بھی نامۂ اعمال میں رکھا جائے گا، تو سوچ لو کہ قربانی کے جانور کے بدلے میں کتنا ثواب ہوگا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: قربانی کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی تمہارے والد حضرت ابراہیم کی سنت ہے۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اس میں ہمارے لیے کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ اگر اون والا جانور ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر اون کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔ (مشکوۃ شریف: ۱/ ۱۱۸)

سنة أبيكم کہنے کی وجہ:-

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے مذکورہ حدیث کی وضاحت میں فرمایا کہ حدیث شریف میں "سنة أبيكم إبراهيم" فرمایا، اس کے دو مطلب نکلتے ہیں: ایک تو یہ کہ عرب قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اور یہ فطری تقاضا ہے کہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر جلد چل پڑتے ہیں، اور اس کی اہمیت کو دلوں سے نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب کافروں کو بت پرستی سے روکا جاتا تھا یا موجودہ زمانے میں جب غلط رسم ورواج چھوڑنے کو کہا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ یہ تو ہمارے باپ دادا کے زمانے سے چلتا آرہا ہے، مختصر یہ کہ آبائی طور وطریق کو دل وجان سے قبول کیا جاتا ہے، اسی مقصد کے تحت عرب قوم کے دل میں قربانی کی اہمیت پیدا کرنے کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، یہ تو تمہارے ہی ابّا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

عرب کے علاوہ دیگر اقوام میں اس کی اہمیت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ مذکورہ حدیث شریف میں باپ سے مراد روحانی باپ ہے۔ ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ ہمارے روحانی باپ ہیں، اور حضرت محمد ﷺ اولادِ اسمعیل علیہ السلام میں سے تھے، اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کے والد

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پوری امتِ محمدیہ کے باپ ثابت ہورہے ہیں، کیوں کہ نسب، شکل وصورت اور شریعت، ہر اعتبار سے جناب رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بے حد مناسبت ہے۔نسب کے اعتبار سے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے دادا ہوتے ہیں، اور شکل وصورت کے باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ، گھنگھریالے بال والے اور کشادہ سینے والے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے اور لمبے چوڑے بدن والے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا ہو تو مجھے دیکھ لو۔ (بخاری شریف: ۴/۱۶۶، رقم الحدیث: ۳۴۳۸-المکتبۃ الشاملۃ-)

اور ہماری شریعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے بہت ملتی جلتی ہے۔اسی مقصد کے تحت حضرت مولانا بدرِ عالمؒ کی کتاب ترجمان السنۃ (۱/۵۲۷) میں بتایا گیا ہے کہ وہ ۴۰/احکام جو حضرت ابراہیم کی شریعت میں تھے وہی احکام آپ ﷺ کی شریعت میں بھی ہیں۔ (مزید معلومات ترجمان السنۃ سے لی جاسکتی ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ حکم بھی دیا: اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا یعنی ابراہیم کی شریعت کی پیروی کرو، اس طرح بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے روحانی باپ ہوئے۔

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت اسی وقت ہوگی جب کہ ہمیں بھی وہ ثواب ملے جو حضرت ابراہیم کو ان کے بیٹے کے ذبح کرنے پر دیا گیا۔آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی اور آپ ﷺ کی امت کی قربانی کو ایک شمار کیا ہے۔انسانی عقل کے نقطۂ نظر سے سوچا جائے تو بھی معلوم ہوگا کہ مذکورہ حدیث سے قربانی کی کتنی فضیلت معلوم ہوتی ہے! اس سے ایک عجیب نکتہ نکلتا ہے کہ جب کوئی بادشاہ کوئی انعام تقسیم کرتا ہے تو درجات کا لحاظ رکھتے ہوئے کمی بیشی کو

سامنے رکھتا ہے، کسی کو زیادہ، کسی کو اس سے کم اور کسی کو اس سے بھی کم، یعنی جیسا درجہ ویسا انعام، لیکن یہاں قربانی کے باب میں ایسا نہیں، بلکہ جو انعام اور ثواب حضرت ابراہیم کو دیا گیا وہی انعام وثواب امت محمدیہ کو بھی دیا جائے گا۔ یہ نکتہ مذکورہ حدیث سے مترشح ہوتا ہے۔

ہمیں سوچنا چاہیے کہ وہ ثواب کتنا بڑا ہوگا! اتنا بڑا ثواب سن کر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس پر قربانی واجب نہ ہوئی ہو وہ بھی قربانی کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ خدائے پاک کی مہربانی دیکھو کہ ہر بال کے عوض ایک نیکی ملتی ہے۔ اگر کوئی آدمی جانور کے بدن کے بال گننا چاہے تو اسے گن نہیں سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اٹھو اور ذبح کے وقت قربانی کے پاس حاضر رہو، کیوں کہ قربانی کے جانور کے خون کا قطرہ زمین پر گرتے ہی تمہارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، یاد رکھو! قیامت کے دن قربانی کا گوشت اور خون حاضر کیے جائیں گے اور تمہارے نیک کاموں کے ترازو میں ستر گنا زیادہ کر کے رکھے جائیں گے اور ان تمام کے بدلے میں نیکیاں دی جائیں گی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یہ ثواب صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لیے مخصوص ہے یا سب مسلمانوں کے لیے عام ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ (السنن الکبری للبیہقی: ۹/ ۴۷۶-دار الکتب العلمیۃ-، المطالب العالیۃ: ۱۰/ ۴۷۵-دار الغیث، ریاض-)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی ذوق وشوق اور حصولِ ثواب کی نیت سے قربانی کرتا ہے تو وہ قربانی اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جاتی ہے۔ ”من ضحى طيبة بها نفسه، محتسبا لأضحيته كانت له حجابا من النار“۔ (معجم کبیر للطبرانی: ۳/ ۸۶-مکتبۃ ابن تیمیہ، قاہرہ-)

فائدہ: قربانی فقط اللہ ہی کے لیے کرنی چاہیے، اور اس میں ریا کاری یا اور کوئی دنیوی

مقصد نہ ہونا چاہیے۔قرآن کریم میں اس طرح فرمایا گیا ہے: ﴿لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ﴾ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے (اللہ تمہاری نیت کو دیکھتا ہے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے قربانی کے جانور کو خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ بناؤ کہ پل صراط پر وہ تمہاری سواری بنے گا۔

(کنز العمال:۵/ ۸۸-المکتبۃ الشاملۃ-)

فائدہ: علماء نے سواری ہونے کے دو مطلب لکھے ہیں: (۱) ایک یہ کہ آدمی نے اپنی زندگی بھر میں بہت زیادہ قربانی کی ہوگی تو اس کے بدلے میں پل صراط پر گذرنے کے لیے ایک اچھی اور مضبوط سواری ملے گی۔ (۲) دوسرا مطلب یہ کہ ہر ہر منزل پر ایک الگ سواری ہوگی۔ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے قربانی کے جانور کی بہت زیادہ خدمت کرنی چاہیے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ: ﴿وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ﴾ اللہ کے شعائر (یعنی اس کی یادگار چیزوں) کی جو شخص بھی تعظیم کرے گا (وہ درحقیقت اللہ کے نزدیک قابل تعظیم ہوگا) اس لیے کہ شعائر کی تعظیم دلوں کے تقوی کی علامت ہے (اور خدا کے نیک بندے خدا کی ہر چیز کی قدر کرتے ہیں)۔ (ترجمۂ شیخ الہندؒ)

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کا ایک واقعہ بہت زیادہ مشہور و معروف ہے کہ انہوں نے قربانی کے لیے ایک گائے خریدی تھی، اس کی آپ نے بے حد خدمت کی تھی، حتی کہ دودھ جلیبی بھی کھلائی تھی، قربانی کے موقع پر قصائی لوگوں نے اس کو ۸۰۰/روپیے میں مانگی تھی، جب کہ اس وقت گائے بہت آسانی کے ساتھ صرف ۱۰/روپیے میں مل جاتی تھی، لیکن اس کے باوجود حضرتؒ نے اس کو نہیں بیچا اور بدست خود ذبح فرمایا۔ ذبح کرتے ہوئے آنکھوں سے آنسو

بھی بہہ گئے تھے۔

قربانی نہ کرنے پر وعید:-

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی قربانی کرنے کی طاقت رکھتا ہو، اور پھر بھی قربانی نہ کرے، اس کو چاہیے کہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴/ ۳۰۲-دار الرسالۃ العلمیۃ-)

اس حدیث پاک سے قربانی کرنے کی تاکید معلوم ہوتی ہے۔ بہت افسوس کی بات ہے کہ موجودہ زمانے میں بہت سارے مسلم بھائی ایسے ملتے ہیں جن پر قربانی واجب ہوتی ہے اس کے باوجود نہیں کرتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے سو اونٹوں کی قربانی فرمائی تھی جن میں سے ۶۳/ اونٹوں کی قربانی آپ نے بدست خود فرمائی، اور ۳۷/ اونٹوں کی قربانی حضرت علیؓ سے کروائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور ہر سال آپ ﷺ نے قربانی فرمائی۔ (ترمذی شریف: ۱/ ۶۴۴-المکتبۃ البشریٰ-) آپ ﷺ کے ہر سال قربانی کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ہر سال قربانی کرنا واجب ہے۔

(مشکوۃ شریف: ۱۲۹)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہزار درہم خیرات کرنے سے دس درہم کی قیمت کے جانور کی قربانی کرنا زیادہ افضل ہے، کیوں کہ کم سے کم قیمت کے جانور کی قربانی کرنے سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور سنت بھی ادا ہوجاتی ہے، اور شریعت کا حکم بھی پورا ہوجاتا ہے۔ جب کہ صدقہ نفل عبادت شمار ہوتا ہے تو نفل سنت کے درجے کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مخالفت سے بھی بچ جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ اس قربانی سے ہمیں سبق لینا چاہیے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی اتباع کی، اور اپنا محبوب جان و مال، اپنا پیارا وطن اپنے معصوم بچے اور

محبوب بیوی کو جنگل میں چھوڑ دیا، اور اپنے پیارے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے بے چوں وچرا آمادہ ہو گئے اسی طرح ہم بھی اللہ کے حکم کی اتباع کر کے نفسانی حرام خواہشات اور گناہوں کو قربان کر دیں، یعنی اسے چھوڑ دیں، اور خدا کے گھروں کو- جو آج ویران ہو رہے ہیں- آباد کریں۔ قربانی کرنے کے وقت ہر شخص کے دل میں ایسا شوق، جذبہ اور محبت ہونی چاہیے کہ اے اللہ! آج میں تیرے حکم کی تعمیل میں ایک جانور کی قربانی کر رہا ہوں۔ اسلام کی علامتیں جو آج ختم ہو رہی ہیں ان کو زندہ کرنے کے لیے اگر ہم اپنے قیمتی وقت اور پیاری جان و مال کو قربان کر دیں تب ہی ہماری قربانی درحقیقت قربانی ہوگی، ورنہ گوشت کھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ملے گا۔ اسلامی تاریخ قربانیوں سے پُر ہے۔

قربانی کن لوگوں پر واجب ہے؟

مسئلہ (۱): جس مرد یا عورت پر صدقۂ فطر واجب ہو، اس پر قربانی کے ایام میں قربانی کرنا واجب ہے۔ سونا، چاندی اور تجارت کے مال کے علاوہ اپنی ضروریات سے زائد فرنیچر، گھر، پہننے کے کپڑے جن کی سال بھر میں کبھی ایک آدھ مرتبہ بھی ضرورت نہ پڑتی ہو، اور اس مال کی قیمت ساڑھے باون تولہ (۶۱۲.۳۵ رگرام) چاندی کی قیمت کے برابر ہوتی ہو، تو ایسے آدمی پر قربانی واجب ہے۔ (ہدایہ، عالمگیری)

قربانی واجب ہونے کے لیے مال پر سال کا گذرنا ضروری نہیں ہے، اس لیے ذی الحجہ کے غروبِ آفتاب سے پہلے بھی اگر کوئی آدمی نصاب کے برابر مال کا مالک ہو گیا تو بھی اس پر قربانی واجب ہے۔ (شامی)

قربانی کے آداب اور مستحبات:-

مسئلہ (۲): حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جو قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہو تو اس کے

لیے مستحب ہے کہ یکم ذی الحجہ سے قربانی کے جانور کو ذبح کرنے تک اپنے ناخن اور بدن کے کسی حصے کے بالوں کو نہ کاٹے۔ (مشکوۃ شریف:۱/ ۱۲۷)

فائدہ: جو آدمی قربانی کرنے کا ارادہ کرتا ہو، ماہِ ذی الحجہ کا آغاز ہوتے ہی اپنے بدن کے کسی حصے کے بال یا ناخن نہ کاٹے اور نہ کٹوائے، کیوں کہ قربانی کرنے والا اپنی جان کا فدیہ دینے کے لیے قربانی کرتا ہے، اور قربانی کرنے والے کے جسم کا ہر حصہ قربانی کے جانور کے ہر حصے کا بدل ہے، لہٰذا بدن کے کسی بھی حصے کو رحمت کے نزول کے وقت دور کر کے رحمتِ خداوندی کے فیضان سے دور نہیں کرنا چاہیے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے یہ حکم ارشاد فرمایا، البتہ چالیس دن سے زیادہ ہو رہے ہوں تو کراہت سے بچنے کے لیے بال وغیرہ صاف کرنے میں تاخیر نہ کرے۔ (شامی)

مسئلہ(۳): جانور ذبح کرتے وقت اسے گھسیٹ کر لے جانا اور جانور کو پچھاڑنے کے بعد ذبح کرنے میں تاخیر کرنا، اور اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری:۴/ ۸۱)

مسئلہ(۴): جانور کو قربانی کرتے وقت قبلے کی طرف رخ کر کے لٹانا سنت مؤکدہ ہے، اور دوسری طرف پھیر کر ذبح کرنا مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۳/ ۱۸۲)

مسئلہ(۵): جانور ذبح کرنے سے پہلے اسے پانی پلانا اور چھری کو خوب تیز کر لینا مستحب ہے۔ (عینی شرح کنز:۶ ۳۴۶)

مسئلہ(۶): اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا بہتر ہے، اور دوسرے مسلمان بھائی سے کروانا بھی جائز ہے۔ البتہ خود ذبح نہ کر سکتا ہو تو ذبح کرتے وقت اس کا وہاں حاضر رہنا بہتر ہے۔

(البحر:۳۸۸)

قربانی کے ضروری مسائل:-

مسئلہ(۷): کسی خاندان یا بعض گھر والے ایک ساتھ رہتے ہوں، جیسے: دو تین بھائی، اولاد، باپ وغیرہ، تو ان میں سے جو بھی نصاب کے برابر کا مالک ہوگا، اس پر الگ الگ قربانی کرنا واجب ہوگی۔ ایسی حالت میں خاندان کے کسی ایک فرد کے اپنی طرف سے قربانی کرنے سے سب کی طرف سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔ (عالمگیری:۸۲)

مسئلہ(۸): قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے، اپنی اولاد یا بیوی کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں ہے، اور نابالغ اولاد کے پاس نصاب کے بقدر مال ہو تب بھی ان پر قربانی واجب نہیں ہے، اس لیے باپ کا اپنی نابالغ اولاد کے مال میں سے قربانی کرنا بھی جائز نہیں۔ ہاں! باپ اپنے مال میں سے اپنی اولاد یا بیوی کی طرف سے اپنی خوشی سے قربانی کردے تو یہ درست ہے۔

مسئلہ(۹): اپنی اولاد کی طرف سے ان کی رضامندی کے بغیر قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں! اگر ہر سال ان کی طرف سے قربانی کرتے ہوں، اور اس کا انہیں علم بھی ہو تو پھر ان کی اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ ہر سال کی عادت ہونے کی وجہ سے اجازت سمجھی جائے گی۔

مسئلہ(۱۰): قربانی کے جانور میں عقیقے کا حصہ رکھنا جائز ہے، جیسے: بڑے جانور میں پانچ حصے قربانی کے اور دو حصے عقیقے کے رکھے جائیں تو قربانی اور عقیقہ دونوں ادا ہو جائیں گے۔

(بدائع:۵، عالمگیری:۵)

مسئلہ(۱۱): قربانی کرنے کا وقت ۱۰/ ذی الحجہ کی صبح سے لے کر بارہویں ذی الحجہ کے غروبِ آفتاب تک ہے، لیکن پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔ اور شہر کے باشندے عید کی نماز کے

بعد قربانی کریں گے، اگر وہ عید کی نماز سے پہلے قربانی کریں گے تو قربانی ادا نہیں ہوگی۔

(درمختار، شامی)

مسئلہ (۱۲): دوسرے کی جانب سے قربانی کرنے سے اپنی واجب قربانی کی ذمہ داری ادا نہیں ہوگی۔ (عالمگیری: ۴/ ۸۲)

مسئلہ (۱۳): اگر کسی عورت کے پاس زیورات ہیں اور وہ نصاب کے برابر ہیں، اور وہ عورت اس زیور کی خود مالک ہے، تو اس کے ذمے قربانی واجب ہے۔ اور اگر اس زیور کا مالک اس کا شوہر ہے، یا اس کے والد یا کوئی اور عورت کو بطورِ عاریت پہننے کے لیے ملے ہیں، اس صورت میں عورت کے زیور استعمال کرنے سے عورت کے ذمے قربانی واجب نہیں ہوگی۔ ہاں! جوان زیور کا مالک ہے اس پر قربانی واجب ہوگی۔

مسئلہ (۱۴): اگر کسی کے پاس ضرورت سے زائد مکان ہے، یا کپڑے یا برتن جو سال میں ایک دو مرتبہ استعمال میں آتے ہیں اور ان کی قیمت نصاب کے بقدر ہے، تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔

مسئلہ (۱۵): اگر کسی غریب آدمی نے قربانی کے ایام میں قربانی کا جانور قربانی کی نیت سے خریدا تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی۔ (شامی: ۵/ ۲۸۰)

مسئلہ (۱۶): اگر کسی آدمی نے قربانی کرنے کی منت مانی تو اس منت کے سبب اس کے ذمے قربانی واجب ہوگی۔ غریب امیر کسی نے بھی منت کی قربانی کی، تو اس کا گوشت غرباء کو تقسیم کرنا ضروری ہے، خود یا مالداروں کو اس گوشت کھلانا درست نہیں ہے۔ (عالمگیری: ۴/ ۷۶)

مسئلہ (۱۷): اگر کسی مالدار نے قربانی کرنے کی منت مانی ہو تو اس کے ذمے دو قربانی آئے گی، ایک منت کی اور دوسری شریعت کی طرف سے واجب ہونے کی وجہ سے۔

مسئلہ(۱۸): قربانی کے جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اس نے بچہ جنا تو بچے کو بھی اس کے ساتھ ذبح کردیا جائے، اور بچے کا گوشت بھی صدقے میں دے دے۔ بچے کے گوشت میں سے خود کچھ کھالیا تو پھر اس کی قیمت کے برابر صدقہ کردے، اور بچے کو ذبح کیے بغیر کسی کو صدقہ کردیا جائے تو وہ بھی مستحب ہے۔ (شامی:۵/۲۸۱)

مسئلہ(۱۹): جانور خریدتے وقت اگر کسی دوسرے کے حصے کی نیت نہ کی اور مکمل جانور کی قربانی کا ارادہ رکھتا ہے، پھر بعد میں کچھ حصوں کے حصہ دار مل رہے ہیں، تو ان حصہ داروں کو مذکورہ قربانی میں شامل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب اس سوال کا یہ ہے کہ قربانی کرنے والے آدمی کو دیکھا جائے گا، آیا وہ غریب ہے یا مالدار؟ کیوں کہ مالدار پر قربانی واجب ہے، غریب پر قربانی واجب نہیں۔ اب اگر جانور خریدنے والا امیر ہے تو حصے دار کو شریک کرنا جائز ہے، لیکن مکروہ ہے۔ اور اگر جانور خریدنے والا غریب ہے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مذکورہ جانور میں کسی اور کو شریک بنائے، لیکن اگر بنا ہی لیا تو اس صورت میں قربانی تو دونوں کی ادا ہوجائے گی لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ جتنے حصوں میں اس کو شریک کیا ہے اتنے حصوں کی قربانی دوبارہ کرلے، اور اگر قربانی کے ایام ختم ہوگئے ہوں تو پھر اتنے حصوں کی قیمت خیرات کردے۔ (عالمگیری:۴/۸۴)

مسئلہ(۲۰): قربانی رات میں کرنا اچھا نہیں ہے، (ہاں، اگر روشنی اور بجلی کا پورا انتظام ہو، اور شرعی طور پر صحیح طریقے سے ذبح ہونے کا یقین ہو تو رات میں بھی کرنا درست ہے)۔

(درمختار:۵/۲۱۰)

مسئلہ(۲۱): اگر کوئی غریب آدمی جس پر قربانی واجب نہ تھی، لیکن اپنی خوشی سے قربانی کرگذرا، پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ انہی دنوں میں مالدار ہوگیا تو پھر دوبارہ قربانی کرنا واجب

ہے۔(بہشتی زیور:۳/ ۹۴-۳ ۹-مکتبۂ بشریٰ-)

مسئلہ(۲۲):اگر کوئی آدمی حاضر نہیں ہے، بیرون ملک میں رہتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر اگر اس کی طرف سے قربانی کردی گئی تو اس کی قربانی ادا نہیں ہوگی، اور دوسرے حصے دار جو شریک ہوئے ہوں ان کی بھی قربانی ادا نہیں ہوگی۔(بہشتی زیور:۳/ ۴۴)

قربانی کے جانور:-

شریعت کے حکم کے مطابق جن جانوروں کی قربانی جائز ہے وہ یہ ہیں: اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بکری، بکرا، دنبہ، دنبی۔(عالمگیری:۴/ ۸۰)

مسئلہ(۲۳):قربانی کے لیے اونٹ کم سے کم ۵ / سال کا، اور بھینس، بھینسا، گائے، مکمل ۲ / سال کے، اور بکرا، بکری، دنبہ، دنبی مکمل ایک سال کی ہونا ضروری ہے۔اگر کچھ بھی عمر کم ہوگی تو پھر قربانی جائز نہیں۔

مسئلہ(۲۴):کوئی جانور دیکھنے کے اعتبار سے بڑا معلوم ہوتا ہو، لیکن بالیقین یہ معلوم ہے کہ اس کی عمر چھوٹی ہے تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔دنبہ اگر ۶ / ماہ کا ہو، لیکن سال بھر کا لگتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔(شامی:۵/ ۲۱۱)

مسئلہ(۲۵):کوئی جانور دیکھنے کے اعتبار سے چھوٹا معلوم ہوتا ہو، اور بالیقین یہ معلوم ہو کہ اس کی عمر مکمل ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔(عالمگیری:۴/ ۸۰)

مسئلہ(۲۶): بکرا، بکری، دنبہ، دنبی یہ جانور فقط ایک ہی آدمی کی طرف سے قربانی شمار ہوگی، اور کوئی دوسرا اس میں شریک ہوا تو قربانی ادا نہیں ہوگی۔(عالمگیری:۴/ ۸۳)

مسئلہ(۲۷): اونٹ، بھینس، گائے، بیل وغیرہ کی قربانی میں سات حصے دار شریک ہو سکتے ہیں، اس سے زائد نہیں۔البتہ اس سے کم ہوں تو کوئی حرج نہیں، یہاں تک کہ کوئی ایک

آدمی پورے جانور کی اپنی طرف سے قربانی کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ (عالمگیری: ۴/ ۸۲)

مسئلہ (۲۸): جب ایک جانور میں کچھ لوگ شریک ہو کر قربانی کریں تو ہر ایک کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہیں ہونا چاہیے، اور اگر ساتویں حصے سے کم ہوگا تو قربانی ادا نہیں ہوگی۔

(عالمگیری: ۴/ ۸۳)

مسئلہ (۲۹): ہر حصے دار کی نیت عبادت کی ہونا ضروری ہے، اور اگر کسی ایک شریک کی بھی نیت عبادت کی نہ ہو، بلکہ گوشت خوری کی ہو تو کسی کی بھی قربانی ادا نہیں ہوگی۔

(عالمگیری: ۴/ ۸۴)

مسئلہ (۳۰): گواہوں کی گواہی سے لوگوں نے دسویں ذی الحجہ کو قربانی کرلی، اور پھر یہ ثابت ہوا کہ وہ تو عرفہ کا دن یعنی نویں ذی الحجہ کا دن تھا، پھر بھی ان کی نماز اور قربانی صحیح ہوگی۔

(در مختار، شامی: ۵/ ۲۷۹)

مسئلہ (۳۱): وہ جانور جو اندھا کانا ہو، یا ایک آنکھ کی ایک تہائی یا اس سے زائد کی روشنی چلی گئی ہو، یا ایک کان کا تہائی حصہ یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے، اور چوتھا پیر زمین پر رکھ کر چلتا ہو، اگر چہ لنگڑاتا ہوا چلتا ہو، لیکن زمین پر پیر رکھ سکتا ہے تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔ (شامی، ہدایہ رابع)

مسئلہ (۳۲): جس جانور کا آنچل یا اس سے زیادہ کٹ چکا ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ اور جس کا پیدائشی طور پر ایک آنچل نہ ہو، یا ہو مگر خشک ہو چکا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں، اور گائے کے چار آنچلوں میں سے کوئی ایک نہ ہو تو قربانی کرنا درست ہے، البتہ دو آنچل ہوں یا سوکھ گئے ہوں تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (شامی، کفایۃ المفتی: ۸)

مسئلہ (۳۳): جو جانور نصف حصے کے طور پر چرائی کے لیے دیا جاتا ہے، ایسے جانور کو

پالنے والا شریعت کی رو سے اس کا مالک نہیں ہوگا۔ یہ جانور اس کے اصل مالک کا ہوگا، اس لیے ایسے جانور کو اگر خریدنا ہے تو اصل مالک جس نے چرائی کے لیے اپنا جانور اس کو دیا تھا اسی مالک سے خریدنا چاہیے۔ (امداد الفتاوی: ج ۳)

اگر جانور بیچنے والا پوری عمر بتائے اور ظاہر میں اس کی بات جھوٹ معلوم نہ ہوتی ہو تو اس کی بات پر اعتماد کرنا جائز ہے۔ (جواہر الفقہ)

مسئلہ (۳۵): جانور خریدنے کے بعد اگر وہ مر جائے تو مالدار آدمی کو چاہیے کہ وہ دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، اور غریب آدمی کو چونکہ اسی جانور کی قربانی کرنی ضروری تھی اس لیے جانور کے مر جانے پر دوسرا خرید کر قربانی کرنا ضروری نہیں۔ (درمختار، شامی: ج ۵)

مزید کچھ مسائل:-

مسئلہ (۳۶): چرم قربانی کو قربانی کرنے والا خود استعمال میں لا سکتا ہے، جیسے: ڈول، مصلّٰی وغیرہ بنانا درست ہے، یا دوسروں کو بھی دینا جائز ہے، اگرچہ وہ مالدار ہو یا سید ہو۔

ایسی جگہ چرم قربانی دینا جہاں اس کا کوئی مالک نہ بن سکتا ہو درست نہیں، اس لیے مسجد اور مدرسے میں مالک بنائے بغیر چمڑا دینا درست نہیں ہے، البتہ مسجد و مدرسہ کے متولی یا مہتمم یا اور کسی آدمی کو اس کا مالک بنا دیا جائے اور وہ ان چمڑوں کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد یا مدرسے کی ضروریات میں استعمال کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ (امداد الفتاوی: ج ۳)

مسئلہ (۳۷): قربانی کرنے والا خود چمڑے کو بیچ دے تو اس کی قیمت زکوۃ کے حکم میں ہے، جس کو زکوۃ دینا درست ہو اس کو یہ رقم دینا جائز ہے، مالدار کو یہ رقم دینا جائز نہیں ہے۔

(الجوہرۃ النیرۃ، شامی)

مسئلہ (۳۸): جو جانور قربانی کی نیت سے خریدا جائے تو جب تک اسے ذبح نہ کیا جائے وہاں تک اس کا دودھ، اون وغیرہ کسی چیز سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں، اور اگر دودھ دوہا جائے تو خود اسے استعمال نہیں کرنا چاہیے، بلکہ غرباء کو دے دے۔ قربانی کرنے والا امیر ہو یا غریب دونوں کے لیے یہی حکم ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

مسئلہ (۳۹): قربانی کا گوشت مالدار، غریب، مسلمان، کافر سب کو دینا درست ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ (۴۰): قربانی کے بڑے جانور میں بعض حصے داروں نے سالِ رواں کی قربانی کی نیت کی، اور بعض نے نفل کی نیت کی، اور بعضوں نے گذشتہ کی قضا کی، تو سالِ رواں والوں کی واجب قربانی کی نیت سے قربانی ادا ہو جائے گی، قضا والوں کی ادا نہیں ہوگی، بلکہ نفل قربانی شمار کی جائے گی، اور قضا قربانی کے بدلے میں درمیانی قیمت کے بکرے کی قیمت صدقہ کر دینا چاہیے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

مسئلہ (۴۱): قربانی کرتے وقت دل سے نیت کرنا کافی ہے، زبان سے بولنا ضروری نہیں، البتہ ذبح کرنے والے کے لیے "بسم الله الله أكبر" کہنا ضروری ہے۔ اور جب جانور قبلہ کی طرف لٹا دیا جائے اس وقت ﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ. إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهٗ، وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ. أَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ﴾ کا پڑھنا سنت ہے۔ پھر "بسم الله الله أكبر" کہہ کر جانور کو ذبح کرے، اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: اللّٰهُمَّ تقبله منی کما تقبلت من حبيبك محمد ﷺ وخليلك إبراهيم عليه السلام۔

مسئلہ (۴۲): تکبیر تشریق: "الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر

الله أكبر ولله الحمد"۔ مذکورہ تکبیر عرفہ کے دن یعنی نویں ذی الحجہ کی فجر کی نماز سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر نماز کے بعد زور سے پڑھنا واجب ہے۔ مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والا یا اکیلا نماز پڑھنے والا دونوں کے لیے تکبیر پڑھنا ضروری ہے، اور تکبیر پڑھنا عورت پر بھی واجب ہے، البتہ عورت زور سے نہ کہے بلکہ آہستہ آواز سے پڑھ لے۔ (شامی)

فائدہ: جب ابراہیم علیہ السلام نے باغِ نبوت کے نازک ومعصوم بچے پر چھری چلائی تو آسمانی دنیا میں ایک شور بپا ہو گیا تھا، اور جبرئیل امین بے اختیار بول اٹھے: "الله أكبر الله أكبر"، اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خوش ہو کر "لا إله إلا الله والله أكبر" پڑھا، تو یہ سن کر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے "الله أكبر ولله الحمد" کہا۔ یہ وہ پاکیزہ کلمات ہیں جو سنتِ ابراہیمی کی یادگار بن کر ہر سال مذکورہ ایام میں پڑھے جاتے ہیں۔

مسئلہ (۴۳): مالدار یا غریب آدمی نے اپنے گھر کا جانور قربانی کی نیت سے پالا ہے، تو اس طرح نیت کرنے سے قربانی واجب نہیں ہوتی، لہٰذا اس جانور کو اگر بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے، اور اگر بدلنا چاہے تو بدل بھی سکتا ہے، لیکن غریب آدمی قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے جانور خریدے تو قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ پھر اس خریدے ہوئے جانور کو بدلنا یا بیچنا جائز نہیں۔ اور اگر قربانی کے ایام سے پہلے قربانی کی نیت سے خریدا ہو تو غریب کے ذمے اس جانور کی قربانی کرنا ضروری نہیں ہے، بدلنا چاہے تو بدل بھی سکتا ہے اور بیچنا چاہے تو بیچ بھی سکتا ہے۔ (شامی: ۵/ ۲۸۰)

مسئلہ (۴۴): رَسُولی والا جانور یا جس جانور کو داغ دیا گیا ہو ایسے جانور کی قربانی کرنا درست ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ ایسے جانور کی قربانی کی جائے جس میں کسی قسم کا عیب نہ ہو۔ (شامی: ج ۵)

جانور کو ذبح کرنے کے وقت کی کچھ مکروہ باتیں:-

مسئلہ(۱): جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اسے کچھ کھلانا پلانا چاہیے، بھوکا پیاسا جانور ذبح کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ(۲): ذبح کرنے کی جگہ لے جانے کے لیے پیر یا دُم پکڑ کر گھسیٹ کر لے جانا مکروہ ہے۔

مسئلہ(۳): آسانی کے ساتھ اسے پچھاڑا جائے، خواہ مخواہ سختی کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ(۴): قبلہ رخ بائیں کروٹ پر لٹانا چاہیے، تاکہ روح آسانی سے نکل سکے، اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ(۵): چار پیروں میں سے صرف تین پیر باندھنا بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ(۶): کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ(۷): چھری تیز کرنا ہو تو جانور کی نظر سے ہٹ کر تیز کرے، اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ(۸): جانور کو لٹانے سے پہلے چھری تیز رکھیں، لٹانے کے بعد تیز کرنا مکروہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک آدمی جانور کو پچھاڑنے کے بعد چھری تیز کرنے لگا، یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو بکرے کو ایک سے زیادہ مرتبہ مارنا چاہتا ہے؟ (مستدرک حاکم: ۴/۲۵۷- دارالکتب العلمیۃ-)

مسئلہ(۹): ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ(۱۰): لٹانے کے بعد جانور کو فوراً ذبح کر ڈالنا چاہیے، بلا وجہ تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ(۱۱): اتنی سختی کے ساتھ ذبح نہ کرے کہ سر گردن سے جدا ہو جائے، یا گردن کی ہڈی کے اندر کی سفید رگ کٹ جائے، اس طرح کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ(۱۲): گردن کے اوپر گدی سے ذبح کرنا سخت مکروہ اور منع ہے، کیوں کہ ایسا کرنا جانور کو بلا وجہ تکلیف دینا ہے۔

مسئلہ(۱۳): ذبح کرنے کے بعد جانور جب تک ٹھنڈا نہ ہو، گردن کو جدا نہیں کرنا چاہیے، اور چمڑا ابھی اتارنا نہیں چاہیے۔ جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے گردن جدا کرنا اور چمڑا اتارنا مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۲/ ۹۶)

دو عظیم نعمتیں جن کی ناقدری کی جاتی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي خلق الإنسان،والصلوة والسلام على سيدنا حبيب الرحمن، وعلى آله وأصحابه نجوم الهداية والعرفان. أمابعد:﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَاعِنْدَ اللهِ بَاقٍ﴾. وعن ابن عباس رضى الله عنهما قال:قال رسول اللهﷺ:﴿نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس:الصحة والفراغ﴾.(راوه الترمذی:۲/۱۵۵ -مکتبة البشریٰ-)

بزرگانِ محترم، عزیزانِ مکرم، مخلص دوستو! قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی آیت اور مختصر حدیث تلاوت کی ہے، مختصر وقت میں میں دو تین باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ کچھ ایسی باتیں کہلوا دے جو ہم سب کی ہدایت اور نجات کا ذریعہ بنے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

زندگی ایک بہت بڑی نعمت:-

بزرگانِ محترم! اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا، اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان نعمتوں میں زندگی ایک بہت بڑی نعمت ہے، یہ نہ ہو تو اللہ کی کسی نعمت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، نہ مادی اور ظاہری نعمتوں سے اور نہ باطنی اور روحانی نعمتوں سے۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی نعمتوں سے ہمیں نوازا، کھانے پینے کے اعتبار سے، لباس کے اعتبار سے، سواریوں کے اعتبار سے، مکان اور کوٹھیوں کے اعتبار سے۔ اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان نعمتوں سے نوازا، تاکہ ان نعمتوں سے صحیح فائدہ اٹھائیں اور اپنے رب کو راضی کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نعمتوں کی قدر

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دو نعمتیں جن کی ناقدری کی جاتی ہے:-

ان نعمتوں میں دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی اکثر لوگ ناقدری کرتے ہیں۔ وہ دو نعمتیں کونسی ہیں؟ جو حدیث شریف میں نے تلاوت کی ہے اس میں اسی کا ذکر ہے۔ رئیس المفسرین، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت لوگ خسارے میں پڑے ہوئے ہیں، ایک صحت اور دوسری فراغت، فرصت کا وقت۔

ایک بلیغ تشبیہ:-

اللہ کے رسول ﷺ نے دنیا میں آنے والے ہر انسان کو ایک تاجر کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ گویا دنیا ایک تجارت کی منڈی ہے، مارکیٹ ہے، اور عمرِ عزیز، زندگی کا رأس المال اور پونجی ہے، گجراتی میں جس کو (મૂડી) کہتے ہیں، یا کیپٹل ہے، یہ جو سامان وہ خرید رہا ہے اور بھر رہا ہے یہ اعمال ہیں۔ اور آپ حضرات بخوبی اس بات کو جانتے ہیں، میرے سامنے اس وقت سب تاجر حضرات بیٹھے ہوئے ہیں کہ آدمی اپنے رأس المال کو، اپنی پونجی کو نفع کی امید پر ہی لگاتا ہے، کوئی تاجر اپنی پونجی کو، اپنے رأس المال کو اور اپنے کیپٹل اور انویسٹ مینٹ کو ڈبونا نہیں چاہتا ہے، نفع (profit) اور کمانے کی نیت سے ہی لگاتا ہے، ایسا نہیں چاہتا ہے کہ اصل پونجی ہی برباد ہو جائے۔

تجارت کے اصول:-

تاجر حضرات خوب جانتے ہیں کہ تجارت کے کچھ اصول ہیں، جن کے بغیر تاجر کامیاب

نہیں ہوسکتا، تاجر جو تجارت کرتا ہے تو پہلے دیکھتا ہے کہ یہ میں جو کام کر رہا ہوں، جس میں میں نے اپنی پونجی لگا رکھی ہے اس میں مجھے نفع ہوگا یا نقصان؟ دوسرے کے ساتھ پارٹنر شپ کر رہا ہے تو برابر پہلے اطمینان کر لیتا ہے، پچاس آدمیوں سے مشورہ کرے گا کہ یہ شخص بھروسہ کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟ کاروبار نہایت دیانت اور اصول اور محنت کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اپنے قیمتی سرمایے کو فضول خرچی، عیش وعیاشی اور بے کار کاموں میں یا بے کار چیزوں کو خریدنے میں برباد نہیں کرتا ہے، ورنہ کچھ ہی عرصے میں اصل سرمایہ اور پونجی بھی برباد ہو جائے گی، اور تجارت فیل اور ناکام ہو جائے گی۔

اگر یہ باتیں آپ کی سمجھ میں آ گئیں تو بعد والی باتیں بھی سمجھ میں آئیں گی، ورنہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی پر غور فرمائیں! یہ دنیا ایک مارکیٹ ہے، یہاں سے مال بھر بھر کر آخرت میں لے جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایک محدود سرمایہ لے کر ہم دنیا میں آئے ہیں، یہ نقدی اور یہ پونجی اتنی قیمتی ہے اور انمول ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ دنیا سے بڑھا ہوا ہے۔ دنیا کی ساری دولت، روس اور چین اور امریکا کے خزانے یہ انسان کے ایک سانس کے برابر نہیں ہو سکتے۔

زندگی ایک ناپائیدار سرمایہ ہے:-

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسا سرمایہ اور ایسی پونجی ہے جس کو بقا اور قرار نہیں ہے، یہ دھوپ میں رکھے ہوئے برف کی طرح پگھلتا رہتا ہے۔ آج تک سائنس بھی ایسا مشین ایجاد نہیں کر پایا ہے کہ زندگی کی سانسوں کو روک سکے۔ انسان دنیا کا کاروبار کرتا ہے، اور نفع کے بجائے خسارہ اور کھوٹ ہوتی ہے تو اپنے کاروبار کو بدل دیتا ہے، چینج کر لیتا ہے، دوسری لائن پکڑ لیتا ہے۔ لیکن زندگی کا یہ سرمایہ ایسا ہے کہ تم اسے خرچ کرو یا نہ کرو، یہ خود بخود خرچ ہوتا رہتا ہے۔

میں کتنا ہی طاقتور بن جاؤں لیکن ہر شام کو زندگی کا ایک دن کم ہو جاتا ہے، اور میں اس کو روک بھی نہیں سکتا، لیکن وہ میرا مالک، خالق، مہربان، رحمن ورحیم پھر مہلت دے دیتا ہے، شاید مجھ جیسا گنہگار بندہ توبہ کر لے اور اپنے پیارے رب کو منالے۔ وہ رحمن ورحیم مجھے بخش دے۔

ہم سب مسافر ہیں:-

محترم دوستو، میرے سامنے بیٹھے ہوئے بزرگو! ہم لوگ سب مسافر ہیں، میں خود بھی اس میں شامل ہوں۔ جیسا پاکستان اور دوسرے ملکوں کے مسافر ہوتے ہیں اسی طرح ہم سب بھی مسافر ہیں۔ سفر دو قسم کے ہوتے ہیں، ابھی ہم اپنے گھر کو چھوڑ کر سفر کر کے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں، اور میرے سامنے آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم سب اس وقت بھی سفر میں ہیں۔ لیکن علماء نے لکھا ہے کہ سفر دو طرح کا ہوتا ہے: ایک سفرِ مکانی، اور دوسرا سفرِ زمانی۔ سفر مکانی: ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا۔ اور دوسرا سفرِ زمانی ہے، وقت کا سفر۔ ہم سب سفرِ زمانی کر رہے ہیں، ہر ایک سانس ہم کو موت کی طرف ڈھکیل رہی ہے۔

سب سے قیمتی چیز وقت:-

امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ میں صوفیائے کرام کے پاس بیٹھتا ہوں، ان کی صحبت سے فائدہ اٹھاتا ہوں، تو جو سب سے قیمتی بات میں نے ان سے حاصل کی ہے وہ وقت ہے۔ وقت ایک تلوار ہے، تم اس کو نہیں کاٹو گے تو یہ تم کو کاٹ دے گا۔

ہمارے قیمتی سرمایے کا مصرف کیا ہو؟

محترم دوستو اور بزرگو! جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارا قیمتی سرمایہ ہماری پونجی وقت ہے، اور بدقسمتی سے زوال پذیر ہے، اس کو ہم جمع نہیں کر سکتے ہیں، تو ہم سب مل کر سوچیں کہ ہمارا یہ قیمتی سرمایہ کسی ایسی چیز میں لگ رہا ہے جو اس سے قیمتی ہے تو الحمد للہ، اس کی تجارت نفع بخش ہے۔

اور اگر اس سرمایے کو کسی گھٹیا چیز میں صرف کر رہا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس شخص کو تجارت کا طریقہ نہیں آتا ہے، ورنہ خسارے اور نقصان کا دھندا نہیں کرتا، اور اپنی پونجی کو یوں برباد نہ کرتا۔ اگر کسی نے اس پونجی سے کچھ کام نہیں لیا، یوں ہی پڑا رکھا، اور وہ برف کی طرح پگھل کر ضائع ہوگئی تو وہ شخص پہلے درجے کا بے وقوف ہوگا۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تین باتیں ہوتی ہیں: ایک بات تو یہ کہ ہمارا قیمتی وقت، قیمتی سرمایہ اچھے کاموں میں خرچ ہوگیا، نیک کاموں میں خرچ ہوگیا، تو الحمدللہ، دوسری یہ کہ ایسے ہی فضول کاموں اور باتوں میں وقت گذار دیا، اور تیسری یہ کہ بے کار کاموں میں اور گناہوں میں وقت گذرا۔

ایک عبرت آموز واقعہ:-

ایک صاحب ایک اللہ والے کی مجلس میں بیٹھے تھے، اللہ والے نے کوئی بات کہی اور وہ بات دل میں اتر گئی اور اس نے سچی پکی توبہ کرلی، اور اپنی زندگی کی اصلاح کرلی، صوم وصلوۃ کا پابند بن گیا، تلاوت کا پابند ہوگیا، زندگی کا رخ چینج کر دیا۔ اس سے کسی نے پوچھا: صاحب! آپ کی عمر کتنی ہے؟ اس نے کہا: ایک سال، اس آدمی کو بڑا تعجب ہوا کہ آپ تو پچاس سال کے معلوم ہوتے ہیں، اور آپ کہتے ہیں کہ ایک سال کا ہوں! اس نے کہا کہ ایک سال اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ایک سال سے توبہ کی ہے، باقی پوری زندگی تو غلط کاموں میں گذار دی تو وہ میری زندگی ہی نہیں تھی۔

دونوں نعمتوں کا ایک ساتھ ملنا:-

محترم دوستو! یہ دو نعمتیں صحت اور فرصت ایک ساتھ بہت کم لوگوں کو ملتی ہیں۔ ایک شخص صحت مند تو ہے لیکن اسے کاروبار اور دنیا کے کاموں سے فرصت نہیں، اور دوسرا شخص وہ ہے جس کو فرصت تو ہے مگر صحت نصیب دشمناں ہے، صحت اچھی نہیں ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دونوں

نعمتیں دے دی ہوں، صحت بھی اور فراغت بھی ہوتو اس کو چاہیے کہ ان نعمتوں کی قدر کرے۔ خاص کروہ میرے بزرگ جو ریٹائر ہو گئے اور ماشاء اللہ صحت مند بھی ہیں، کوئی ایسی بڑی مشغولیت بھی نہیں، وہ اس کو بہت غنیمت سمجھیں۔ جو ان نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتا، اور ان کو دنیا کا کوڑا اور کباڑ جمع کرنے میں ضائع کررہا ہے، یا گپ شپ میں اور سیر وتفریح میں اور لغو بے کار باتوں اور لایعنی میں ضائع کررہا ہے، اس کو احساس نہیں ہے کہ اس کا کتنا بڑا خزانہ خود اس کے ہاتھوں لٹ رہا ہے۔

ہمارا سرمایہ لٹ رہا ہے:-

آج ہم سب کا یہی حال ہے کہ ہم خود اپنا قیمتی سرمایہ ضائع کررہے ہیں۔ ہم سب اس میں شامل ہیں، ہمارا کتنا وقت بے کار جارہا ہے۔ دنیا کا کام کررہے ہیں یا دین کا کام؟ ہم اس پر سوچیں۔ ہمارا کتنا وقت واٹس اَپ (whatsapp) پر گذر رہا ہے، موبائل فون پر لگ رہا ہے۔ جب موبائل فون نہیں تھا تب بھی ہمارے سب کام ہورہے تھے، لیکن اس موبائل فون نے ہمارا بہت سا وقت ضائع کردیا ہے۔ اس موبائل اور واٹس اَپ (whatsapp) کی وجہ سے نہ ہم صحیح کھانا کھا رہے ہیں اور نہ دوسری حاجتیں پوری کررہے ہیں۔

میرے دوستو! مسجد میں بیٹھ کر میں کہہ رہا ہوں، یہ آپ بیتی ہے۔ میں ایک مرتبہ مسجد کے ٹوئلیٹ میں قضائے حاجت کے لیے گیا تھا، میرے پڑوس کے ٹوئلیٹ میں ایک دوسرا شخص تھا، اس کو وہیں فون آیا، تو وہ صاحب قضائے حاجت کرتے ہوئے فون سے بات کررہے تھے۔

ہمارے مولانا طارق جمیل صاحب دامت برکاتہم -اللہ تعالیٰ ان کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے اور ان کی عمر دراز کرے- اکثر اپنے بیان میں فرماتے ہیں کہ اب ہم اپنے گھر والوں کو بھی صحیح معنوں میں وقت نہیں دے رہے ہیں۔ ٹھیک سے بچوں سے بات بھی نہیں کررہے ہیں،

دنیا بھر کے کھیل تماشوں میں ہمارا کتنا وقت ضائع ہو رہا ہے! واٹس اَپ ہی کو لے لیجیے! ہر وقت ہر شخص چھوٹا ہو یا بڑا، بچہ ہو یا بوڑھا، ان پڑھ ہو یا پڑھا لکھا، ہمارا کتنا وقت واٹس اَپ میں لگ رہا ہے، یہاں تک کہ- الامان والحفیظ- جمعہ کی نماز کے لیے آتے ہیں تو میں نے خود خطبے کے دوران لوگوں کو واٹس اَپ سے میسج کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ گویا ہر شخص ہر وقت آن لائن ہے۔

اہل جنت کی حسرت:-

بہت مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عن معاذبن جبل قال:قال رسول الله:ليس يتحسر أهل الجنة إلاساعة مرت بهم لم يذكروا الله فيها؛ اہل جنت کو کسی چیز کی حسرت نہیں ہوگی، بس ایک حسرت ہوگی کہ انہوں نے اپنی عمر کے قیمتی حصے کو بے مقصد کیوں ضائع کیا؟ ہمارا حال یہی ہے کہ ہمارا قیمتی وقت گناہوں میں لگ رہا ہے، یا ایسے ہی لغو اور بے مقصد ضائع ہو رہا ہے۔ (مسند الشامیین: ۱/ ۲۵۸- مؤسسة الرسالة-)

اعمال ڈبیوں کی شکل میں پیش ہوں گے:-

بقول حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ: قیامت کے دن انسان کے سامنے عمر کے لمحات اور اوقات ڈبیوں کی شکل میں پیش ہوں گے، جس ڈبیہ میں نیک عمل نکلے گا اس پر انتہائی خوشی ہوگی، اور جس ڈبیہ سے بُرا عمل نکلے گا اس پر بہت زیادہ ندامت، شرمساری اور شرمندگی ہوگی۔ وہ جو ڈبیہ ضائع ہو جائے گی اس پر اسے بہت زیادہ پشیمانی اور حسرت ہوگی۔

اوقات ضائع کرنے والوں کی مثال:-

جو حضرات اس قیمتی سرمایے، بلکہ یوں کہوں گا کہ گوہر بے بہا رب العالمین کی نافرمانیوں میں خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال تو ایسی ہے کہ کسی کے پاس سونے، چاندی اور جواہرات کا ذخیرہ

ہو، اوراس کوسانپوں، بچھوؤں اور کیڑے مکوڑوں کوجمع کرنے میں خرچ کرے، یادنیا کاپائیخانہ جمع کرنے میں خرچ ہورہاہو۔ جن کواللہ نے تھوڑی بہت سمجھ عطافرمائی ہے وہ اپنی عمر سے زیادہ قیمتی چیزیں اعمالِ صالحہ حاصل کرنے میں خرچ کریں تووہ نفع میں ہیں۔ جن کواللہ تعالیٰ نے صحت اور فراغت کی زندگی دی ہے وہ آخرت کاذخیرہ جمع کریں، کہیں ایسانہ ہوکہ یہ صحت اور فراغت اور زندگی کی تمام صلاحیتیں بیکار جائیں، اور گناہوں کے سانپ اور بچھوجمع کرنے میں لگے رہیں۔ ہم خودہی اپنے آپ سے پوچھیں اورغوروفکرکریں کہ ہم کیاپارہے ہیں اورکیاکھورہے ہیں۔

محترم دوستو! نبی کریم ﷺ نے صحت اور فراغت کونعمت قرار دیتے ہوئے فرمایا: ان دو نعمتوں کاشکراداکرنے والے بہت ہی کم لوگ ہیں، ورنہ اکثریت ان لوگوں کی ہے جوان نعمتوں کی ناشکری اورناقدری کرتے ہیں- صدق رسول اللہ ﷺ-۔ ہم لوگوں کویہ نعمتیں بغیرمحنت کے مفت میں مل گئی ہیں اس لیے آج ان کی قدرنہیں، جب یہ نعمتیں چھین لی جائیں گی اوروہ خالی ہاتھ اس محفل سے اٹھالیے جائیں گے اس وقت اس کی قدرہوگی۔ ہم گنہگاروں پراللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کاکتنابڑااحسان ہے۔- جزاهم الله أحسن الجزاء وأكرمهم-

ایک مثال:-

ایک ہمدرداورخیرخواہ جوہری ہوتاہے، اگرکوئی شخص اپنے جوہراورقیمتی ہیرے کی قیمت نہیں جانتاتووہ اس جوہرکے پاس جاکرصلاح ومشورہ لیتاہے، تووہ اس کویہ مشورہ دے گاکہ یہ بہت قیمتی سرمایہ ہے، اوراس سے بہت قیمتی سرمایہ وصول کرسکتے ہیں۔ اگروہ ہمدردہوگاتووہ اس کواس قیمتی جوہر کی قیمت وصول کرنے کے لیے کسی کباڑی کی دکان پرنہیں بھیجے گا، نہ وہ بھنگیوں کے محلے کے اندر اس کی قیمت لگانے کے لیے بھیجے گا، بلکہ وہ ہمدردکسی قدرشناس بادشاہ کے دربارکی طرف رخ کرائے گا، جواس انمول جوہرکی قیمت پوری طرح اداکرنے کے ساتھ اپنی طرف سے انعام اور

خلعت سے نوازے۔

زندگی ایک قیمتی جوہر ہے:-

محترم دوستو! انبیاء علیہم السلام یہ جانتے تھے کہ زندگی کتنی قیمتی ہے، اس کو کون خرید سکتا ہے؟ اس کی قیمت کیا ہوسکتی ہے؟ اس لیے نبی کریم ﷺ نے انسان کو اس کی قیمت دنیا کے کباڑ خانے میں چکانے، یا نادار اور غریب وفقیر لوگوں کے ہاتھ فروخت کرنے سے منع کیا۔ اس لیے کہ نبی جانتے تھے کہ قدرت کا یہ عطیہ جسے ہم زندگی کہتے ہیں، یہ اتنی قیمتی ہے کہ انسان کے سارے خزانے اس کے مقابلے میں پتھر کے ڈھیر ہیں۔ زندگی جو دنیا کا ایک قیمتی ہیرا ہاتھ ہے اسے دے کر اس کے بدلے پتھر کون خریدے گا؟ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی تمہاری زندگی کی قیمت ادا نہیں کرسکتا ہے، ساری دنیا کے لوگ اپنی ساری دولت سمیٹ کر زندگی کی قیمت نہیں دے سکتے۔ اس کی قیمت صرف شہنشاہ حقیقی قادر مطلق ہی ادا کرسکتا ہے، اس لیے اسی کی طرف اشارہ کردیا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ.**

محترم دوستو اور میرے بھائیو! جو حدیث شریف میں نے تلاوت کی ہے، اس کے بارے میں محدثین یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جوامع الکلم ہے۔ چھوٹی سی بات ہے لیکن بہت جامع بات ہے۔ امام بخاریؒ اس حدیث کو کتاب الرقاق میں لائے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس حدیث میں ہم غافلوں کو اشارہ فرما رہے ہیں، بعد میں تنبیہ خود بخود ہو جائے گی، اس وقت حسرت بہت ہوگی، کیوں کہ جو وقت گذر گیا اس کو واپس لانے کا کوئی راستہ نہیں۔

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے یہ حدیث اصلاحی خطبات میں نقل فرمائی ہے، اور بڑی عجیب بات لکھی ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ ہمارے ماں باپ سے زیادہ

شفیق ہیں، اور ہماری نفسیات اور رگ رگ سے واقف ہیں، اور فرماتے ہیں: دیکھو! اللہ تعالیٰ نے یہ دو نعمتیں صحت وفراغت اور فرصت کا وقت جو ملا ہے اس سے فائدہ اٹھالو، اس سے پہلے کہ حسرت کرنی پڑے۔

اسلاف کا حفظِ اوقات کا نرالا انداز:-

حضرت مولانا تقی صاحب دامت برکاتہم حافظ ابن حجر عسقلانیؒ - جو شارح بخاری ہیں- کی بات نقل کرتے ہیں کہ حضرت حافظ ابن حجرؒ جب حدیث شریف لکھتے تھے تو اس وقت لکڑی کے قلم ہوتے تھے، تو جب وہ گھس جاتا تھا تو بار بار اسے ٹھیک کرنا ہوتا تھا، تو چاقو سے ٹھیک کرتے تھوڑا سا وقت لگ جاتا تھا، تو حافظ ابن حجرؒ اس وقت میں بھی قلم ٹھیک کرتے ہوئے تیسرے کلمے کا ورد کرتے رہتے تھے، تاکہ یہ وقت بھی ہمارا بیکار نہ گذرے۔

حضرت مفتی صاحب اپنے والد صاحبؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ حضرت والد صاحبؒ کے پاس ہر وقت قلم اور کاغذ رہتا تھا، سفر میں ہوں یا حضر میں ہوں، ہر وقت کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے، حتی کہ کار میں سفر ہو تو کار میں بھی لکھتے رہتے تھے، پاکستان کی گلی کوچوں کے اندر رکشہ میں ہوں تو اس وقت بھی لکھتے رہتے تھے، حالانکہ رکشہ میں بہت جھٹکے آتے تھے، لیکن اس وقت بھی ان کا قلم چل رہا ہوتا تھا۔ حاصلِ کلام یہ کہ ان کا کوئی وقت بے کار نہیں جاتا تھا۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ بات تو ذرا شرم کی ہے، لیکن سمجھانے کے لیے کہتا ہوں کہ میں جب بیت الخلاء میں ہوتا ہوں تو اس وقت کچھ کام بھی نہیں کرسکتا ہوں، ذکر بھی نہیں کرسکتا ہوں، یہ وقت میرا ضائع ہوتا ہے، تو اس کو میں اس طرح سے کام میں لاتا ہوں کہ بیت الخلاء کے اندر جو لوٹا ہے اس کو میں پاک وصاف کرلیتا ہوں، تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے آسانی ہوجائے۔ یہ حضرات ایسے وقت کو بھی بیکار نہیں جانے دیتے

تو ان کی زندگی کیسی اچھی گذری ہوگی۔

سب چیزیں فانی، صرف ذکر اللہ باقی:-

جو میں نے آیت تلاوت کی ہے اس میں ﴿مَا عِنۡدَ كُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ بَاقٍ﴾ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب زوال پذیر ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ اللہ کا ایک نام ہے باقی۔ جو کچھ وقت نیک اعمال، صلوٰۃ واذکار اور انفاق فی سبیل اللہ میں صرف ہوگیا وہ باقی ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اکاؤنٹ میں جمع ہوگیا۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ ﴿مَا عِنۡدَ كُمۡ يَنۡفَدُ﴾ سے عام طور پر ذہن صرف مال ودولت کی طرف ہی جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ فرماتے تھے کہ ﴿مَا عِنۡدَ كُمۡ﴾ کے اندر "مَا" عام ہے، اس لیے کہ اس میں دنیا کا مال ومتاع بھی داخل ہے، اس میں دنیا میں پیش آنے والے تمام حالات، معاملات، خوشی اور غمی، رنج وراحت، بیماری اور صحت، نفع اور نقصان، دوستی ودشمنی، یہ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں، اور جو چیزیں باقی رہنے والی ہیں وہ ان حالات پر مرتب ہونے والے اثرات، ان اعمال کے بدلے میں ملنے والی جزا وسزا ہیں۔

جو کچھ صدقہ کیا سب باقی ہے:-

اگر یہ بات سمجھ میں آئی تو آپ کو ایک مثال دیتا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک بکری گھر میں ذبح کی اور اسے تقسیم کردیا، پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے پوچھا: کتنا گوشت بچا ہے؟ تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: صرف ایک شانہ، ایک شولڈر (shoulder) باقی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شانے اور شولڈر کے علاوہ سب باقی ہے۔

نعمت وقت وفراغت کی قدر کرو:۔

اس لیے میرے بھائیو! فنا ہونے والی چیزوں کی دھن میں لگا رہنا اور اپنی طاقت وفکر کو اسی میں لگا کر دائمی ثواب حاصل کرنے سے غفلت برتنا یہ کسی عقلمند کا کام نہیں ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس:الصحة والفراغ“۔ علمانے لکھا ہے کہ نعمت میں ہر وہ چیز داخل ہے جس سے انسان لطف اندوز ہو اور فائدہ اٹھائے۔ اور ”غبن“ کہتے ہیں کہ کسی چیز کو حد سے زیادہ نفع دے کر خریدنا۔ مثلاً: ہم کہتے ہیں کہ یہ چیز تم نے اتنی مہنگی خریدی؟ تم کو دکان والے نے بے وقوف بنا دیا۔ یا کوئی چیز بہت سستی بیچ دی جائے۔ تو جو انسان صحت مند بھی ہو اور اس کو کوئی پریشانی بھی نہ ہو، کسی مصیبت کا بھی شکار نہ ہو، پھر بھی وہ آخرت کے لیے کچھ نہ کرے، وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خریدنے یا بیچنے میں کوئی دھوکہ کھا جائے۔

”مغبون“ کون؟

امام ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: کبھی انسان تندرست ہوتا ہے، لیکن اتنا مشغول ہوتا ہے کہ ہمیشہ معاشی فکر میں رہتا ہے۔ اور کبھی انسان فارغ ہوتا ہے مگر تندرست نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو یہ دونوں چیزیں حاصل ہوں، پھر بھی وہ نیک کاموں سے جی چراتا ہو اور غفلت اور سستی میں زندگی گذارتا ہے، تو ایسے شخص کو ”مغبون“ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے اور جو کچھ بیان کیا ہے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس سے ہمیں سبق لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

دنیا کی حقیقت رسول اللہ ﷺ کی نظر میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذى خلق الإنسان، والصلوة والسلام على سيدنا حبيب الرحمن وعلى آله وأصحابه نجوم الهداية والعرفان.أمابعد:أعوذ بالله من الشيطن الرجيم،بسم الله الرحمن الرحيم﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى﴾.وقال رسول الله ﷺ:﴿ما الدنيا في الآخرة إلا مثل مايجعل أحدكم إصبعه في اليم،فلينظر بم يرجع؟﴾

بزرگان محترم، مخلص دوستو، سننے والی ماں اور بہنو! آج آپ کے سامنے دنیا کی حقیقت رسول اللہ ﷺ کی نظر میں اس موضوع پر دو چار باتیں عرض کرنا ہے۔

یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے:-

یہ بات تو آپ جانتے ہیں، ہم بار بار سنتے ہیں، ہر عوام وخواص کی زباں زد ہے، یہاں ماشاء اللہ تبلیغی جماعتیں آتی ہیں، اکثر وہ کہتے رہتے ہیں کہ بھائی! یہ دنیا دھوکے کا گھر ہے، مچھر کا پر ہے، مکڑی کا جالا ہے۔ یہ دنیا حقیقت میں دھوکے کا گھر ہے، مگر ہم لوگ اس بات کو سرسری سن لیتے ہیں، ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ حقیقت میں نبی کریم ﷺ نے دنیا کی حقیقت کو حسی مثالوں سے سمجھایا ہے، اتنی بہترین مثالوں سے سمجھایا ہے کہ ایک جاہل سے جاہل شخص کے دل میں بھی اتر جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ اتار دے، اس کا یقین پیدا فرمادے۔

حضور ﷺ نے اس چھوٹی سی حدیث میں فرمایا: ما الدنيا في الآخرة إلا مثل

مايجعل أحدكم إصبعه في اليم،فلينظر بم يرجع؟۔حضرت مستورد بن شدادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص اپنی انگلی دریا میں ڈالے پھر دیکھے کہ اس انگلی پر کتنا پانی آیا ہے، یعنی پانی کی کتنی تَری اس پر باقی رہتی ہے۔حضور ﷺ نے کتنی پیاری مثال سے ہم کو سمجھایا! پانی کا قطرہ انگلی کو لگے اس کی نسبت دریا کے ساتھ کیا ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔بس اگر یہ بات سمجھ میں آ گئی تو ساری دنیا کو آخرت کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔

دنیا فانی ومحدود اور آخرت باقی وغیر محدود:۔

یہ مثال تو نبی کریم ﷺ نے ہم جیسے بے وقوفوں کو سمجھانے کے لیے دی ہے، ورنہ دنیا کو آخرت کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کو دریا کے ساتھ ہوسکتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا فانی ہے، ایک دن فنا ہو جائے گی اور محدود بھی ہے، لمٹیڈ ہے، اور آخرت لازوال ہے، اور غیر محدود(unlimited) بھی ہے، ظاہر ہے کہ باقی کا فانی کے ساتھ اور محدود(limited) کا غیر محدود(unlimited) کے ساتھ کیا مقابلہ ہوسکتا ہے۔

ہم آخرت سے بالکل غافل ہیں:۔

بزرگانِ محترم! اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے ہم انسانوں کو جو تعلیم دی ہے، اور جن علوم سے آگاہ فرمایا ہے، ان میں سے ایک آخرت کا علم بھی ہے۔الحمد للہ، ہمارا یقین بھی ہے کہ آخرت ایک دن آنے والی ہے۔ہم پانچ وقت کی نماز میں روزانہ پڑھتے ہیں: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، اے اللہ! تو ہی روزِ جزا کا مالک ہے۔اس کا ہمیں یقین تو ہے، مگر مستحضر نہیں رہتا ہے، بلکہ خیال ہی نہیں آتا۔

اس وقت جو چھوٹے چھوٹے دجالی فتنے ظاہر ہو رہے ہیں، اس نے ہمیں آخرت سے بالکل غافل کر دیا ہے، ہم نے آخرت کو بالکل بھلا رکھا ہے۔ عام انسانوں کی عقل صرف دنیا تک محدود ہے، آخرت پر ایمان ہی نہیں۔ یہ حق تعالیٰ کی ہم پر خاص رحمت اور کرم ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے سے ہم کو آخرت سے اور اس کے حالات سے مطلع فرمایا، ورنہ کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾، یہ لوگ صرف دنیا کی زیب و زینت اور دنیا کے باغ و بہار اور دنیا کے ٹیپ ٹاپ کو جانتے ہیں، اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔ آج کل کچھ مسلمان بھائی بھی اسی طرز سے زندگی گذار رہے ہیں کہ جو انبیائے کرام علیہم السلام اور خصوصاً ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے بعد بھی آخرت سے غافل ہیں، اور دنیا میں ایسے مشغول ہو گئے ہیں کہ سب کچھ دنیا ہی کو سمجھتے ہیں۔

غافلوں کا حال چیونٹی کے بچے جیسا:-

اس کی بہت ہی عمدہ مثال شہید اسلام حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ دیا کرتے تھے کہ چیونٹی کے انڈے میں جو بچہ ہوتا ہے، وہ بچہ اس انڈے ہی کو پوری دنیا سمجھتا ہے، اس کے نزدیک آسمان و زمین کی وسعتیں اس انڈے کی سائز تک محدود ہیں۔ اگر فرض کر لیں کہ اس بچے کو عقل و شعور حاصل ہو جائے، اور آج کل تو ٹیکنالوجی کا دور ہے، مان لیں کہ کسی ذریعے سے اسے بتلا دیا جائے کہ ایک جہاں ایسا بھی ہے کہ جس کی وسعتوں کے سامنے تیرے زمین و آسمان (انڈے کے خول) کی کوئی حقیقت ہی نہیں، اس کی کوئی نسبت ہی نہیں، تو وہ چیونٹی کا بچہ اس خبر پر کبھی یقین نہیں کرے گا، اس لیے کہ اس نے نہ تو باہر نکل کر دنیا کی وسعتوں کو دیکھا ہے، نہ

اس کے محدود تصور میں یہ وسعتیں اور چوڑائی سما سکتی ہیں۔

اسی طرح اہل دنیا کی نظر آخرت سے اوجھل ہے، اس وجہ سے جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر ایمان ویقین نہیں رکھتے، وہ آخرت کے بارے میں ان کی باتوں کا اور سچی خبروں کا مذاق اڑاتے ہیں، حالاں کہ درحقیقت یہ مسکین اور بیچارے انبیاء کی تعلیمات کا مذاق نہیں اڑاتے بلکہ اپنی محدود عقل اور تنگ نظر کا ماتم کرتے ہیں۔ انہیں تب پتہ چلے گا جب آخرت سامنے آئے گی، تو جیسے چیونٹی کے بچے کا خول (cover) ٹوٹے گا اور وہ اس وسیع دنیا میں آئے گا تو اپنی عقل پر خود ہی نادم ہوگا، اسی طرح یہ لوگ بھی جب آخرت کا وسیع اور غیر محدود عالم دیکھیں گے تو اپنی عقل پر خود نادم ہوں گے۔

محترم دوستو! نبی کریم ﷺ نے اس ارشادِ گرامی میں جو فرمایا ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص اپنی انگلی دریا میں ڈالے پھر دیکھے کہ اس انگلی پر کتنا پانی آیا ہے۔ اس مثال پر غور وفکر کریں تو دنیا کی حقارت اور ذلت اور آخرت کے مقابلے میں اس کی بے وقعتی اور بے وقاری اور بے حیثیتی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے، اگر یقین کی آنکھ سے دیکھا جائے اور دل کی گہرائیوں میں اتر جائے - اللہ ہمارے دلوں میں اس کا یقین اتار دے - تو کوئی بھی عقلمند دنیا سے ایک منٹ کے لیے بھی دنیا سے دل نہیں لگائے گا۔

دنیا کی ذلت کے اسباب:-

دنیا کی ذلت اور حقارت کے بہت سے اسباب ہیں، ان میں چند مختصر جو بزرگوں سے سنے ہیں وہ آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں:

پہلا سبب، دنیا ہر جائی ہے:-

(۱) پہلی بات تو یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دنیا اور دنیا کا مال ودولت مؤمن وکافر، نیک وبد

ہر ایک کے پاس موجود ہے، اس دنیا نے ہر ایک سے شادی کی ہے، یہ دنیا ایک یہودی، ایک بھنگی، ایک چمار، ایک قادیانی سے بھی عقدِ نکاح کرنے میں عار محسوس نہیں کرتی۔ اگر یہ دنیا انتہائی درجے کی ذلیل اور رذیل اور کمینی نہ ہوتی تو ایسے رذیلوں سے اس کا کوئی جوڑ نہیں ہوتا۔ ایک بازاری عورت جو ہر ایک کا بستر گرم کرنے کی عادی ہو، اس سے کوئی عقلمند اور شریف آدمی کبھی بھی قریب نہیں ہوگا۔

دوسرا سبب، دنیا کی بے وفائی:۔

(۲) دوسری بات یہ کہ اس میں ایسی بے وفائی ہے کہ آج ہے تو کل نہیں۔ اول تو وہ آدمی کو جیتے جی ہی چھوڑ کر بھاگ جاتی ہے، اور دوسرا یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی بڑھاپے میں نہ چل سکتا ہے، نہ کھا سکتا ہے، نہ دنیا کی دوسری لذات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، ہم مسلمان دن رات دنیا کمانے اور جمع کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

ہمارے حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیویؒ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی دنیا جمع کرنے میں بڑی محنت کرتا ہے، بڑی دوڑ دھوپ کرتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ بڑھاپے میں اسے کوئی کام آئے گا، لیکن جب بڑھاپا آتا ہے تو اس وقت ہم دیکھتے ہیں یہاں یورپ کے اندر کہ کسی کو ہائی بلڈ پریشر ہو جاتا ہے، تو کسی کو شوگر ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں نہ وہ شکر سے بنی ہوئی چیز کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے، اور ہائی بلڈ پریشر ہو جائے تو نمک سے پرہیز کرتا ہے۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ شوگر والا میٹھے سے پرہیز کرتا ہے، اور ہائی بلڈ پریشر والا نمک سے پرہیز کرتا ہے، مولانا کے الفاظ میں یہ کہ بڑھاپے میں نہ کوئی نمک کھاتا ہے اور نہ میٹھا کھاتا ہے، بڑھاپے میں آ کر وہ ان سب کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، دنیا کی سب لذتیں اس سے چھین لی جاتی ہیں، اور موت کی تلوار ہر وقت سر پر لٹکتی رہتی ہے، اور اس مال کے چھن جانے کا خطرہ ہر وقت

منڈلاتا رہتا ہے، تو ایک عقلمند اس سے کیسے دل لگا سکتا ہے؟

ایک عارف کا قول ہے کہ دنیا میں کوئی برائی نہ ہو، اور حساب وکتاب کا کوئی اندیشہ نہ ہو، پھر بھی اس کے ختم ہونے اور اس کے زوال کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ ایسی چیز سے کوئی عقلمند کیسے دل لگائے؟

دنیا ایک سایہ، یا ایک ہوائی افسانہ:-

ایک عارف سے پوچھا گیا:

حال دنیا را پرسیدم من از چہ فرزانہ ۞ گفت: ظلے ست یا بادے ست یا افسانہ

باز پرسیدم: گو آں کس کہ دل دروے بست ۞ گفت: گووے ست یا دیوے ست یا دیوانہ۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے ایک دانا سے دنیا کی حقیقت پوچھی تو کہا: اسے ایک سایہ سمجھو یا ایک ہوائی افسانہ، پھر میں نے اس دانا سے پوچھا: اس شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہو کہ جو دنیا سے دل لگا بیٹھا ہے؟ تو کہا کہ کوئی جن بھوت ہوگا، یا دیوانہ ہوگا، جو اس سے دل لگا لیا۔

تیسرا سبب، ہر لذت کے ساتھ مصیبت ہے:-

(۳) تیسری بات یہ کہ یہاں کوئی لذت خالص نہیں، بلکہ ہر لذت مصیبت اور آفات کو گھیرے ہوئے ہے۔ آدمی دو وقت کھانا کھالے، تو اس سے پیٹ تو بھر جاتا ہے، مگر یہ کھانا کتنی مصیبتوں کو لاتا ہے۔ آج کل واٹس اَپ کا دور ہے، تمام چیزوں کے بارے میں ویڈیوز سے پتہ چلتا رہتا ہے، ہم جو چیزیں کھاتے ہیں ان میں کیا کیا ملا ہوا ہوتا ہے۔ آج کل تو یہ پتہ چلا ہے کہ آرٹیفشیل چاول بھی ملنا شروع ہو گئے ہیں۔

یہ دجالی دور ہے، یہاں ہم نے دیکھا کہ ایک مرغی دس دس اور بیس بیس دن انڈے دیتی

ہے، ہم نے ہندوستان میں تو یہ سنا تھا کہ مرغی آٹھ دس دن تک انڈا دیتی ہے، اس کے بعد وہ کڑک ہوجاتی ہے، پھر وہ انڈا دینا بند کردیتی ہے۔ ایک بھینس زیادہ سے زیادہ چار پانچ لیٹر دودھ دے سکتی ہے، لیکن انگلینڈ میں دیکھا کہ ایک بھینس تیس تیس لیٹر دودھ دیتی ہے۔ تو ہر چیز کے اندر ملاوٹ اور دجالیت ہے۔ ہم جو چیز بھی کھاتے ہیں اس میں کچھ نہ کچھ ملا ہوا ہوتا ہے، اور بہت سی چیزوں سے بیماریاں پھیلتی ہیں، فلاں چیز سے کینسر ہوگیا، اور فلاں سے فلاں بیماری آتی ہے، اور اگر ہضم بھی ہوگیا تو وہ اخیر میں پیشاب پائخانہ ہی ہوجاتا ہے۔ جو لوگ دنیا اور اس کے مال و دولت کے پیچھے بھاگتے ہیں، وہ اسی قدر مصیبت اور تکلیف میں گرفتار ہوجاتے ہیں، جو لوگ قناعت کرلیتے ہیں وہ آرام میں رہتے ہیں۔

چوتھا سبب، دنیا کا حرص بے کنار:-

(۴) چوتھی بات یہ کہ اس دنیا سے کبھی کسی کا پیٹ نہیں بھرتا، جس قدر اور جتنی زیادہ دنیا سمیٹنے کی فکر کرتا ہے، اسی قدر بھوک بڑھتی جاتی ہے۔ ابھی حال میں دنیا کے مالداروں کی فہرست پڑھی، اس میں کچھ ملحد اور کچھ بے ایمان تھے، اور کتنے مسلمان ہندو پاک میں، اور کتنے بڑے بڑے لیڈر جن کے پاس کتنا زیادہ مال وسامان ہے۔ ابھی ابھی ہندوستان میں نوٹ بندی ہوئی اس وقت اخباروں کے اندر اور واٹس اَپ پر خبریں آئیں کہ کتنے مسلمان تھے جن کے پاس کمرے اور تجوریاں بھر بھر کر روپیے تھے، پھر وہ پکڑے گئے۔ تو جو جس قدر دنیا جمع کرنے کی فکر کرے گا، اس کی بھوک اس قدر بڑھتی چلی جائے گی۔

پانچواں سبب، دنیا کا انہماک عقبیٰ سے غفلت کا سبب:-

(۵) پانچویں بات یہ ہے کہ دنیا اور اس کے مال ومتاع کو جمع کرنے میں آدمی جس قدر منہمک اور مشغول ہوگا، اسی قدر وہ آخرت سے غفلت برتے گا۔ گویا دنیا اور آخرت دونوں مخالف

سمتیں ہیں، ایک مشرق ہے تو ایک مغرب ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "من أحب دنياه أضر بآخرته، ومن أحب آخرته أضر بدنياه" (مستدرک حاکم: ۴/ ۳۵۴-دار الکتب العلمیۃ بیروت-) جو شخص دنیا سے محبت کرے گا وہ آخرت کے اعتبار سے خسارے میں رہے گا، اور جو شخص آخرت سے محبت رکھے گا تو لامحالہ دنیا میں کچھ کمی آئے گی، تو باقی کو فانی پر ترجیح دو۔ حضورِ اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "فأثروا ما يبقى على ما يفنى"، یعنی تم فانی کے بجائے باقی رہنے والی چیز کو ترجیح دو۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ دنیا اور آخرت دو سوکنوں کے مانند ہیں، ایک کو راضی کریں گے تو دوسری ناراض ہو جائے گی۔

دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ:-

بہت مشہور حدیث ہے کہ "حب الدنيا رأس كل خطيئة"، دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ دنیا کی محبت اس حد تک نہ چلی جائے کہ دین و شریعت، حلال و حرام کی تمیز ہی ختم ہو جائے، نہ روزے کی فکر ہو، نہ نماز کی، نہ آخرت کی یاد ہو، نہ موت کی یاد کبھی رہے۔ چوں کہ آخرت انسان کا اصلی وطن ہے، اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اصلی وطن کے لیے تیاری سے محروم ہو جائے۔

چھٹا سبب، دنیا کی ہر چیز کا حساب دینا ہے:-

(٦) چھٹی بات یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع جمع کرنے کی آفت یہ ہے کہ یہاں کی ہر چیز کا حساب چکانا پڑے گا، ابتدا سے لے کر موت تک کا پورا حساب دینا ہوگا کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ آخر میں یہی بات کہتا ہوں کہ قرآن کریم اور فرامینِ رسول ﷺ میں جس دنیا کی مذمت ہے اس سے وہ دنیا مراد ہے کہ جس کی مشغولیت آخرت سے بالکل غافل کر دے، ورنہ دنیا کی وہ چیزیں جو یادِ الٰہی اور یادِ آخرت میں معین و مددگار ہوں وہ مذموم اور بُری نہیں

ہیں، بلکہ آخرت کے لیے معین ثابت ہوں گی۔

دینار میں دین اور نار:-

دینار کے باب میں ہمارے حضرت مولانا ابرار احمد دھلیوی ؒ فرماتے تھے: دینار جو سونے کا سکہ ہوتا تھا، یہ سامانِ جنت بھی ہے اور سامان جہنم بھی ہے، جنت اور جہنم دونوں کا سبب بن سکتا ہے، اس لیے کہ دینار کے اخیر میں الف اور راء ہے، اس کو آپ ہٹا دیں تو دین بنتا ہے، گویا دولت کو صحیح مصرف میں استعمال کریں اور دین کے کاموں میں صرف کریں تو یہی جنت میں جانے کا ذریعہ ہے، اور اگر اس دولت کو غلط طریقے سے استعمال کیا جائے تو نتیجہ یہ ہے کہ شروع کے دوحرف آپ کم کر دیں، تو نار ہو جاتا ہے، یعنی جہنم تک پہنچانے والا بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

تو میرے بھائیو! ہمیں دنیا کو استعمال بھی کرنا ہے، اور آخرت کو بنانا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھ کھولے اور ہمیں آخرت بنانے کی فکر نصیب فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

علماء دیوبند کے علوم کا پاسبان
دینی وعلمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل
حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان
درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین
ٹیلیگرام چینل ہے